خانوادۂ نبوی ﷺ و عہدِ بنی اُمیّہ

حقائق و اوہام

ڈاکٹر سیّد رضوان علی ندوی

العربی۔ اِدارۂ تصنیف و نشر، کراچی

خانوادۂ نبوی و عہدِ بنی اُمیّہ

حقائق و اوہام

ڈاکٹر سیّد رضوان علی ندوی

العربی۔ اِدارۂ تصنیف و نشر، کراچی

نام کتاب : خانوادۂ نبوی اور عہدِ بنی امیہ
حقائق و اوہام
مصنف : ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی
کمپوزنگ : حافظ محمد عابد سعید (فون: 5082601)
طبع اول : جنوری ۲۰۰۴ء
مطبع : کارگر پرنٹرز۔ کراچی
ناشر : العربی۔ ادارۂ تصنیف ونشر، کراچی
نمبر 5، P اسٹریٹ، خیابانِ سحر
فیز VI، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی، کراچی۔
قیمت : -/200 روپے۔

ملنے کے پتے

۱۔ ناشر
۲۔ مکتبۂ ندوہ، قاسم سینٹر، اردو بازار، کراچی
۳۔ رائل بک ڈپو، ریکس سینٹر، کراچی
۴۔ مکتبہ سید احمد شہید، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

یہ کتاب چند اہم اسلامی تاریخی موضوعات پر پانچ مباحثاتی مقالات کا مجموعہ ہے۔ اس کا سببِ تصنیف مقدمۂ کتاب میں بیان کر دیا گیا ہے۔ کتاب میں جو موضوعات زیرِ بحث آئے ہیں ان کا اندازہ کتاب کے عنوان سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اتنے مختلف تاریخی، علمی، انسابی موضوعات ہیں کہ ان کے لئے ایک جامع عنوان اختیار کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے جس عنوان کے تحت یہ مباحث کراچی کے ایک مشہور و مؤقر ہفتہ وار میگزین میں تیرہ سال قبل شائع کئے گئے تھے اُسی کا پہلا جزء یعنی "خانوادۂ نبویؐ" باقی رکھا گیا ہے، لیکن توضیح مطالب کے لئے اس میں ایک ضروری اضافہ کر دیا گیا ہے۔

موضوعات کے اختلاف کے باوجود کتاب میں وحدتِ فکر ہے، کہ ایک طرف اس میں اسلامی تاریخ کے عہدِ اولیں سے متعلق وہ مسلمہ حقائق ہیں جن پر جمہور امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے۔ یہ حقائق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان، آپؐ کے اہلِ بیت اور صحابۂ کرام، حسبِ درجات اور خلفائے راشدین و خلفائے بنی امیہ کے مقام و احوال سے متعلق امت کی عظیم اکثریت (اہل سنت والجماعت) کے معتقدات و افکار ہیں، اور دوسری طرف بعض ان گم کردہ راہ فرقوں کے معتقدات و افکار ہیں جو خلافت راشدہ کے آخری عہد میں فتنہ و فساد اور جنگ و خوں ریزی کا سبب بنے۔ ان میں دو انتہا پسند فرقے خوارج اور شیعہ نمایاں تھے۔ آج بھی ان دونوں کے انتہا پسندانہ افکار فتنہ و فساد کا سبب ہیں۔ خوارج یا خارجیوں کے متعدد ذیلی فرقوں میں سے ایک فرقہ ناصبی (نواصب) رہا ہے جو آج بھی موجود ہے اس کی کچھ تفصیل مقدمے میں ہے، اگرچہ وہ اپنے آپ کو اس نام سے موسوم کرنا پسند نہیں کرتا، لیکن مذکورۂ بالا موضوعات سے متعلق جو معتقدات و افکار ان لوگوں کے ہیں وہ وہی ہیں جو اسلامی تاریخ میں نواصب ((اہلِ بیت سے نفرت کرنے والوں) کے رہے ہیں، اس لئے ان کو ناصبی کے نام سے یاد کرنا بالکل درست ہے۔

پاکستان میں اس رفتے کے افکار کو از سرِ نو زندہ کرنے والے چینی سفارتخانے میں مترجم ایک صاحب محمود عباسی تھے جن کی ایک ہیجان انگیز و بدنامِ زمانہ کتاب نے چالیس پینتالیس سال قبل پاکستانی معاشرے میں نفرتوں کا زہر پھیلایا۔ انہوں نے شیعوں کے مخالف کی حیثیت سے سستی شہرت حاصل کرنے کے شوق میں ہمارے عہدِ اولیں کی اسلامی تاریخ ہی کو داغدار کر دیا، ناصبیوں کے ان پاکستانی امام نے اپنی کتاب ''خلافت و یزید'' اور بعض دیگر کتب کے ذریعہ پاکستان میں فرقہ پرستی کو فروغ دیا، اور معاشرے میں باہمی نفرتوں کے بیج بوئے جوان کے بعد برگ و بار لائے، افسوس کہ اس رو میں چند علماء بھی بہہ گئے جس کی وجہ سے معاشرے میں بہت تناؤ پیدا ہوا، کچھ جانیں بھی ضائع ہوئیں اور بعض اچھے اصحاب علم سے بھی، ان کی شہادت کے نتیجہ میں، معاشرہ محروم ہو گیا۔

اس کتاب میں ناصبیوں کے افکار و معتقدات کے زہر سے اہلِ سنت و جماعت (اس نام کی پاکستانی مذہبی جماعت مراد نہیں، بلکہ کسی بھی فرقہ بندی سے دور مسلمانانِ عالم مراد ہیں) کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور دلائل و براہین کی روشنی میں اہلِ سنت و جماعت کے افکار کو صحیح ثابت کیا گیا ہے، اور ان دروغ بافیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے جن کے ذریعہ ناصبی فرقہ پرستی کو ہوا دیتے اور نفرتوں کو عام کرتے ہیں۔ انتہائی خطرناک اور افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ ناصبی اپنے غلط افکار کو اہلِ سنت سے منسوب کرتے ہیں۔ اسی لئے منبر و محراب سے دور رہنے والے ایک عالم اور عظیم مصنف و محقق مولانا عبدالرشید نعمانی مرحوم نے اپنی ایک کتاب کا نام ''ناصبیت اہلِ سنت کے بھیس میں'' رکھا ہے۔

راقم الحروف عرصۂ دراز تک بحیثیت طالب علم و یونیورسٹی پروفیسر عرب ممالک میں رہنے کے سبب پاکستان کی اس مسموم فرقہ وارانہ فضاء سے ناآشنا تھا۔ وہ جیسا کہ اس کے قارئین جانتے ہیں نہ شیعہ ہے اور نہ خارجی ناصبی۔ اُس نے انتہائی سادگی کے ساتھ خانوادۂ نبوت سے متعلق ایک غلط نسبی چارٹ کی فریضۂ علمی کے طور پر ایک تصحیح اُسی مجلّے میں شائع کی جس میں یہ چارٹ چھپا تھا، اس علمی مقالۂ تصحیح میں کوئی طنز و تشنیع و دشنام طرازی نہ تھی،
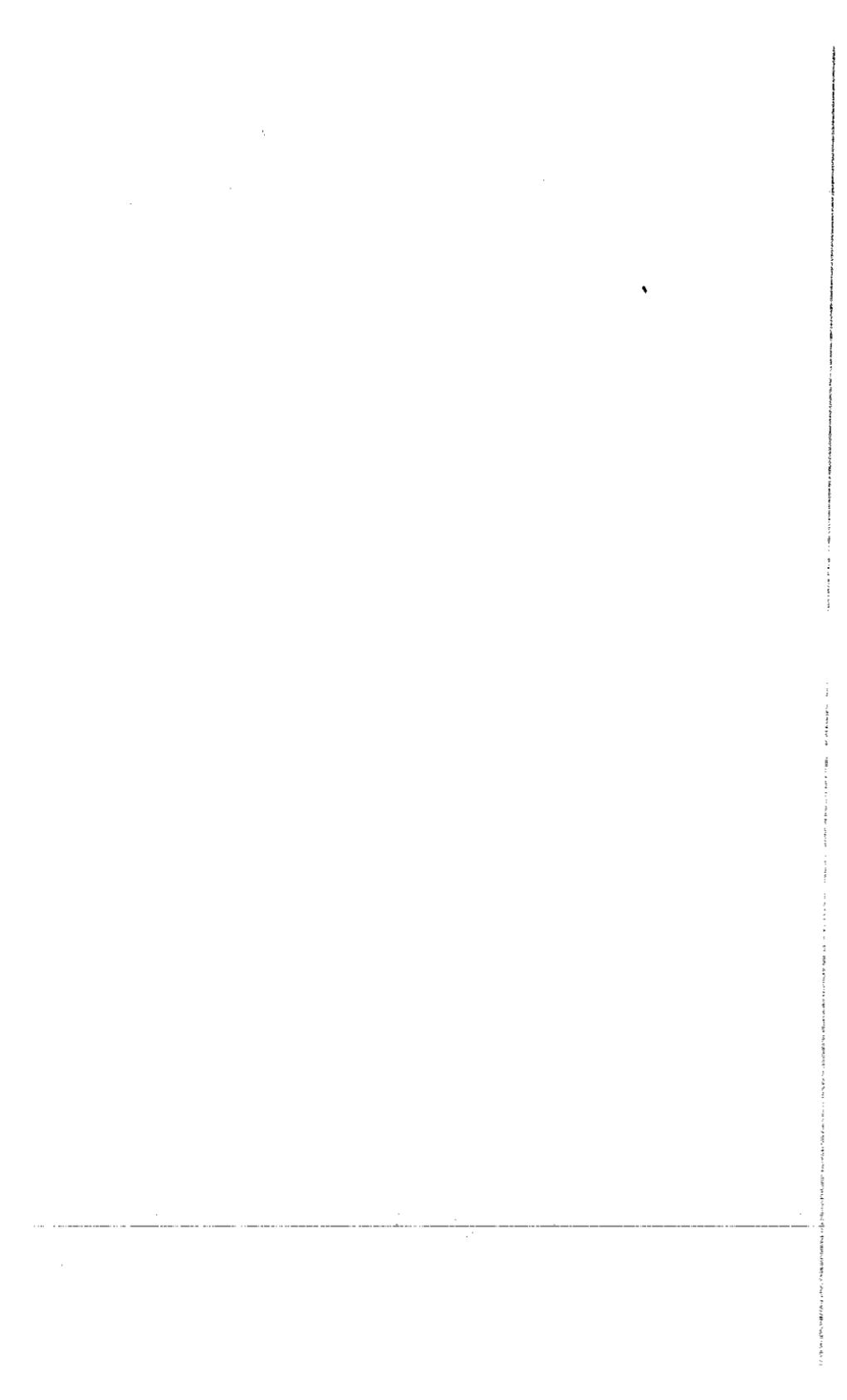
لیکن اس کے باوجود اس تصحیح پر فرقہ وارانہ ناصبی ذہنیت کا ایک طوفان ابل پڑا، بلکہ ابلتا ہی چلا گیا۔ اس طوفان کو اٹھانے والے ناصبی ذہن کے ایک مقرر شاہ بلیغ الدین صاحب تھے جن کو ریڈیو اور ٹیلیویژن میں تقریریں اور پروگرام کرنے اور شیعوں کے رد میں مناظرانہ تحریروں وتقریروں کے سبب عوام میں شہرت حاصل تھی، اور غالباً وہی اس غلط چارٹ کے مصنف تھے۔ امانتِ علمی اور تصحیح افکار کی خاطر مجھے اس طوفان کے خلاف بند باندھنا پڑا اور طویل بحث کرنا پڑی، ورنہ میرا مزاج مناظرانہ نہیں۔ الحمدللہ کہ اس طرح بہت سے غلط افکار کا بڑی حد تک سدباب ہوا جو اہلِ سنت کے نام پر عام کئے جا رہے تھے اور کئے جا رہے ہیں۔

راقم الحروف کے ان مباحث کی تیرہ سال قبل ایک مجلّے میں ان کی اشاعت پر کافی پذیرائی ہوئی تھی۔ بعض محترم احباب و اربابِ علم کا تقاضا تھا کہ ان مباحثات کو کتابی شکل میں شائع کروں۔ کراچی کے ایک اشاعتی ادارے یا کتاب فروش نے ان کی ہو بہو مجلّے کی شکل میں عکسی طبع کر کے پیسے بھی کمائے۔ کافی عرصہ قبل ۱۹۹۶ء میں ان مقالات کو دہلی کے ایک اشاعتی ادارے کو دیا تھا جہاں یہ کمپیوٹر سے کمپوز ہو گئے تھے اور میں نے پروف ریڈنگ کر کے اور ایک انتہائی مفصل تاریخی مقدمہ لکھ کر اس ادارے کو بھیج دیا تھا، لیکن افسوس کہ یہ نقش اول اہمال کی نذر ہو گیا، کمپیوٹر سے وہ سب ریکارڈ اڑ گیا۔ اس میں میرے کئی ہزار روپے بھی ضائع ہوئے اور محنت الگ اکارت گئی۔ میرا دل ٹوٹ گیا۔ اب اسی سال کے اوائل (جنوری ۲۰۰۳ء) میں سات سال بعد دوبارہ دہلی گیا تو کتاب کو ازسرنو کمپوز کرا کے اپنے ساتھ کراچی لایا، اور خود ہی شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ کتاب کے موضوعات میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، البتہ ان مباحثات کے صحافتی عناوین میں تغیر کر دیا گیا ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ اس ناچیز کوشش کے نتیجے میں ان افکار کی بیخ کنی ہو گی جو نفرتوں کو جنم دیتے ہیں خواہ وہ کسی بھی فرقے کی طرف سے ہوں، اور معتدل و متوازن افکار کی آبیاری ہو گی جو اسلام کا سرمایہ افتخار ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ

رضوان علی ندوی

کراچی ۲۵ رشوال ۱۴۲۴ھ، ۲۰ ردسمبر ۲۰۰۳ء

والد ماجد
حضرت عبداللہ
والدہ ماجدہ
حضرت آمنہ

اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ازواج مطہرات

1. سیدہ خدیجہؓ بنت خویلد
2. سیدہ عائشہؓ بنت حضرت ابوبکرؓ
3. سیدہ سودہؓ بنت زمعہ
4. سیدہ حفصہؓ بنت حضرت عمر فاروق اعظمؓ
5. سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ
6. سیدہ ام سلمہؓ بنت ابی امیہ سہیل
7. سیدہ زینبؓ بنت جحش
8. سیدہ جویریہؓ بنت حارث
9. سیدہ ام حبیبہؓ بنت حضرت ابوسفیانؓ
10. سیدہ میمونہؓ بنت حارث
11. سیدہ صفیہؓ بنت حیی بن اخطب
12. سیدہ ماریہ قبطیہؓ

اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بیٹے

1. قاسم — بچپن میں وفات پائی
2. عبداللہ — 〃 〃 〃
3. طاہر (طیب) — 〃 〃 〃
4. ابراہیم — 〃 〃 〃

بیٹیاں

1. سیدہ زینبؓ زوجہ حضرت ابوالعاصؓ اموی
2. سیدہ رقیہؓ زوجہ حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ اموی
3. سیدہ فاطمہؓ زوجہ حضرت علی مرتضیٰؓ ہاشمی
4. سیدہ ام کلثومؓ زوجہ حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ اموی

آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نواسے

1. حضرت علیؓ بن حضرت ابوالعاصؓ اموی
2. حضرت عبداللہؓ بن حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ اموی
3. حضرت حسنؓ بن حضرت علیؓ ہاشمی
4. حضرت حسینؓ 〃 〃 〃 〃

نواسیاں

1. سیدہ امامہؓ بنت حضرت ابوالعاصؓ اموی (زوجہ حضرت علیؓ ہاشمی)
2. سیدہ ام کلثومؓ بنت حضرت علیؓ ہاشمی (زوجہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ)
3. سیدہ زینبؓ بنت حضرت علیؓ ہاشمی (زوجہ عبداللہ بن جعفرؓ)
4. سیدہ رقیہؓ 〃 〃 〃 〃 (بچپن میں وفات پائی)

سرپرستان سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم

1. حضرت عبدالمطلب (آنحضورؐ کے دادا) ۸ سال کی عمر تک پرورش کی۔
2. حضرت زبیر (آنحضورؐ کے سب سے بڑے چچا) ۲۰ سال کی عمر تک پرورش کی (انکی سرپرستی میں جنگ فجار میں عمر ۱۵ سال شرکت کی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا

مسلم

1. اسد اللہ (شیر خدا) سید الشہداء حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ)
2. حضرت عباس رضی اللہ عنہ

غیر مسلم

- عبد مناف (ابوطالب)
- عبدالعزیٰ (ابولہب)

صحابۂ کرام بحیثیت خلیفہ

1. حضرت ابوبکر صدیقؓ (مدت خلافت) ۲ سال ۳ ماہ (۱۰ دن)
2. حضرت عمر فاروق اعظمؓ 〃 ۱۰ 〃 ۶ 〃 (۴ 〃)
3. حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ 〃 ۱۱ 〃 ۱۱ 〃 ۱۲ 〃
4. حضرت علی مرتضیٰؓ (مدت خلافت) ۴ سال ۹ ماہ
5. حضرت حسنؓ 〃 〃 ۶ 〃
6. حضرت امیر معاویہؓ 〃 ۱۹ 〃 ۳ 〃

جو صحابہؓ کرام پر تنقید کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھے

جاری کردہ: تحریک انسداد غیر اسلامی مطبوعات ولٹریچر ۔ پاکستان
عطیہ اشتہار: ایک نومسلم آغا خانی، کراچی۔

براہ کرم فوٹو اسٹیٹ کروا کر زیادہ سے زیادہ مسلمانوں میں تقسیم کریں۔ شکریہ!

جنگ | ۲۸ ستمبر ۱۹۸۹ء

مُقدّمة

اس کتاب کے سبب تصنیف کا ایک قصہ ہے جو میں بعد میں پیش کیا جائے گا لیکن اس سے قبل موضوع سے متعلق چند بنیادی باتیں بہت ضروری ہیں اور جن کا اس کتاب میں وارد بعض مباحث سے گہرا تعلق ہے۔ یعنی اسلام میں فرقوں کی تشکیل ونشو ونما اور معاشرے میں ان کے اثرات، اس سیاسی و عقائدی تاریخی پس منظر کو سمجھے بغیر ان مباحث کو سمجھنا مشکل ہے۔

اسلام میں فرقوں کی تشکیل:۔

اسلامی تاریخ میں بصیرت رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام میں مختلف ختم شدہ اور موجودہ فرقے سیاست کی بنیاد پر وجود میں آئے جن کی تفصیلات امام ابوالحسن الاشعری کی کتاب "مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلیین"، عبدالقاھر بغدادی (وفات ۴۲۹ھ) کی کتاب " الفرق بین الفرق" شہرستانی (وفات ۵۴۸ھ) کی کتاب "الملل والنحل" اور ابن حزم (وفات ۴۵۶ھ) کی کتاب "الفصل فی الملل و النحل" وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔ اس پر موجود ومطبوع قدیم ترین اور جامع ترین کتاب امام ابوالحسن الاشعری (وفات ۳۲۴ھ) کی مذکورہ کتاب ہے، جس میں پہلے انہوں نے شیعہ ،خوارج، مرجئہ، معتزلہ، الجہمیہ، الکلابیہ وغیرہ دس امہات الفرق گنائے ہیں، پھر ان کے فروعی فرقے در فرقے، جن کی تعداد اور کثرت آج ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے، صرف شیعوں کے تین بڑے فرقوں، غالیہ، امامیہ (اثنا عشریہ) اور زیدیہ کے انھوں نے چھیالیس فروعی فرقے گنائے ہیں، اور پھر ان میں سے ایک فرقے غالیہ کے پندرہ فرقے۔ امامیہ کے پچیس فرقے اور زیدیہ کے چھ فرقے، اسی طرح خوارج کے چار اہم فرقے، ازارقہ، صفریہ، نجدیہ اور اباضیہ اور ان سے متفرع فرقے جن کی کل تعداد تینتیس (۳۳) تھی، اور اسی طرح

مرجیۂ جن کے مختلف فرقوں کی تعداد ۱۲ لکھی ہے، معتزلہ، جہمیہ، کلابیہ فرقے اتنے زیادہ فروعی فرقوں میں نہیں بٹے۔

امام اشعری نے مختلف افراد کے ناموں سے قائم ہونے والے ان فروعی فرقوں کے مختلف مسائل میں اقوال لکھے ہیں، اور امہات فرق کے بنیادی افکار کی تشریح بھی ساتھ ہی کردی ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اموی اور اولین عباسی عہد سے لے کر امام اشعری کے عہد یعنی ۳۳۰ھ تک اور خاص طور پر عباسی عہد میں فکری آزادی و انتشار کا کیا عالم تھا۔ آج ہم ان فرقوں کا نام صرف کتابوں ہی میں پڑھتے ہیں، بحمداللہ مرور زمانہ سے ان میں سے کثیر تعداد ختم ہوچکی ہے۔ شیعوں میں صرف امامیہ (اثنا عشریہ) اسماعیلیہ اور ان کے چار ذیلی فرقے آغاخانیہ و بوھری، لبنان وشام میں نُصیری و دروز ہیں اور خوارج، عُمان، الجزائر اور لیبیا میں باقی رہ گئے ہیں۔ نئے سیاسی یا مذہبی فرقے جیسے اشتراکی، شیوعی، بعثی، بریلوی، دیوبندی، وہابی (اہل حدیث) وغیرہ پیدا ہوگئے ہیں۔ لیکن ان سب قدیمی فرقوں سے قطع نظر ہمیشہ سے جمہور مسلمین اہل سنت والجماعت (سُنّی) رہے جو آج بھی امت مسلمہ کا ۹۵ فیصد حصہ ہیں اور بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث سُنی ہی ہیں۔ مجھے اس وقت صرف تین قدیم فرقوں کا ذکر مقصود ہے۔

جہاں تک قدیم امہات فرق، شیعہ، خوارج، معتزلہ، مرجیہ وغیرہ کا تعلق ہے تو ان کی بنیاد فتنۂ کبریٰ یعنی حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد پڑی، اس وقت اساسی طور پر پہلا فرقہ شیعہ یا شیعانِ علیؓ تھے اور دوسرا شیعۂ عثمانؓ (شیعان عثمانؓ)، جو عثمانیہ بھی کہلاتے تھے، بہت سے لوگوں کو شیعۂ عثمانؓ کے نام پر تعجب ہوگا، کیونکہ اب لفظ شیعہ کا اطلاق صرف ایک ہی بڑے فرقے پر ہوتا ہے، جو حضرت علیؓ ہی کو اپنا اولین امام، خلافت کا مستحق اور دیگر صحابۂ کبار سے افضل اور رسول مقبول ﷺ کا وصی مانتے ہیں، جب کہ شیعۂ عثمانؓ وہ تھے جو ان کی شہادت کے بعد قاتلان عثمانؓ سے انتقام کے درپے ہوئے اور انہوں نے جمہور مسلمین کے برخلاف حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور نہ ان کو خلیفہ تسلیم کیا، اس گروہ کی قیادت امیر معاویہؓ اور ان کے اموی وشامی مؤیدین نے کی۔ عربی زبان میں شیعی کے معنٰی طرفدار و متبع

(Follower) کے ہیں شیعہ اس لفظ کی جمع ہے۔ اس طرح حضرت علیؓ کے مؤیدین شیعانِ علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے مؤیدین (ان کے قتل کے بعد) شیعانِ عثمان کہلائے۔ مرور زمانہ اور اموی خلافت کے زوال کے بعد شیعانِ عثمان یا عثمانیہ تو ختم ہوگئے، اور شیعانِ علیؓ اب صرف شیعہ کہلاتے ہیں اور آج تک یہی صورت ہے۔

پھر یہ شیعانِ علیؓ جو بنیادی طور پر ایک بڑی سیاسی جماعت تھی اور جو حضرت معاویہؓ کے بعد اموی خلافت سے مختلف اوقات میں کچھ عرصہ برسرِ پیکار رہی، اور بعد کو علویوں کے نام سے عباسی خلافت کے خلاف سیاسی و عسکری تحریکات میں مشغول رہی رفتہ رفتہ ایک مذہبی فرقے میں تبدیل ہوگئی اور آج تک یہی صورت حال ہے۔

جہاں تک خوارج کا تعلق ہے تو یہ وہ لوگ تھے جو جنگِ صفین (مابین حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ) میں حضرت علیؓ کے لشکر میں تھے، لیکن حضرت علیؓ کی افواج کی جنگ میں کامیابی سے قریب ہونے کے عین وقت حضرت معاویہؓ کے لشکریوں کی طرف سے نیزوں پر قرآن اٹھانے اور یہ ندا بلند کرنے پر کہ ہم آپس میں قرآن کو فیصلہ کن بنانا چاہتے ہیں، حضرت علیؓ کو، انکی فہمائش کے باوجود، مجبور کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ ہم کو حضرت معاویہؓ کی طرف سے اس پیش کش کو قبول کرلینا چاہیے، اوران لوگوں نے اس وقت اس طرح حضرت علیؓ کی نافرمانی کرکے انکی فتح کو شکست میں تبدیل کردیا۔

پھر جنگ رکنے کے فوراً بعد تحکیم کا قصہ پیش آیا، اس موقعہ پر بھی اس سرکش گروہ نے حضرت علیؓ کی مرضی کے خلاف حضرت عبداللہ بن عباس کو چھوڑ کر حضرت ابوموسیٰ الاشعری کو "تحکیم" (Arbitration) کے لئے اپنا نمائندہ چنا، پھر اس تحکیم میں ابوموسیٰ الاشعری اور عمرو بن العاص (نمائندہ حضرت معاویہؓ) کے مابین جو کچھ پیش آیا وہ تاریخ میں معروف ہے۔ اب یہی گروہ اس تحکیم کے نتیجہ کے خلاف ہوگیا اور اس نے "لاحکم الا للہ" (اللہ کے فیصلے کے سوا کسی کا فیصلہ تسلیم نہیں) کا نعرہ بلند کیا، اس لئے وہ اپنے پہلے اور اس دوسرے اقدام کے باعث "محکمہ" کہلائے، اور یہ حضرت علیؓ کا عسکری کیمپ چھوڑ کر عراق میں

''حروراء'' کے مقام پر چلے گئے، اس لئے خوارج یا خارجی اور حروریہ بھی کہلائے۔

حضرت علیؓ کے ان سرکش اور باغی ساتھیوں کا معاملہ اسلامی تاریخ میں بہت عجیب ہے۔ تحکیم کا مسئلہ اور اس میں جو کچھ پیش آیا وہ بھی ایک عقدۂ لاینحل ہے، مورخین نے اسکا جو تجزیہ کیا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ گروہ جو حضرت علیؓ کو اس مصیبت کے وقت میں چھوڑ کر چلا گیا بلکہ اس نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں کی تکفیر کی، وہ درحقیقت بنی تمیم کے اُن سرکش بدوؤں میں سے تھے جو حضور ﷺ کی رحلت کے بعد یمامہ (نجد) میں مرتد ہوگئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ بن الولید کی قیادت میں بڑی جانی قربانی کے بعد ان کو زیر کیا، اور پھر بعد کو اس جنگ جو قبیلے کی بڑی تعداد کو اپنے مرکز سے ہٹانے اور باطل کے لئے ان کی خوئے پیکار کو حق کی طرف موڑنے کیلئے انکو ان جہادی معارک میں بھیجدیا جو ایرانی شہنشاہیت کے خلاف جنوبی عراق میں برپا ہوئے۔ اس جنگجو قبیلے نے صحابۂ کرام کی قیادت میں بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ معرکہ قادسیہ میں ایرانیوں کے خلاف کامیابی کے بعد حضرت عمرؓ نے کوفہ و بصرہ کی فوجی چھاؤنیاں سن ۱۶ھ اور ۱۸ھ کے مابین قائم کیں، وہاں بنی تمیم اور انکے حلیف دیگر قبائل کو آباد کردیا گیا، یہ دونوں چھاؤنیاں رفتہ رفتہ اچھے خاصے شہر بن گئے۔، اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے ایران میں جہادی معارک میں بہادری کے بڑے جوہر دکھائے، لیکن انکی قدیم خوئے سرکشی نہیں گئی۔ انکو حضرت عمرؓ جیسا سخت گیر خلیفہ ہی قابو میں رکھ سکتا تھا۔ فاتح عراق اور والی کوفہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور بعد کو حضرت عثمانؓ کے خلاف بھی انہی سرکشوں اور مصر میں مقیم بعض عرب قبیلوں نے فتنہ کھڑا کیا اور مدینہ پر چڑھ آئے، حضرت علیؓ نے بیچ میں پڑ کر بڑی حکمت و دانائی سے بغیر کسی خون خرابے کے ان کو مدینہ سے واپس کیا، لیکن فوراً بعد ہی حضرت عثمانؓ کے معتمد علیہ (سکریٹری) اور قرابت دار مروان بن الحکم نے اپنے غلط منتقمانہ خط کے ذریعہ معاملہ خراب کردیا، تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں، اور اس اقدام کے نتیجے میں یہ باغی پھر راستے سے مدینہ منورہ واپس آگئے، اور اب انہوں نے حضرت عثمانؓ کا خون بہا کر ہی دم لیا، اس وقت مدینہ کے حالات انتہائی

خطرناک، الم انگیز اور بے قابو تھے، ابتری کے اس نازک لمحے میں حضرت علیؓ کی بیعت روبہ عمل آئی اور اہل مدینہ ومکہ اور کبار صحابہؓ نے ان کی خلافت کو تسلیم کیا، لیکن اس سے قبل کہ حضرت علیؓ پورے طور پر حالات پر قابو پا سکیں اور بگڑے ہوئے حالات کو سدھاریں، شامیوں کی قیادت میں حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور پھر جنگ جمل و جنگ صفین یکے بعد دیگرے برپا ہوئیں۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد فتنوں کا ایک دروازہ کھل گیا تھا، یہ اسلامی تاریخ کا افسوسناک باب ہے، اس میں بعض شخصیات کے ذاتی مفادات اور قدیم قبائلی وخاندانی بغض وعداوت کو بھی دخل تھا، اس کے محاکمے سے اب کوئی فائدہ نہیں۔

بہرحال یہی وہ قدیم یمامہ کے تمیمی تھے جو اب کوفی کہلائے جاتے تھے، اور جو حضرت علیؓ کو جنگ صفین میں عین کامیابی کے وقت تنگ کرکے اور پھر چھوڑ کر حروراء چلے گئے تھے، اور اب حضرت علیؓ سے لڑنے کے لئے تیاری کرنے لگے تھے، حضرت علیؓ نے ان سرکش باغیوں (خارجیوں) کو معرکہ نہروان میں بالآخر سخت لڑائی کے بعد زیر کیا، اور حضور ﷺ کی وہ پیش گوئی پوری ہوئی کہ جو ان کو زیر کریگا وہ ”ادنی الطائفتین الی الحق“ (دو گروہوں میں سے حق سے قریب تر ہوگا)۔ اسی بنا پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ، امام ذہبی اور حافظ ابن کثیر جیسے قدیم سُنی محدثین ومؤرخین نے حضرت معاویہؓ کے مقابلے میں حضرت علیؓ کے حق پر ہونے کا فیصلہ دیا ہے، جو فتاویٰ ابن تیمیہ، تاریخ الاسلام، ذہبی اور ابن کثیر کی البدایۃ والنہایۃ میں مذکور ہے۔

اس طرح یہ خارجی فرقہ یا خوارج بھی سیاست کی پیداوار تھے، اور چونکہ انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ حضرت عثمانؓ اپنے آخری چھ سالہ دورِ خلافت میں کافر ہوگئے تھے اور حضرت علیؓ نتیجۂ تحکیم قبول کرکے کافر ہوگئے، اس طرح وہ ایک مذہبی فرقے میں تبدیل ہوگئے، گناہ کبیرہ کا مرتکب ان کے نزدیک کافر ہے یہ انہی کا عقیدہ ہے۔ پھر بالآخر یہی خارجی حضرت علیؓ کو قتل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ خارجیوں کے برخلاف حضرت علیؓ کے

بقیہ مؤیدین وطرفداروں (شیعہ) نے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت معاویہؓ بلکہ دیگر خلفاء راشدین تک کو کافر کہنا شروع کر دیا، اور معرکۂ کربلا میں سیدنا حسینؓ کے یزید بن معاویہؓ کے ہاتھوں قتل ہونے کے بعد اس میں اور شدت آگئی، نظریۂ امامت اُن کے یہاں ایک مذہبی عقیدہ بن گیا، اور تقیہ اور ''ولایت'' کے مسائل پیدا ہوگئے، اور شرعی احکام کتاب و سنت اور اجتہاد کے بجائے بارہ یا سات اماموں، یا ''حاضر امام'' (آغاخانیوں کے مذہبی لیڈر) کے اقوال سے اخذ کئے جانے لگے۔ شروع کی تین صدیوں کے شیعہ اس قدر متعصب اور بد کلام نہ تھے جیسا بعد میں ہوا، وہ صحابہؓ پر تبرّا ابھی نہیں کرتے تھے۔ تیسری و چوتھی صدی ہجری کے شیعہ مؤرخین یعقوبی اور مسعودی وغیرہ خلفائے ثلاثہ کے کارنامے بیان کرتے ہیں اور ان کی کوئی برائی نہیں کرتے، وہ صرف حضرت علیؓ سے زیادہ محبت کا اظہار کرتے اور اُن کے اوصاف زیادہ بیان کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری کی اپنی عظیم ترین شرح فتح الباری کے مقدمے میں لکھا ہے کہ امام بخاری نے شیعہ راویوں سے حدیثیں نقل کی ہیں، البتہ رافضیوں سے نہیں، جو صحابہ پر تبرّا کرتے ہیں۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ یہ قدیم مورخین جو بلا شبہ شیعہ ہیں اور شیعی اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کا ذکر ہے، حضورﷺ کی حضرت خدیجہؓ کے بطن سے چار بیٹیاں زینبؓ، رقیہؓ، اُم کلثومؓ اور فاطمہؓ بتاتے ہیں۔ لیکن عرصۂ دراز یعنی تیس سال بعد میں پاکستان میں مستقل واپس آکر اقامت گزیں ہوا تو سن ۱۹۸۹ء میں یہاں کے کثیر الاشاعت قومی اخبار ''جنگ'' میں ایک شیعی پروفیسر علی رضا نقوی صاحب کا مضمون پڑھا کہ انہوں نے صرف حضرت فاطمہؓ کو حضورﷺ کی دُختر لکھا اور باقی تین کے بارے میں لکھا کہ وہ حضرت خدیجہؓ کی بیٹیاں ان کے پہلے شوہر سے تھیں۔ مجھے سخت حیرت اور افسوس ہوا، کیونکہ قدیم کتب الانساب (نسب نامے) جیسے جمهرة الانساب ابن حزم اور شیعہ مؤرخین یعقوبی و مسعودی وغیرہ کی تواریخ میں صراحۃً آیا ہے کہ یہ حضورﷺ کی سگی صاحبزادیاں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں، اور یہی اُن سے قبل ابن سعد (وفات ۲۳۰ھ) نے طبقات کبریٰ

میں، (حضرت خدیجہؓ کے سوانح حیات جلد ۸) میں لکھا ہے۔

جہاں تک حضرت خدیجہؓ کی دوسری اولاد کا تعلق ہے جو انکے پہلے شوہر ابوھالہ سے تھی تو وہ ان کے ایک صاحبزادے ھالہ اور دوسرے ہند تھے، اور اسی ابوھالہ کے بعد ایک دوسرے شوہر عتیق سے ایک صاحبزادی تھیں۔ انکا نام بھی ہند تھا (عربوں میں یہ نام عورتوں اور مردوں دونوں کیلئے استعمال ہوتا تھا) ابن سعد نے ان ہند بنت خدیجہؓ کی شادی اور اولاد کا بھی ذکر کیا ہے جو بنو طاہرہ (لقب سیدہ خدیجہؓ) کہلاتے تھے اور پھر ختم ہو گئے، حضرت خدیجہؓ کے صاحبزادے ھالہ سے شمائل ترمذی حضور ﷺ کے شمائل میں ایک طویل حدیث بھی ہے۔

بہرحال میں نے ان شیعی پروفیسر نقوی صاحب کے مضمون کے خلاف ایک مختصر نوٹ لکھا اور خود جا کر "جنگ" کے ذمہ دار کو دیا، تو انہوں نے وعدے کے باوجود نہیں چھاپا، استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کو اس فرقہ کے تشدد پسند افراد کی طرف سے اخبار کے دفتر پر ہلڑ بازی کا خطرہ ہے، اس لئے وہ معذور ہیں۔ یہ بینظیر کی حکومت کا زمانہ تھا، مجھے بڑا تعجب اور افسوس ہوا۔

شیعہ اور خوارج کی طرف سے ایک دوسرے کے ائمہ وزعماء کے خلاف کفر کے الزامات و اتہامات کے ماحول میں حضرت حسن بصری کے شاگردوں میں سے دو یعنی واصل بن عطاء اور عمرو بن عبید نے ایک نئی راہ اختیار کی کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ کافر ہے نہ مومن بلکہ وہ ایک درمیانی درجے "المنزلة بين المنزلتين" میں ہے۔ یہ لوگ معتزلہ کہلائے۔ یاد رہے کہ یہ بات حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین جنگ میں شرکاء کے بارے میں پیدا ہوئی، اور پھر ان قاتلین ومقتولین کے بارے میں باتیں ہونے لگیں کہ ان میں کس سے گناہ کبیرہ یعنی قتل مومن کا ارتکاب ہوا، اور اس طرح یہ سیاسی مسئلہ ایک مذہبی وعقائدی مسئلہ بن گیا، پھر اس کے بعد معتزلہ کے دوسرے یا بقیہ اصول خمسہ (پانچ اصول) مرتب ہوئے، یعنی توحید، عدل الٰہی، وعد و وعید اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر، لیکن بنیاد اسی بیکار کے مسئلہ سے ہوئی تھی کہ جنگ جمل و جنگ صفین یا قاتلان عثمانؓ و قاتلان علیؓ میں کون کس کے نزدیک گناہ

کبیرہ کا مرتکب ہوکر کافر ہوا۔ لیکن معتزلہ، خوارج وشیعہ کی طرح سیاسی وعسکری تحریکات یا بغاوتوں سے دور رہے۔

اسی دوران ایک چوتھا فرقہ اسی موضوع پر اور پیدا ہوا، جنہوں نے کہا کہ ان بزرگوں کے مسئلہ کو ہم ملتوی کرتے اور اللہ پر چھوڑتے ہیں، وہی آخرت میں فیصلہ فرمائیگا کہ ان میں سے کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ انہوں نے اسی مسئلہ سے ایک عقائدی مسئلہ خوارج کے بالکل برعکس بنایا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہ کہا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت کوئی نقصان دہ نہیں۔

ان سب کے برخلاف جمہور اہل سنت والجماعت نے، جنگ جمل و جنگ صفین کے دونوں فریقین کے بارے میں زبان نہیں کھولی، دونوں کا احترام کیا، سب خلفائے راشدین اور ان کے بعد خلفائے بنی اُمیہ کی اطاعت کو فتنوں سے بچنے کے لئے اپنا شعار بنایا۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ سیدنا حسنؓ نے چالیس ہزار کی فوج اپنے ساتھ کوفہ میں ہوتے ہوئے، امیر معاویہؓ کے اپنی خلافت کے اصرار پر مزید خوں ریزی سے بچنے کے لئے چھ ماہ بعد اپنے حق خلافت سے تنازل کیا اور وہ امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوگئے، اس سال یعنی ۴۱ھ کو اس بنا پر عام الجماعة الاولیٰ کہا گیا، اگرچہ سیدنا حسنؓ کے متشدد متبعین یعنی شیعانِ علیؓ نے ان کے اس عمل پر ناراض ہوکر ان کو ''امیر الکافرین'' اور ''امیر المنافقین'' کے برے ناموں سے یاد کیا، بلکہ ان کے خیمہ کو جلا کر ان کو گزند تک پہنچانے کی کوشش کی۔ یہ حقائق تمام کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔

اموی خلافت (۴۱ - ۱۳۲ھ) اور اس کے اثرات:

حضرت معاویہؓ نے حلم وبردباری سے عام طور پر کام لیا، اگرچہ انہوں نے حضرت علیؓ کے مؤید ایک صحابی حُجر بن عدی اور ان کے بعض ساتھیوں کو، کوفہ سے پابجولاں دمشق بلا کر اور ان کو قتل کر کے حضرت علیؓ کے مؤیدین ومُحبین تو کیا حضرت عائشہؓ تک کو ناراض کیا۔ بہرحال ان کے دور خلافت میں جہاد وفتح کے مختلف کارناموں کی وجہ سے کوئی شورش پیدا نہ

ہوئی۔ لیکن انہوں نے جب ایک نئی بدعت اپنے قیام دمشق اور قدیم بیزنطی نظام حکومت سے متاثر ہوکر کرنا چاہی یعنی یزید کی ولی عہدی تو کبار صحابہؓ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ نے اس کی مزاحمت کی، خاص طور پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے بڑی جرأت سے کہا: "أ تريد ان تجعلها كسر وية او قيصرية" (کیا آپ خلافت کو کسریٰ و قیصر کے وراثتی نظام پر چلانا چاہتے ہیں) اور امام بخاری کے استاذ و مورخ خلیفہ بن خیاط (وفات ۲۴۰ھ) نے جن سے صحیح بخاری میں چار احادیث مروی ہیں، یہاں تک لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ (حضرت عائشہؓ کے سگے بھائی) نے تو حضرت معاویہؓ کو دھمکی دی کہ "ہم ہرگز اسکی اجازت نہیں دینگے کہ آپ یزید کو ولی عہد بنائیں، یا تو اپنے بعد خلافت کے موضوع کو مسلمانوں کے باہمی مشورے سے طے ہونے دیں، ورنہ ہم تمہاری خلافت بھی ختم کر دینگے، یہ کہہ کر وہ امیر معاویہؓ کی مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے۔" یہ واقعہ مکہ میں ۵۱ھ میں پیش آیا۔

بہر حال امیر معاویہؓ نے انہیں خلیفہ خیاط کی مستند روایت کے مطابق بزور شمشیر ان چاروں حضرات کی یزید کی ولی عہدی کی بیعت کرنے کا اعلان سن ۵۱ھ میں اپنے سفر حج کے موقعہ پر کعبہ میں کر دیا۔(۲) ۵۳ھ میں یزید کی خلافت سے سات سال قبل عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا انتقال ہوگیا۔

اب یزید کی خلافت کے وقت دو ہی صاحب عزیمت شخصیات ان چاروں میں سے باقی تھیں یعنی سیدنا حسینؓ اور عبداللہؓ بن زبیرؓ جن سے بیعت لینے کا سخت حکم یزید کی طرف

---

(۱) تاریخ خلیفہ بن خیاط ۲۱۴ طبع دوم، بیروت ۱۹۷۷ء

(۲) ایضاً، تفصیل بيعة يزيد بولاية العهد، ص ۲۱۳۔ ۲۱۷، ملحوظ رہے کہ خلیفہ کی سند رواۃ طبری کی سند سے مختلف ہے، اور اس میں بھی شیعی راوی ابومخنف نہیں ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ امیر معاویہ نے ان سے کہا تھا "اگر تم نے یزید کی بیعت ولی عہدی کا انکار کیا تو تمہارے سر فوراً قلم کر دیئے جائیں گے۔" تاریخ الاسلام، ذہبی، حوادث سنہ ۵۱ھ۔

سے مدینہ کے والی (گورنر) کو آیا، مروان نے اس والی، عمرو بن سعید بن العاص سے کہا کہ اگر وہ تمہاری مجلس میں بیعت نہ کریں تو دونوں کو قتل کر دیا جائے، مگر اس نے رات میں ایسا نہیں کیا اور ان کو مہلت دی، یہ دونوں محترم ہستیاں مدینہ سے مکہ آ گئیں، بیعت نہیں کی، پھر حضرت حسینؓ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے، اور اہل کوفہ یعنی شیعانِ علیؓ کی بے وفائی اور دوں ہمتی کے نتیجہ میں وہ سانحۂ کربلا میں اپنے اعزہ واقارب اور متبعین کے ساتھ مظلومانہ شہید ہوئے (۱۰ر محرم سنہ ۶۱ھ)۔

سانحۂ کربلا کے تین سال بعد ۶۳ھ میں اہل مدینہ نے بعض صحابۂ کرامؓ اور اولاد صحابہؓ کی قیادت میں یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اس کے گورنر مروان بن الحکم کو نکال دیا۔ یہی وہ مروان تھا جس کے والد الحکم اور خود اس پر حضور اکرم ﷺ نے الحکم کی ایک بدعملی کی وجہ سے لعنت کی تھی اور اس کو طائف میں شہر بدر کر دیا تھا، پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ان دونوں کو طائف سے بلا لیا تھا اور ان کو معاف کر دیا تھا کیونکہ وہ دونوں ان کے قریبی رشتہ دار تھے اور بعد ازیں اسی مروان نے مدینہ کی سابقہ بغاوت میں چنگاری لگائی تھی۔ اسی کے تیر سے جنگ جمل میں پہلا شہید گرا تھا، یعنی حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ۔

بہرحال یزید نے اہل مدینہ کی اس بغاوت پر جن کی ہمدردیاں مکہ میں عبداللہ بن زبیر کے ساتھ تھیں ایک لشکر بھیجا۔ جس نے مدینہ پر حملہ کر کے تین دن تک مدینۂ رسول ﷺ کی بے حرمتی کی، ہزاروں افراد قتل ہوئے، جن میں صحابہؓ اور کثیر اولاد صحابہؓ تھے تین دن تک مسجد نبوی میں نماز نہ ہو سکی، عورتوں کی عصمت دری کی گئی، اس جرم عظیم پر اس لشکر کا بوڑھا کمانڈر مسلم بن عقبہ المرّی تو اس حملے کی کامیابی کے بعد فوراً وہیں فوت ہو گیا اور صرف چالیس دن بعد حافظ ابن کثیر دمشقی کے الفاظ میں ظالموں کی کمر توڑنے والے خدائے قہار نے یزید کی کمر بھی شام میں توڑ دی(۱) مدینہ منورہ پر یزید کی فوج کے اس حملے کو ''واقعۂ حرّہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور افسوس کہ بہت کم لوگ اس کی تفصیلات سے واقف

---

(۱) ملاحظہ ہو، البدایہ والنہایہ حوادث ۶۴ھ۔

ہیں، یزید کا یہ جرم سیدنا حسینؓ کے قتل کے جرم سے کم نہیں تھا۔

یزید کے صالح نوجوان بیٹے معاویہ دوئم اپنی مرضی کے خلاف نے ڈیڑھ ماہ کی خلافت کے بعد انتقال کیا۔ وہ اپنے باپ کے اعمال پر ناخوش و نادم تھا، گھر سے باہر تک نہیں نکلا۔ عبداللہؓ بن الزبیرؓ حضرتِ حسینؓ کی شہادت کے بعد سے ہی یعنی یزید کے زمانہ خلافت میں کعبہ میں پناہ لئے ہوئے تھے، یزید کے حکم سے مدینہ منورہ کی تاراجی و بے حرمتی کے بعد وہ لشکر حُصین بن نُمیر السکونی کی قیادت میں مکۂ مکرمہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو زیر کرنے آیا، اس فوج کی منجنیق (قدیم زمانہ کی ایک طرح کی توپ) نے کعبہ پر آگ کا گولہ پھینکا جس سے کعبہ کا پردہ جل گیا، وہ منہدم ہوگیا۔ اس دوران ہی میں یزید مر گیا، اس کے فوراً بعد ہی یہ لشکر ناکام ہو کر شام کو واپس چلا گیا۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کی خلافت اب مدینہ، عراق، یمن، ایران اور مصر میں قائم ہوگئی۔ شام کے بعض اموی لیڈر بھی انکو خلیفہ ماننے کیلئے تیار تھے اور ان کو دمشق بلاتے تھے لیکن وہ نہیں گئے۔

اس کے بعد شام ہی میں امویوں کے دو گروہوں سفیانیوں اور مروانیوں اور ان کے مؤیدین کے مابین مرج راہط (۱) کی زبردست جنگ ہوئی (۶۵ھ)، جس میں طرفین کے ہزاروں آدمی مارے گئے، مروانی لشکر کو فتح ہوئی، اور وہ دمشق میں خلیفہ تسلیم کرلیا گیا، مروان نے یزید کی بیوہ فاختہ سے شادی کررکھی تھی، اور وہ یزید کے دوسرے بیٹے خالد کو بعض اوقات گندی گندی گالیاں دیتا تھا۔ کیونکہ وہ بھی اپنے باپ کے بعد خلافت کا امیدوار تھا، لیکن خلافت امیر معاویہ ویزید کے گھر سے جو سفیانی (بہ نسبت ابوسفیان) کہلاتے ہیں، اب جاچکی تھی، خالد نے اپنی ماں سے سوتیلے باپ مروان کی شکایت کی، وہ ایک سابق حکمراں اور معزز گھرانے کی فرد تھی۔ غصہ میں اس نے رات کو اپنی تگڑی کنیزوں کے ساتھ مل کر سوتے میں مروان کا گلا گھونٹ کر اسکو مار ڈالا۔ اس طرح مروان کا ایک سال بعد ہی خاتمہ ہوگیا۔ لیکن جیسا کہ معلوم ہے اموی خلافت اسکے بعد مروانی خاندان ہی میں رہی۔

۱۔ دمشق کے قریب ایک سرسبز وادی، شام میں اس نام کی بہت سی وادیاں ہیں جیسے مرج الصفر، مرج عذراء وغیرہ

مروان بن الحکم کے بعد اسکا بیٹا عبدالملک حکمراں ہوا، جو امویوں میں سے مروانی خاندان کا پہلا طاقتور اور سخت گیر خلیفہ تھا۔ یہی وہ تھا جسکا یہ قول مشہور ہے "واللہ، ما انا بالخلیفة المستضعف، ولا بالخلیفة المداهن، ولابالخلیفة المأفون، من قال برأسه کذا، قلنا بسیفناً کذا" یعنی نہ تو میں کمزور خلیفہ (عثمانؓ) ہوں، نہ چرب زبان وفریب کار خلیفہ، (یعنی معاویہؓ) ہوں اور نہ ضعیف العقل خلیفہ (یزید) ہوں، جو اپنے منہ سے ایسا کہیگا ہم اپنی تلوار سے ایسا کہیں گے، مقصد یہ ہے کہ جو اپنی زبان سے ہماری تنقید کریگا اسکا سر قلم کردیا جائیگا۔

اس درمیان میں یزید کی موت کے بعد سے یعنی ابتداء سن ۶۴ھ سے عبداللہؓ بن الزبیرؓ، حضرت عائشہؓ کے سگے بھانجے اور حضرت ابوبکرؓ کے نواسے حجاز، عراق، یمن اور ایران میں تسلیم شدہ خلیفہ تھے، ان کے نام کا خطبہ ان ممالک میں پڑھا جاتا تھا۔

کوفہ میں یزید کی موت کے بعد جو تحریک ''توابین'' (توبہ کرنے والے) صحابی رسول ﷺ سلیمان بن صُرد و دیگر محبان حسینؓ کی قیادت میں شروع ہوئی تھی، اس میں کوفہ کے وہ شیعانِ علیؓ جنھوں نے سیدنا حسینؓ کو بیعت کے لئے کوفہ بُلا کر اُن سے غداری کی تھی اور انہیں عبیداللہ بن زیاد کی افواج کے ہاتھوں مظلومانہ قتل کے لئے بے یارو مددگار کربلا میں چھوڑ دیا تھا، اب اپنی ناشائستہ حرکت پر نادم تھے اور سینہ کوبی کرتے تھے، اور وہ اب عبیداللہ بن زیاد کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ پہلے معرکہ میں سلیمانؓ بن صرد و دیگر شہید ہوئے۔ لیکن پھر ایک مہم جو مختار بن ابی عبید الثقفی نے قیادت سنبھالی، اور چند ماہ میں ہی قاتلان حسین میں سے ایک ایک کرکے سب مارے گئے، عبیداللہ بن زیاد، عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن۔ قدرت الٰہی نے شہید نواسہ رسول کا بڑا سخت انتقام لیا، مختار اگرچہ ایک مفاد پرست اور شعبدہ باز شخص تھا، لیکن قدرت نے اس سے یہ کام لے لیا، وہ اپنی حکومت عراق پر مضبوط کرنا چاہتا تھا، لیکن مصعب بن الزبیر نے حجاز سے آکر اسکو ختم کیا اور عراق بھی اس طرح حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ کے زیر نگیں ہوگیا۔ مشہور محدث ومؤرخ امام سیوطی (وفات ۹۱۱ھ)

نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں یزید کے بعد انکو چھٹا خلیفہ شمار کیا ہے جبکہ مروان کی خلافت کا ذکر انہوں نے نہیں کیا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ نو سال تک اپنی خلافت کے بعد عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں (جو صرف شام و مصر تک محدود تھی) حجاج کے ہاتھوں، جس نے کعبہ کا محاصرہ کیا تھا اور اس پر یزیدی عہد کے بعد دوبارہ منجنیق (Catapult) سے گولے برسائے تھے، ۷۳ھ میں بہادری سے تنہا لڑتے ہوئے شہید ہوئے ۔حجاج نے انکی لاش کو صلیب پر اُلٹا لٹکایا اور سر کاٹ کر دمشق بھیجا۔ کئی دن تک اس صحابیٔ رسول ﷺ کی لاش اسی طرح لٹکی رہی، حتیٰ کہ گلنے لگی پھر دمشق سے منظوری آنے کے بعد ۱۰۰ سال کی باہمت بوڑھی ماں اسماءؓ بنت ابی بکرؓ نے اسکو پاک و صاف کر کے مدینہ میں اُم المومنین صفیہؓ کے گھر میں دفن کیا، بعد میں یہ گھر مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوگیا۔ اس طرح عبداللہؓ بن زبیرؓ حضور ﷺ کے قریب ہی کہیں مدفون ہیں۔ حضرت اسماءؓ اس کے دس روز بعد رحلت فرما گئیں ۔عبدالملک جیسے ظالم و جبّار کو اسی کی طرح کا ایک خونخوار انسان حجاج مل گیا تھا۔ اس کی گولہ باری سے اموی عہد میں دوسری بار بیت اللہ منہدم ہوا، پہلی بار یزید کے آخری سالِ خلافت میں ہوا تھا، اور اس گولہ باری کے درمیان ہی شام کے ایک گاؤں میں یزید کی موت ہوگئی تھی ۔۷۱ھ میں مصعب بن الزبیر کے عراق میں عبدالملک کے ہاتھوں قتل اور پھر ۷۳ھ میں حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ کی شہادت کے بعد عبدالملک کا کوئی مقابل نہیں رہا اور اب اسکی خلافت حجاز و عراق و ایران وغیرہ میں بھی قایم ہوگئی، البتہ خارجیوں نے اس کے عراق کے والی (گورنر) حجاج کو ناکوں چنے چبوا دیئے۔ ایک مرتبہ تو ان خوارج نے کوفہ پر قبضہ بھی کرلیا، جب وہاں سے حجاج شکست کھا کر بھاگ گیا تھا۔ کئی سال تک عبدالملک کی افواج کا خوارج سے انہی معارک میں مقابلہ ہوا، ان خوں ریز جنگوں میں ہزاروں انسان مارے گئے، بالآخر ایک بڑی سلطنت کے سامنے خوارج کمزور پڑ گئے۔

عبدالملک نے بڑی غداری اور مکر سے اپنے پھوپی زاد بھائی عمرو بن سعید بن

العاص کو دمشق میں قتل کر دیا، حالانکہ مرج راہط کی جنگ میں اس نے عبدالملک کے والد مروان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن الزبیر کے نمائندے ضحاک بن قیس الفہری کے خلاف انتہائی خوں ریز جنگ میں بہادری کے جوہر دکھائے تھے، اور یہ طے پایا تھا کہ عبدالملک کے بعد وہی خلیفہ ہوگا، بلکہ ایک تحریری معاہدہ بھی ہوا تھا، لیکن عبدالملک نے اسکی ولی عہدی کے اعلان میں ٹال مٹول کی اور پھر اپنے محل میں اسکو تنہا بلا کر مکروفریب سے قتل کر دیا، اور محل کے باہر اسکے غضبناک حمایتی دستے کو دیناروں کی تھیلیاں رشوت میں پھینک کر خاموش کر دیا، اور اس کے بعد اس نے اپنے چار بیٹوں کو یکے بعد دیگرے خلافت کے لئے نامزد کر دیا۔ خلافت کے نام پر بادشاہت کی جو بنیاد امیر معاویہؓ کے عہد میں پڑی تھی، اب دوبارہ مستحکم ہوگئی۔ اور پھر چشم فلک نے عبدالملک کے وارث خلفاء بنی اُمیہ اور ان میں سے بعض کی اولاد میں ایسے ظالم یا فاسق حکمراں دیکھے، جنہوں نے اپنی بداعمالیوں سے خلافت کے مقدس نام کو آلودۂ ننگ کیا۔ ان میں یزید بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک اور اسی یزید بن عبدالملک یا یزید ثانی کا نوجوان بیٹا ولید بن یزید یا ولید دوم اپنی عیاشی اور ظلم کے لئے تاریخ میں مشہور ہیں۔ بیچ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، نواسۂ سیدنا عمرؓ الفاروقؓ کا دوسالہ دور خلافت ایسا خیر و برکت اور اسلامی اقدار کا دور تھا، جس نے خلافت راشدہ کی یاد دوبارہ تازہ کر دی، ان کو سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا تھا، لیکن اس زاہد و ورع اور متقی و صالح اور رعایا کے لئے دردمند دل رکھنے والے لائق و باہمت خلیفہ کو، اُن اموی امراء نے جن کی ناجائز جاگیریں انہوں نے ضبط کر کے بیت المال کے سپرد کر دی تھیں ۱۰۱ھ میں زہر دے کر ہلاک کر دیا، ان کو علماء و صلحاء اُمت نے اُن کے مثالی ذاتی کردار اور ملکی خدمات کی وجہ سے پانچویں خلیفہ راشد کے نام سے یاد کیا ہے۔ اُن کے بعد یزید بن عبدالملک جس کو سلیمان بن عبدالملک نے ولی عہدی کے باوجود خلافت سے محروم کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلیفہ نامزد کیا تھا، حکمراں ہوا۔ اس کے ظالمانہ کردار کی تصویر تاریخ میں مشہور وہ فقرہ ہے جو اُس نے مصر کے اپنے والی (گورنر) کو اسکی اس شکایت پر لکھا تھا کہ لوگوں میں زیادہ ٹیکس دینے

کی سکت نہیں، یزید نے جواباً لکھا: "اَحلب الدر فاذا انقطع فاحلب الدم" (طبری) یعنی دودھ دوہو اور اگر یہ ختم ہوجائے تو خون دوہو۔ گویا اس کے نزدیک حضرت عمر کے عہد خلافت میں مفتوحہ یہ ملک مصر ایک دودھ دینے والی گائے تھی، اور دودھ نہ دے سکے تو اس کا خون چوس لیا جائے۔ یہی وہ خلیفہ تھا جس کی دوگانے والی کنیزیں حبّابہ اور سلاّمہ جب گاتی تھیں تو مستی و سرخوشی میں کہتا تھا "ارید أن اطیر" (میں اُڑ جانا چاہتا ہوں) تو وہ کہتی تھیں یا امیر المؤمنین! ہم کو اور اُمت اسلامیہ کو کس پر چھوڑینگے اور پھر ایک محبوب مغنیہ کنیز حبّابہ مرگئی تو یزید نے اسکو کئی روز تک دفن نہیں ہونے دیا اور اسکے سرہانے بیٹھا رہا، حتیٰ کہ اسکی لاش سڑنے لگی اور خلیفہ کے ایک ہفتہ تک کسی سے نہ ملنے کے سبب شہر میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کے اصرار پر اُس نے یہ "ماتم" ختم کیا۔

یزید بن عبدالملک کے بعد اس کا بھائی ہشام خلیفہ ہوا۔ اُس کو آخری طاقتور اُموی خلیفہ کہا گیا ہے۔ لیکن طاقت کے بیجا استعمال اور اس کے بعض گورنروں کے ظلم کے بعض ایسے قصے مشہور ہیں جنہوں نے اُموی خلافت کی جڑوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اُس کے مرنے کے بعد اُموی خلافت زیادہ دیر تک قایم نہ رہ سکی۔ خود اُس کے اور اُس کے گورنروں کے ظالمانہ اندازِ حکومت کے سبب اُس کے عہد میں مشرق و مغرب میں بعض بڑی سخت بغاوتیں ہوئیں۔

سابق خلیفہ یزید بن عبدالملک کے شمالی افریقہ کے گورنر یزید بن ابی مسلم نے جو حجاج کا تربیت یافتہ اور اس ہی کے طریقہ پر تھا، اس صوبہ میں جہاں بڑی تعداد میں خوددار و باحمیت بربر (غیر عرب) رہتے تھے۔ اُن بربری باشندوں پر جو اسلام لے آئے تھے جزیہ وخراج لگانا شروع کیا۔ بالکل اسی طرح جیسے حجاج نے جنوبی عراق و ایران کے ان کسانوں پر لگانا شروع کیا تھا جو اسلام لے آئے تھے تاکہ سرکاری خزانے کی آمدنی کم نہ ہو، اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی خلافت شروع ہوتے ہی ۹۹ھ میں اُسے ختم کیا تھا۔ مشرقی ایران کے بڑے صوبے خراسان کے اُموی گورنر کی اس شکایت پر کہ جناب، خلافت کی اس پالیسی سے

سرکاری خزانے کی آمدنی کم ہونے لگی ہے، اِن ہی عمرؒ بن عبدالعزیز نے اسلامی تاریخ کا وہ یادگار جملہ لکھا تھا جس میں فلسفۂ اسلامی ودعوت اسلام کا نچوڑ تھا،انہوں نے لکھا کہ "ہاں نو مسلموں سے جزیہ وخراج نہیں لیا جائے ،خواہ خزانہ خالی ہی کیوں نہ ہوجائے کیونکہ "بُعث محمد ﷺ هاديا و لم يبعث جابياً" یعنی اللہ تعالیٰ نے محمدﷺ کو انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تھا ٹیکس جمع کرنے کیلئے نہیں بھیجا تھا۔ اور تاریخ اس کی گواہ ہے کہ ان کے زمانے میں بیت المال کی آمدنی میں کمی نہیں ہوئی، کیونکہ کثرت سے نومسلموں نے عشر و زکوٰۃ کے واجبات ادا کئے۔

ہشام کے پیش روا موی خلیفہ کے مذکورۂ بالا گورنر نے جب شمالی افریقہ کے نومسلموں پر یہ جابرانہ غیر اسلامی ٹیکس لگایا، تو انہوں نے اس کے خلاف بغاوت کی ، اور اس کو قتل کردینے کے بعد اپنی طرف سے ایک دوسرے حق پسند عرب کو گورنر بنادیا، اور خلیفہ کو اس کی اطلاع بھیج دی، یزید بن عبدالملک کے لئے اس کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

اب ہشام نے ان بربری مسلمانوں کے خلاف ایک سخت گیر پالیسی اختیار کی۔ خاندان مروان کے اُموی خلفاء کے عجیب عجیب شوق تھے، ولید کو شاندار عمارتیں بنوانے کا شوق تھا، اس کے بھائی سلیمان کو عمدہ کھانوں کا شوق تھا، اور تیسرے بھائی یزید دوئم کو گانے والی کنیزوں کا اور چوتھے بھائی ہشام کو قیمتی اور نادر کپڑوں کا شوق تھا۔ اس نے اپنے شمالی افریقہ کے گورنر کو لکھا کہ وہ اس صوبہ کی بھیڑوں کو ذبح کرکے ان کے پیٹ میں قبل پیدائش بچوں کی کھالیں دمشق بھیجے تاکہ خلیفہ بھیڑ کے ان بچوں کے انتہائی نرم ونازک اور گرم اُون سے شام کے ٹھنڈے موسم کیلئے اپنی قبائیں سلوائے، لہٰذا کئی سو حاملہ بھیڑوں کا پیٹ چاک کرنے کے بعد ان کے ننھے بچوں سے صرف ایک قبا کیلئے اون مہیا ہوتا تھا(۱) شمالی افریقہ اور خاص طور پر لیبیا کے باشندے جو بھیڑیں پالنے کیلئے مشہور تھے، اس ظلم سے سخت نالاں تھے۔

۱۔ آج بھی لیبیا میں بھیڑوں کے اون کی سفید چادریں انتہائی گرم اور قیمتی ہوتی ہیں۔ لیبیا میں تو یہ قومی لباس ہے۔ مصنف نے طویل عرصے تک لیبیا میں رہ کر اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

پھر ہشام کے ایک گورنر عبیداللہ بن الحبحاب نے ان باحمیت اور نخوت پسند بربر مسلمانوں پر ایک اور ظلم یہ کیا کہ اس نے ان کی شادیوں پر ٹیکس وصول کرنا شروع کیا، اور ایک انتہائی بیہودہ وظالمانہ حرکت یہ کی کہ اس نے فوج کے اپنے بربر گارڈس کی کلائیوں پر انکے نام اور حرسی (میرا گارڈ) کا لفظ گدوانا شروع کیا' جس پر اس گورنر کے خلاف ایک زبردست بغاوت برپا ہوئی۔ طرفین کے ہزاروں انسان قتل ہوئے، آخر یہ ناکام ہوا، اور ہشام کو اسے معزول کرنا پڑا۔

یہ ہشام ہی تھا جس کے ظلم کے خلاف ۱۲۲ھ میں حضرت زیدؒ بن علی زین العابدین نے کوفہ میں علم بغاوت بلند کیا، اہل کوفہ نے اس امر پر ان کو مجبور کیا تھا اور چالیس ہزار کی حمایت کا یقین دلایا تھا، لیکن انہوں نے بالآخر انہی کوفیوں کی طرح غداری کی جنہوں نے انکے دادا حسینؓ اور پردادا حضرت علیؓ کے ساتھ غداری کر کے آخری لمحات میں ساتھ چھوڑ دیا تھا، زید بن علی زینؒ العابدین بن حسینؓ صرف ۲۱۸ یا بعض روایات کے مطابق تین سو آدمیوں کے ساتھ رہ گئے، مگر وہ بہادری کے ساتھ شامی فوج کے خلاف کوفہ میں لڑے۔ ایک تیر اُن کے ماتھے پر ایسا لگا جو دماغ تک پہونچ گیا اور وہ شہید ہوگئے۔ قابل ذکر اور افسوسناک بات یہ ہے کہ کوفہ کے گورنر یوسف بن عمر نے ہشام کی ہدایت پر انکی لاش کو (جو بے حرمتی کے خوف سے پانی کے ایک گڑھے کے اندر دفن کی گئی تھی) ایک غلام کی مخبری پر اس جگہ سے نکلوا کر اُن کا سر تن سے جدا کیا اور اس کو دمشق بھیجا۔ جہاں وہ تمام شہر میں پھرایا گیا پھر اس کو مدینہ بھیجا گیا اور ان کے جسد مبارک کو کوفہ کے اس اموی گورنر نے صلیب پر ہاتھوں اور پاؤں میں کیلیں ٹھونک کر نصب کر دیا۔ حالانکہ بغاوت کوفیوں کی غداری کے سبب ناکام ہوگئی تھی۔ اہل بیت کے یہ لیڈر دفن کئے جاچکے تھے۔ لیکن ان کی لاش کی اس طرح بے حرمتی کی گئی اور شقاوت قلبی ملاحظہ ہو کہ ان حضرت حسینؓ کے پوتے کی بے سر کی لاش چار سال تک اسی طرح صلیب پر لٹکی رہی، اور ہشام بن عبدالملک کے بعد اس کا فاسق فاجر بھتیجا ولید دوئم حکمراں ہوا تو اس نے حکم دیا کہ حضرت زیدؒ بن زین العابدینؒ کی لاش کو دار سے اتار

کر جلایا جائے اور راکھ بکھیر دی جائے۔(۱) یہ تھا اُمویوں کا کینہ وظلم وشقاوت۔اس ولید بن یزید بن عبدالملک کے ذکر سے جس نے صرف ایک سال(۲) کے قریب حکمرانی کی، ہم صرفِ نظر کرتے ہیں، کہ اس کے فسق و فجور کے ذکر سے قلم کو شرم آتی ہے(۳) اور وہ خود اپنے نیک چچا زاد بھائی یزید بن الولید یا یزید سوئم الملقب بہ یزید الناقص کے ہاتھوں بیدروی سے قتل کیا گیا، اور اس کی لاش کو زمین پر کھینچا گیا۔ پھر یہ یزید سوئم اپنے ایک دوسرے عزیز کے ہاتھوں قتل ہوا، اور پھر چھ سال بعد اموی خلافت نیست ونابود ہوگئی۔ درحقیقت اموی خلافت ہشام کے بعد ہی روبہ زوال ہوگئی تھی۔

ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ ہم نے اموی خلافت کے بارے میں کافی تفصیلی ذکر سے کام لیا ہے۔ ایسا بعض ان مباحث کے سبب کیا گیا جنکا ذکر کتاب میں ملے گا، خاص طور پر بارہ خلفاء والی حدیث جس کو ناصبی بڑے زور شور سے بیان کرتے اور یزید اول و دوئم اور ہشام و ولید دوئم جیسے نام نہاد ظالم و فاسق خلفاء کو اس حدیث کا مصداق ٹھہراتے ہیں، تاکہ ان کی کچھ جھلک قارئین کو نظر آجائے۔ اس حدیث پر محدثین و مورخین نے جو بحث کی ہے وہ تو کتاب کے اندر ملے گی، اور یہ ثبوت ملے گا کہ ثقہ محدثین اور خاص طور پر امام سیوطی نے تاریخ الخلفاء کے مقدمے میں اس پر طویل بحث کی ہے اور انہوں نے ان خلفاء کی فہرست میں اموی خلفاء میں سے صرف امیر معاویہؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ کا نام شامل کیا ہے، انہوں نے سیدنا حسنؓ اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کو خلفاء میں شمار کیا ہے اور ایک عباسی خلیفہ المہتدی

۱۔ حضرت زید بن علی زین العابدین کی عسکری تحریک اور ان کے قتل وصلیب و احراق کی تفصیلات تاریخ طبری، حوادث سن ۱۲۲ھ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۲۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے فتح الباری (ج ۳ ص ۲۱۴) بارہ خلفاء کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے، اسکی مدت خلافت تقریباً چار سال لکھی ہے، جو غلط ہے، اس نے ایک سال اور دو ماہ تمام تواریخ کے مطابق حکومت کی، محدثین کی تاریخ میں کمزوری کا ذکر بہت پہلے ابن الجوزی نے اپنی کتاب تلقیح فہوم اہل الاثر میں کیا ہے، افسوس کہ یہ کمزوری ابن الجوزی کے تقریباً تین سو سال بعد تک برقرار رہی۔

۳۔ اس ولید دوئم (جس کو ولید العابث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) کے فسق و فجور کی تفصیلات تاریخ طبری اور بطور خاص ابوالفرج الاصفہانی کی کتاب الاغانی میں پڑھی جاسکتی ہیں۔

کو بھی۔ ان سے سہو ہوا ہے اور انکی فہرست سے صرف گیارہ خلفاء بنتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سے یا مطبوعہ نسخے میں، عبدالملک بن مروان کا نام رہ گیا ہے جس کو تقریباً سبھی نے یزید بن معاویہ سے بہتر خلیفہ کہا ہے اور اسکی خلافت کو تسلیم کیا ہے۔

اس موقع پر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیعہ حضرات خواہ وہ اِثناعشری ہوں یا اسماعیلی (یہ سبعی یعنی سات اماموں والے بھی کہلاتے ہیں) سب ہی حضرت زید بن زین العابدین کی انقلابی تحریک، ان کی جوانمردی و شجاعت اور ان کی المناک شہادت اور اموی خلفاء کی ان کی لاش کی بے حرمتی سے تغافل برتتے ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے، کیونکہ وہ بھی سیدنا حسینؓ کے پوتے تھے اور وہی قدیم مورخین طبری وغیرہ جنہوں نے سیدنا حسینؓ کی شہادت کے واقعات تفصیل سے ذکر کیئے ہیں انہی نے ان حضرت زید بن زین العابدین کی شہادت کے واقعات بھی پوری تفصیل سے بیان کیئے ہیں۔ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت زیدؒ جن کی طرف مشہور شیعی فرقہ زیدیہ منسوب ہے۔ وہ بہت معتدل تھے۔ صحابہ کرام اور خلفائے ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمانؓ) پر تبرّا نہیں کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ بھی اُن کے مؤیدین میں تھے اور اس کی وجہ سے بعد کو کوفہ کے اموی گورنر کی طرف سے ان کو کوڑوں کی سزا بھی دی گئی تھی۔ حضرت زیدؒ عمر میں امامی شیعوں کے پانچویں امام یعنی محمد الباقر سے صرف ایک سال بڑے تھے لیکن امامی شیعوں نے علی زین العابدین کے بعد حضرت زید کو اپنا امام تسلیم نہیں کیا، بلکہ محمد الباقر کو پانچواں امام بنایا، شاید اس لئے بھی کہ امام زید تقیہّ کے قائل نہیں تھے اور انکا مذہب اہل سنت سے بہت قریب ہے، یمن میں ان کا مذہب بہت پھیلا، آخری دور میں یمن کے ائمہ (حکمراں) بھی زیدی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، اور اب بھی وہاں کافی زیدی ہیں۔ ہمارے ملکوں میں غلطی سے سب زیدیوں کو اثناعشری شیعوں میں شمار کیا جاتا ہے جو درست نہیں۔ بہت سے زیدی سنّی سیّد ہیں، اور یمن کے زیدی اپنے آپ کو شیعہ نہیں کہتے ہیں۔

سبئی فرقہ:۔

شیعی فرقوں یا ان میں سے قدیم غالی فرقوں، بیانیہ، خطابیہ، مغیریہ کے ضمن میں ایک فرقہ سبیئہ اور اس کے بانی عبداللہ بن سبأ کی طرف اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے، کیونکہ کتاب میں میرے معترض کی طرف سے اس فرقہ کا کافی ذکر ہے، لیکن وہ ان کی کم علمی اور بے خبری کی دلیل ہے، کیونکہ وہ تمام موجودہ شیعوں کو سبئی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ عبداللہ بن سبأ ایک یمنی یہودی تھا جو خلافت راشدہ کے عہد میں اسلام لے آیا تھا، لیکن جیسا کہ شہادت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ کی خلافت کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے، یہ شخص اپنے اسلام میں مخلص نہیں تھا اور اس نے ہی حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کوفہ ومصر جا کر بعض قبائلیوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف بھڑکایا اور حضرت علیؓ کی خلافت کے دوران کوفہ آ کر ان کی شخصیت کے بارے میں انتہائی غلو کی باتیں کیں اور انکو الوہیت کا درجہ دیا۔ حضرت علیؓ نے اس کے بعض غالی متبعین کو آگ میں جلا دیا۔ وہ اس کو بھی ایسی ہی سزا دینا چاہتے تھے لیکن وہ بھاگ نکلا۔ یہ شخص مفسد تھا اور اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کر رہا تھا جیسے انیسویں صدی میں بہت سے مستشرقین جھوٹے مسلمان بنے۔ یہی شخص تھا جو حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کہتا تھا کہ وہ مرے نہیں ہیں آسمان پر اٹھالئے گئے ہیں اور اگر لوگ میرے پاس تھیلی میں اُن کا کچلا ہوا دماغ بھی لائیں گے تو میں ان کی موت کی خبر کو تسلیم نہیں کروں گا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے غالی اور توہم پرست شیعہ فرقے میں یہ بات پھیلائی کہ آسمان پر جو بجلی چمکتی ہے، وہ حضرت علیؓ کا کوڑا ہے اور بادلوں کی گرج ان کے غصہ کی آواز ہے۔ لیکن اس عبداللہ بن سبأ اور اس کی تعلیمات سے اثنا عشری شیعوں نے براءت کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ یہ شیعہ حضرت علیؓ کو الوہیت کا درجہ نہیں دیتے ہیں اور ہمارے قدیم علمائے اہل سنت امام الاشعری، الشہرستانی، ابن حزم وغیرہ نے امامی یا اثنا عشری شیعوں کو مسلمانوں میں شمار کیا ہے، جبکہ انہوں نے شیعوں کے دیگر غالی فرقوں کی طرح سبئی فرقہ کو بھی کافر کہا ہے۔

آخر میں اسی عہدِ اموی کی تاریخِ اسلام اور اہل بیت النبی ﷺ سے متعلق ایک

اہم بات یہ ہے کہ سیدنا علیؓ، سیدنا حسینؓ اور حضرت زید بن زین العابدینؒ سے غداری کرنے والے کوفہ کے شیعانِ علیؓ تھے۔ یہ سب اصلاً عرب تھے جنکے بارے میں ہم پچھلے صفحات میں مختصراً بتا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق و شقاق کی اس طرح ان کو سزا دی کہ پہلے زیاد بن ابیہ پھر حجّاج جیسے خون ریز اموی گورنروں کو ان پر مسلط کیا۔ حضرت زیدؒ کی شہادت کے بعد تو اموی خلافت چند سال ہی میں ختم ہوگئی۔ سیاست کے اسٹیج پر ایرانی عنصر بعد میں ظہور پذیر ہوا، کیونکہ علوی سادات کے ابناءِ عم یعنی بنوعباسؓ نے جو بنوھاشم ہونے کی حیثیت سے اولاد و احفاد سیدنا علیؓ کے ساتھ شریک تھے۔ انہوں نے کوفیوں کی بار بار کی غداری کو دیکھ کر اپنی دعوت (یا خفیہ پروپگنڈے) میں کوفیوں پر بھروسہ نہیں کیا۔ بلکہ عباسیوں کے پہلے سیاسی خفیہ لیڈر محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی تحریک کے سلسلہ میں ایرانیوں پر اعتماد کیا، بنو ہاشم اموی خلفاء کی طرف سے اردن کے ایک گاؤں حُمیمہ میں جلا وطن کر دیئے گئے تھے، ان میں بنوعلیؓ بھی تھے اور بنوعباسؓ بھی یا پھر کچھ سادات علویہ وعباسیہ مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ ہشام نے حضرت زید بن علیؒ کو مدینہ سے دمشق بلا کر ان کو پانچ ماہ تک قید میں رکھا تھا کیونکہ اس کو خبر ملی تھی کہ کوفی ان سے خفیہ رابطہ رکھے ہوئے ہیں اور کسی بغاوت کی تیاری کررہے ہیں، لیکن پھر اس نے ان کو رہا کر دیا تھا اور وہ کوفہ گئے تھے، جہاں کے بعض عرب قبائلی سرداروں نے ان کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کی تھی اور یقین دلایا تھا کہ چالیس ہزار اہل کوفہ انکا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں لیکن حضرت زیدؒ نے انکو انکی سابقہ غداریاں یاد دلائی تھیں اور وہ اس بغاوت کی قیادت کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ کوفہ سے نکل کر مدینہ جانے کیلئے مقام ثعلبیہ یا قادسیہ پہنچ چکے تھے، لیکن کوفی شیعی سردار اُن کے پیچھے آئے اور اُن سے واپس کوفہ چلنے اور اعلان بغاوت کرنے کی التجا کی تا کہ وہ ہشام کے ظلم سے نجات پاسکیں۔ اس موقعہ پر حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے پوتے داؤد بن علی بھی انکے ساتھ تھے۔ انہوں نے حضرت زیدؒ کو بہت سمجھایا کہ آپ اِن کوفیوں کی باتوں میں نہ آئیں، غداری اور نفاق اور بزدلی انکی گھٹی میں پڑی ہے لیکن حضرت زیدؒ نے ان کی بات نہ مانی اور کوفی سرداروں کی درخواست پر لبیک کہا اور اس کا جو نتیجہ ہوا اُس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

ایرانی اور عباسی دعوت :۔

اس طرح اس وقت تک ایرانی عنصر اسلامی سیاست میں بنو ہاشم کے ساتھ کوئی اہم رول ادا نہیں کر رہا تھا، بلکہ کوئی بھی رول ادا نہیں کر رہا تھا۔انہوں نے اس سیاست میں عباسیوں کی خفیہ دعوت کے دوران حصہ لیا کیونکہ عباسی زعماء دیکھ چکے تھے کہ کوفہ کے نفاق پسند اور سرکش و بزدل عرب لائق اعتماد نہیں۔عباسی تحریک کا داعی اور ایران میں انتہائی سرگرم کارکن ابومسلم خراسانی ایرانی النسل تھا۔ایرانیوں سے فارسی میں گفتگو کرتا تھا اور بالآخر اسی ابومسلم نے عباسی دعوت کی اصلاح پسند تحریک کو کامیابی سے ہم کنار کیا، حتیٰ کہ تقریباً دوسال کی مختلف جنگوں کے بعد پہلے ایران سے اموی حکومت کا خاتمہ کیا اور پھر عراق ،شام ومصر سے اور اس وقت کے سخت کوش، جرأتمند اور سیاسی و عسکری مہارت رکھنے والے آخر اموی خلیفہ مروان بن محمد الملقب بمروان الحمار (حمار کا لقب اس لئے کہ وہ مصائب کو برداشت کرنے والا تھا، بیوقوفی کی وجہ سے نہیں) کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکی۔ اس کو شمالی عراق میں اپنا پایۂ تخت حران چھوڑ کر دمشق اور پھر وہاں سے مصر بھاگنا پڑا۔ جہاں بالآخر وہ ایک چھوٹے شہر میں ایک کلیسا میں پناہ لینے کے دوران عباسی لشکریوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس وقت ایرانی مسلمان شیعہ نہیں تھے۔ وہ صرف بنو ہاشم اور رسول ﷺ کے خاندان یا قرابتداروں کو جانتے اور ان سے محبت کرتے تھے، جنکی قیادت اس وقت حضرت عباسؓ کی ذریت کررہی تھی اور پھر وہ تقریباً دوسو برسوں تک عباسیوں کے دست و بازو بنے رہے۔سب جانتے ہیں کہ بغداد کے عباسی خلفاء سنّی تھے اور اسی طرح ان کے حامی ایرانی نومسلم جبکہ شیعیت کا مرکز کوفہ تھا۔

لیکن ان عباسی خلفاء نے ابوجعفر منصور عباسی کے زمانے میں اپنے چچا زاد بھائیوں یعنی حضرت علیؓ کے گھرانے، بنو فاطمہؓ، پر بڑا ظلم کیا، شروع میں اموی بادشاہت اور ظلم کے خلاف وہی کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے ہی اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ عباسیوں کی خفیہ تحریک جو درحقیقت بنو ہاشم کے نام سے ایران میں پھیلائی گئی تھی، جب

کامیاب ہوئی اور عباسیوں کو خلافت ملی تو انہوں نے اپنے چچا زاد بھائیوں کو حکومت میں شریک نہیں کیا۔ وہ اس پر شاکی تھے، ذریت حسینؓ نے تو عام طور پر سیاست کو چھوڑ کر علم و زھد کی راہ اختیار کی تھی۔ حضرت زیدؒ کی بغاوت اور اسکی ناکامی کے بعد تو زیدی سادات بھی خاموش ہو گئے تھے لیکن کتب تاریخ میں ایک موثوق روایت کے مطابق حمیمہ کے گاؤں میں طے ہوا تھا کہ بنو ہاشم کی خفیہ سیاسی تحریک کامیاب ہو گی تو خلیفہ سیدنا حسنؓ کے پر پوتے محمد النفس الزکیہ بن عبداللہ المحض بن حسن المثنٰی کو بنایا جائیگا، لیکن ابو مسلم خراسانی کی مسلح بغاوت اور مختلف معارک میں کامیابی کے بعد عباسی زعیم ابراہیم الامام کی وصیت کے مطابق خلیفہ ابو العباس عبداللہ بن محمد کو بنایا گیا جو تاریخ میں سفاح کے غلط نام سے مشہور ہوا۔

عباسی خلافت کے قیام کے بعد جب سیدنا علیؓ کی اولاد و احفاد سے تغافل برتا گیا اور ان پر شکوک وشبہات کیے گئے تو محمد النفس الزکیہ نے ابو جعفر منصور عباسی کے خلاف مدینہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم نے بصرہ میں علم بغاوت بلند کیا۔ منصور نے سیدنا حسنؓ کی ذریت کے ساتھ بڑا ظلم کیا اور بعد میں بھی عباسی خلفاء نے ان پر ظلم ڈھائے۔ عباسی خلیفہ المامون کو اس کا احساس ہوا کہ ان کی بہت حق تلفی ہوئی ہے، اس نے سیدنا حسینؓ کی ذریت میں سے علی الرضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق کو خراسان میں اپنا ولیعہد نامزد کر دیا لیکن بغداد کے عباسی خاندان نے اس کے خلاف آواز بلند کی بلکہ المامون کے چچا ابراہیم بن المہدی کو بغداد میں خلیفہ بنالیا، المامون نے اس صورت حال کا مداوا اس طرح کیا کہ خفیہ طریقہ سے بغداد جاتے ہوئے علی الرضا کو قتل کرادیا اور پھر ان کے قاتل کو بھی قتل کرادیا گیا۔ وہی صورت جو عصر حاضر میں امریکی صدر جون ایف کنیڈی کے قاتل کے ساتھ پیش آئی تھی۔

افسوس کہ موجودہ دور کے امامی شیعہ سیدنا حسنؓ کی ذریت کی قربانیوں اور شہادتوں کا بالکل ذکر نہیں کرتے، حالانکہ جب سیدنا حسینؓ کی ذریت خاموش ہو گئی تھی تو سیدنا حسنؓ کی ذریت ہی نے عباسیوں کے ظلم اور ایرانی طریقہ پر شہنشائیت اور کتاب وسنت کو بھلا دینے کے خلاف آواز اُٹھائی۔ اپنی سیرت وکردار اور زُھد وتقویٰ میں محمد النفس الزکیہ ابو جعفر المنصور

سے بہت بلند تھے، مگر وہ جو عربی کا مقولہ ہے "الملک عقیم" (سلطنت بانجھ ہوتی ہے) یعنی اس میں رشتوں اور حقوق کا خیال نہیں کیا جاتا، وہی عباسی دور میں پیش آیا، انہوں نے سیدنا علی کرّم اللہ وجہہ اور سیدنا حسینؓ اور حضرت زید بن زین العابدینؒ پر امویوں کے مظالم کی داستانیں ایران و یمن وغیرہ کے مسلمانوں میں پھیلا کر ان کی ہمدردیاں حاصل کی تھیں اور جب سلطنت یا خلافت انکو ذریت رسول کی جانی قربانیوں کے نتیجہ میں ملی تو انہوں نے ان اہل بیت النبی ﷺ پر بڑا ظلم کیا۔

لیکن پھر عباسی خلافت سن ۳۳۴ھ میں ایک ایرانی شیعی خاندان یعنی بنی بویہ کے زیر اثر آگئی، جو خود علوی نہیں تھے اور اس وقت سے ہی سنیوں اور شیعوں میں اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوتی چلی گئی، جو سولہویں صدی عیسوی کے اوائل میں ایران میں صفوی شیعی حکومت کے قیام کے بعد بہت ہی زیادہ وسیع ہوگئی۔ اسماعیل صفوی، بانی دولتِ صفویہ نے ایران میں سنی مذہب ممنوع قرار دیدیا اور ہزاروں سنیوں کو ایران میں قتل کر دیا گیا۔ ان میں اور عثمانی اتراک میں دوصدی تک مسلسل لڑائیاں ہوتی رہیں۔ یہ ایک تلخ تاریخی حقیقت ہے، جس کی طرف اشارہ ہی کافی ہے، اس کے دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔

اب ان نفرتوں کو ہوا دینے کی ضرورت نہیں اور نہ جمہور اہل سنت والجماعت کے عقائد کے خلاف محض کسی ایک فرقہ کی تعریف اور دوسرے فرقے کی تنقیص میں حق و صداقت کے معایر کو پس پشت ڈالنا مناسب ہے۔ اگر ایک فرقہ کے افراد حق وصداقت کے خلاف کوئی بات کہیں یا جھوٹ گھڑیں تو ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ان کے مقابلے میں دوسرا جھوٹ گھڑیں یا حق وصداقت کی تکذیب کریں۔ اس کتاب کی تصنیف کے پیچھے جیسا کہ آئندہ وضاحت کی جائیگی، یہی جذبہ کارفرما ہے اور اسی غرض سے یہ طویل تاریخی پس منظر پیش کیا گیا ہے۔

ناصبیت اور اس کے منفی اثرات:

ناصبیت کیا ہے؟ بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی اس کو نہیں جانتے ہیں، جبکہ

شیعیت اور خارجیت کو سبھی لوگ جانتے ہیں، ناصبیت درحقیقت شیعیت کے بالکل برعکس ایک انداز فکر اور عقیدہ ہے اور یہ خارجیت سے پیدا شدہ اس کا ایک پہلو (Offshoot) ہے، عام پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ خارجی شیعوں کی ضد (Opposite) اور اہل سنت یا سنیوں سے جدا ایک فرقہ ہے، یہ بات درست ہے، لیکن اس میں تھوڑی سی ترمیم کی ضرورت ہے کہ خارجی تو وہ لوگ تھے جنہوں نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہؓ کے مابین شام میں جنگ صفین (Siffeen) میں امیر معاویہؓ کے لشکریوں کے قرآنوں کو نیزوں پر اٹھانے کے موقعہ پر حضرت علیؓ کو مجبور کیا کہ وہ مخالف فوج کی بات مان لیں اور قرآن کو حکم (Refree) بنانے کے لئے جنگ بند کر دیں۔

حضرت علیؓ نے ہر چند سمجھایا کہ یہ ان کے مخالف لشکر کا ایک بہانہ اور دھوکہ ہے، لیکن ان کے لشکر کے چند بدو سردار جن میں احنف بن قیس پیش پیش تھے نہ مانے بلکہ انہوں نے حضرت علیؓ کو دھمکی دی کہ اگر تم نہ مانے تو ہم تمہارے ساتھ بھی وہی کریں گے جو ہم نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ کیا تھا یعنی قتل، ان بدو سرداروں کے قبیلوں کے فوجی بھی اس تحکیم (Arbitration) کی پیشکش پر مصر تھے، حضرت علیؓ کو مجبوراً ان کی بات ماننا پڑی ورنہ ان کے لشکر میں خانہ جنگی ہو جاتی، اور اس طرح حضرت علیؓ امیر معاویہ کے خلاف جنہوں نے دیگر تمام مسلمانوں کے خلاف حضرت علیؓ کی خلافت کی بیعت نہ کی تھی، جیتی ہوئی جنگ ہار گئے۔

یہی نہیں ان کم عقل اور سادہ لوح بدو سرداروں نے حضرت علیؓ کے اُس نمائندے کو تحکیم (Arbitration) کیلئے تسلیم نہیں کیا جن کو حضرت علیؓ نے مقرر (Nominate) کیا تھا یعنی عبداللہؓ بن عباسؓ، جو ایک ذی فہم اور معاملے کی تہہ تک پہنچنے والے عالم صحابی تھے، بلکہ ان کے برعکس ان سرکش اور باغی سرداروں نے ایک دوسرے صحابی حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو نمائندہ بنایا، ان کے مقابل میں امیر معاویہؓ کے نمائندے حضرت عمرو بن العاص تھے، جو بہت ہوشیار و چالاک اور امیر معاویہ کے اُموی خاندان کے ایک فرد تھے۔

یہ بات موضوع بحث نہ تھی، کیونکہ عراق، حجاز، مصر، یمن وغیرہ سب ممالک میں حضرت علیؓ کی خلافت کی بیعت کی جا چکی تھی، صرف امیر معاویہ اور شامیوں نے بیعت نہ کی تھی، جو غلط بات تھی۔ تحکیم میں انہوں نے ایک سیاسی حیلے سے حضرت معاویہؓ کو خلیفۃ المسلمین Declare کر دیا، حالانکہ اس قضیے کی تفصیلات قدیم عربی اور جدید اردو کتب تاریخ میں ذکر ہیں ان کے ذکر کا یہاں موقع نہیں، چار و ناچار حضرت علیؓ خاموش رہے، اس طرح صرف شام میں امیر معاویہؓ خلیفہ رہے، اس پر وہ بدو سردار اور ان کے قبیلوں کے فوجی جنہوں نے حضرت علیؓ کو تحکیم قبول کرنے پر مجبور کیا تھا، اُن سے جدا ہو کر عراق کے ایک مقام حروراء میں جتھہ بند ہو گئے، حضرت علیؓ نے ان سے گفتگو (Negociation) کے لئے جب اپنے رفیق حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ علیؓ ایک حکم عمرو بن العاص کے فیصلے کو تسلیم کر کے کافر ہو گئے اب ان سے جنگ ہم پر فرض ہے، حضرت عبداللہ بن عباس نے جب کہا کہ تحکیم پر تم ہی لوگوں نے خلیفۂ رابع حضرت علیؓ کو مجبور کیا تھا تو انہوں نے کہا ہم نے کفر کیا تھا اب توبہ کرتے ہیں، حضرت علیؓ سے کہو کہ وہ بھی کفر کا اقرار کریں اور توبہ کریں تو ہم ان کے فرمانبردار رہیں گے، حضرت علیؓ نے اس احمقانہ بات کو قبول نہیں کیا جو سراسر غلط تھی، حضرت علیؓ جن کی تربیت دس سال کی عمر سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ سایہ ہوئی کس طرح اپنے کفر کا اعلان کر سکتے تھے، نعوذ باللہ۔

آخرکار ان سرکش باغیوں سے لڑنے کے لئے حضرت علیؓ کو عراق ہی میں نہروان کے مقام پر ان سے جنگ کرنا پڑی جس میں خارجیوں کو شکست فاش ہوئی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش گوئی پوری ہوئی جس میں آپ نے فرمایا تھا ایک شخص ذوالثدیہ یا ذوالخویصرۃ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی پر کہ میری امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو بڑے دیندار اور قرآن پڑھنے والے ہوں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، یعنی ان کے دل پر اس کی تعلیمات کا کوئی اثر نہیں ہوگا، جو کوئی بھی ان سے جنگ کرے گا ''وہ حق سے قریب تر گروہ ہوگا۔'' یہ خارجی بڑے عابد و زاہد تھے لیکن حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق قرآن نے ان کے دلوں میں گھر نہیں کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فتنہ پسند لوگوں کو فنا کرنے کی ہدایت فرمائی تھی، اس لئے حضرت علیؓ نے یہ مہم انجام دی اور اپنے ان باغی و سرکش ساتھیوں کی بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتارا۔

یہاں ایک بات کی توضیح ضروری ہے کہ حضرت علیؓ کے لشکر سے نکل جانے کے سبب عام لوگوں کے نزدیک یہ خارجی کہلائے۔ ان کے دوسرے نام حروریہ (حروراء میں جتھ بند ہونے کے سبب) اور محکّمہ (تحکیم کو ماننے کے سبب) بھی ہیں۔

اسلامی فرقوں کی تاریخ لکھنے والے تمام قدیم عرب مصنفین جیسے امام ابوالحسن الاشعری، امام ابن حزم، عبدالقاہر البغدادی اور شہرستانی وغیرہ سب نے لکھا ہے کہ یہ خارجی گناہ کبیرہ کے الزام میں حضرت عثمانؓ کو ان کی خلافت کے چھ سال بعد سے کافر کہتے تھے، اسی طرح حضرت علیؓ کو بھی کافر کہتے تھے کہ انہوں نے تحکیم کے نتیجہ کو قبول کر لیا اور امیر معاویہ کو بھی کہ ان کی خلافت کا اعلان ایک دھوکہ سے کیا گیا تھا۔

ان خارجیوں ہی کے ایک فرد عبدالرحمٰن بن مُلجم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے قتل کیا اور دیگر خارجی سرداروں نے اس کو ایک بہت نیک کام شمار کیا، دراصل خارجیوں کی یہ جماعت جنگ صفین کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں بلکہ حضرت عمروؓ بن العاص کو بھی جنہوں نے ایک مشہور حیلے سے حضرت معاویہؓ کی خلافت کا فیصلہ کر دیا تھا کافر کہتے تھے اور انہوں نے جنگ صفین اور جنگ نہروان کے سال ڈیڑھ سال بعد یہ طے کیا کہ ان تینوں صحابہ کو قتل کر دیا جائے تاکہ امت مسلمہ کو، ان کے ناقص خیال کے مطابق، باہمی اختلاف اور جنگوں سے نجات ملے اور اس کے لئے تین خارجیوں نے ان تینوں صحابہ پر وار کرنے کا فیصلہ کیا، حضرت علیؓ کا قاتل تو اپنی مہم میں کامیاب ہوا، لیکن دمشق (شام) میں حضرت معاویہؓ کے قاتل کا وار خطا ہوا ان کو پشت کی جانب ہلکا سا زخم آیا جبکہ حضرت عمروؓ بن العاص اُس دن فجر کی نماز کی امامت کے لئے تشریف نہیں لائے تھے۔

ان تینوں خارجیوں کو بعد میں قصاص میں قتل کر دیا گیا، کچھ دنوں یہ خارجی خاموش

رہے، لیکن اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں انہوں نے پھر سر اٹھایا اور عراق و مغربی ایران میں یہ بڑے سرگرم ہو گئے اموی سپہ سالار اور عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے ان کے خلاف اسی (۸۰) چھوٹی بڑی جنگیں لڑیں اور آخرکار مشہور معرکہ دیر الجماجم میں ان کے ہزاروں افراد کو قتل کر کے کچھ سالوں ک لئے اس فتنے کو ختم کیا۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ خارجی حضرت علیؓ (بعد میں تمام اہل بیت و بنی ہاشم) اور حضرت معاویہ اور امویوں سے یکساں عداوت رکھتے تھے اور بالآخر انہوں نے دوسری صدی ہجری کے اواخر میں الجزائر کے علاقے میں اپنی ایک سلطنت بھی قائم کر لی جس کا نام رستمی سلطنت (الدولۃ الرستمیہ) تھا۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یہ ایک ایرانی خارجی لیڈر عبدالرحمٰن بن رستم نے قائم کی تھی، اسی طرح بعد میں عُمان (Uman) ''اردن کا عمان نہیں'' میں ایک معتدل خارجی فرقے اباضیوں کی حکومت قائم ہو گئی جو آج بھی موجود ہے اور مسقط اس کا دارالسلطنت ہے، سلطان قابوس اسی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن یہ اباضی خارجی برخلاف دوسرے خارجی فرقوں کے (جواب ختم ہو چکے ہیں) اہل سنت یا شیعہ کو کافر نہیں کہتے ہیں۔

ان خارجیوں کے برعکس جو شروع میں اہل سنت اور شیعہ سب کو کافر کہتے تھے ناصبی ان کی وہ شاخ (Offshoot) ہے جو صرف حضرت علیؓ اور ان کی اولاد یعنی اہل بیت سے ہی عداوت رکھتے ہیں اور یہ حضرت معاویہ، یزید اور دیگر امویوں سے محبت رکھتے ہیں، جنہوں نے دوسری صدی ہجری میں اپنی حکمرانی کے دوران بڑے ظلم ڈھائے اور ان میں سے بعض یزید، یزید دوئم اور ولید دوئم بڑے ظالم اور فاسق تھے۔

ہمیشہ صرف شیعہ ہی نہیں بلکہ عام اہل سنت حضرت علیؓ اور اہل بیت سے محبت کرتے رہے اور ان کو شیعوں کے برعکس چوتھا خلیفہ مانتے رہے لیکن نصف صدی قبل ایک صاحب جو نہ تو عالم تھے اور نہ عربی داں یعنی محمود عباسی (ان کے ذریعہ ناصبی افکار کا پاکستان میں چرچا ہوا۔) نے ۱۹۵۹ء میں ایک کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' لکھی اور

اس میں ان دونوں کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا، یزید کو خلیفہ برحق اور قابل احترام شخصیت لکھا سیدنا علیؓ اور سیدنا حسینؓ پر تنقید کی اور اس کے بعد ایک اور کتاب "تحقیق مزید برخلافت معاویہ و یزید" کو لکھ کر اپنے پیدا کردہ فتنہ کو مزید ہوا دی اور پاکستانی معاشرے میں باہمی نفرت و عداوت کا پرچار کیا، اور ان کی فریب کارانہ باتوں مین بہت سے سادہ لوح علماء اور عوام بھی آ گئے۔

انہی میں حکیم فیض عالم صدیقی بھی ایک صاحب تھے جو حضرت علیؓ کو چوتھا خلیفہ بھی تسلیم نہیں کرتے تھے اور سیدنا حسینؓ کو باغی قرار دیتے تھے اور یزید کے ہاتھوں اُن کے قتل کو درست قرار دیتے تھے، ان کو کسی شیعہ نے کئی عشرے قبل قتل کر دیا تھا، محمود عباسی سے متاثر لوگوں میں ایک ناصبی عالم مولوی حبیب الرحمٰن کاندھلوی بھی تھے، جنھوں نے اپنی کتاب "مذہبی داستانیں" میں سیدنا علیؓ اور سیدنا حسینؓ کے خلاف زہر اگلا ہے، اس کتاب میں اور بھی بہت سی فریب کاریاں اور غلط حوالے ہیں، یہ ایک انتہائی بیہودہ اور نفرت انگیز کتاب ہے جس کو غالباً باہر کی ایجنسیوں کے پیسوں سے خوب شائع کیا جا رہا ہے تاکہ مسلمانوں میں باہمی منافرت بڑھے اور یہ امریکہ بھی بھیجی جاتی ہے ان صاحب کا انتقال ہو گیا، پاکستان کے علماء مفتی محمد شفیع مرحوم، ان کے فرزند مفتی محمد رفیع، مولانا یوسف بنوری مرحوم، مشہور محدث مولانا سلیم اللہ صاحب وغیرہ جو مختلف عربی مدارس یا دارالعلوموں کے سربراہ اور پاکستان کے مستند اور مسلمہ اہلسنت علماء ہیں انکے یہاں حبیب الرحمٰن کاندھلوی کا کوئی مقام نہ تھا اور نہ انہیں کسی مشہور و معتبر عربی مدرسے میں دینی علوم پڑھانے کی اجازت ملی، اُن کا پیشہ بعض پریسوں میں اردو کی دینی کتابوں کی پروف ریڈنگ تھی، اسی سے ان کی روزی چلتی تھی، یا کچھ ناصبیوں/ خارجیوں کو وہ کورنگی اپنے گھر میں کچھ پڑھاتے تھے۔

ایک دوست کی عنایت سے میں نے ان کی مذکورہ کتاب "مذہبی داستانیں" پڑھی اور ان کی افترا پردازیوں اور غلط بیانیوں پر حیران رہ گیا، شیعوں کی عداوت میں وہ اتنے آگے بڑھے کہ انہوں نے سنیوں کو بھی نہ بخشا اور ان میں سے بہت سوں کو بھی شیعہ بنا ڈالا

اور طنز و تشنیع کا ہدف بنایا۔ یہ بات وہ راقم الحروف کہہ رہا ہے جس نے پچاس کی دہائی میں مکۂ مکرمہ اور دمشق یونیورسٹی کے شریعت کالج میں عربی و دینی علوم پڑھے، اور انگلستان سے ڈاکٹریت کی ڈگری کے بعد دس سال سعودی عرب کی اسلامی یونیورسٹی اور چودہ سال لیبیا کی بنغازی یونیورسٹی میں پڑھایا اور ہر آدمی جانتا ہے کہ ان ملکوں میں شیعیت کا کوئی ظہور نہیں، اور سعودی عرب تو شیعیوں کا دشمن وہابی ملک سمجھا جاتا ہے۔

ان مولوی حبیب الرحمٰن کاندھلوی کا ایک چھوٹا سا کتابچہ میں نے ''لفظ'' مولانا پر پڑھا تھا جس میں انہوں نے تحریر فرمایا تھا کہ جو کوئی کسی عالم کے لئے یہ لفظ استعمال کرتا ہے وہ کفر کرتا ہے، کیونکہ یہ لفظ مولانا سورۂ بقرہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے لئے آتا ہے ''اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ہ'' اب اس جہالت کو کیا کہا جائے اس طرح تو سارے ہندو پاکستان کے مسلمان ہی کافر ہو گئے جو علماء کو اس احترام کے لقب سے یاد کرتے ہیں، عربی میں مولیٰ آقا، غلام، حلیف وغیرہ کو کہتے ہیں، لیبیا (عربی ملک) میں وہاں کے سابق بادشاہ ملک ادریس کو ''مولانا'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، پھر یہ کہ قرآن مجید میں ربّ کا لفظ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے اللہ کے لئے بھی آیا ہے اور اپنے آقا جس نے ان کو مصر کے بازار سے بچپن میں خریدا تھا یعنی عزیز مصر (چیف رائل گارڈ و کسٹوڈین) اُس کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ عربی اور اردو تفاسیر میں ہے۔

انہی حبیب الرحمٰن کاندھلوی (جن کا انتقال سال دو سال قبل ہو گیا) سے اثر قبول کرنے والے کراچی کے ایک مقرر اور ریڈیو .T.V میں اسلامی پروگرام کے تحت مضامین پڑھنے والے ایک صاحب بلیغ الدین ہیں (یہ اب کناڈا جا چکے ہیں)، موصوف نے حبیب الرحمٰن کاندھلوی کی کتاب ''مذہبی داستانیں'' کو گویا حفظ کر رکھا تھا جس میں حضرت معاویہؓ اور یزید کو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور سیدنا حسینؓ سے بڑھ چڑھ کر پیش کیا گیا ہے اور سیدنا علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک بتایا گیا ہے اور بعض ظالم و فاسق بنی امیہ کے حکمرانوں کو ان بارہ خلفاء والی حدیث کے مصداق بتایا گیا ہے جس پر بحث میری اصل کتاب میں موجود

ہے، بلیغ الدین صاحب عربی سے نابلد ہیں۔ انہوں نے جو کچھ بھی جمہور اہل سنت کے عقائد کے خلاف اور بنی امیہ کی تائید میں لکھا ہے وہ سب کچھ حبیب الرحمٰن کاندھلوی کی کتاب سے نقل ہے، جس زمانے میں میرے اور بلیغ الدین صاحب کے مابین یہ تحریری مباحثہ ہو رہا تھا مجھے حبیب الرحمٰن کاندھلوی کی کتاب کا علم نہ تھا، لیکن مجلۂ تکبیر کے ایک قاری نے مجھے خط میں لکھا کہ اہل سنت کے افکار و خیالات کے خلاف بلیغ الدین صاحب جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ مولوی حبیب الرحمٰن کاندھلوی کی کتاب سے نقل ہے، اور واقعی جب بعد میں میں نے یہ کتاب پڑھی تو ایسا ہی پایا۔

ان بلیغ الدین صاحب نے یزید کے نام کے ساتھ ''حضرت'' کا لفظ لکھا ہے جو انہوں نے خلفاء راشدین کیلئے بھی لکھا ہے، جبکہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ایک شخص نے اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز (۹۹۔ ۱۰۱ھ) کے سامنے یزید کا نام امیر المؤمنین کہہ کر لیا تو اس کو انہوں نے بیس کوڑے لگوائے، اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ خود یزید کا نیک و نوجوان بیٹا معاویہ دوئم اپنے باپ کے اعمال پر شرمندہ تھا اور کسی طرح خلافت قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ زبردستی اس کو اموی خاندان کے لوگوں نے خلیفہ بنا دیا تھا اور دو ماہ بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا۔

ان ناصبیوں نے جمہور اہل سنت کے خلاف تقریباً چودہ سو سال بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کی (جو حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ تھیں) ذریت بھی پیدا کر دی، ایک صاحب جن کا ذکر اوپر گزرا یعنی حکیم فیض عالم صدیقی نے تو ایک چھوٹی سی کتاب بھی ''سادات رقیہؓ'' کے نام سے لکھ ماری ہے اور اسی بنا پر بلیغ الدین صاحب نے بھی لکھا ہے کہ یہ سید ملتان، کشمیر اور حبشہ (ایتھوپیا) میں موجود ہیں جبکہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ حضرت رقیہ کے صرف ایک فرزند حضرت عبداللہ تھے جو چھ سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی وفات پا گئے تھے، تمام قدیم و جدید اہل سنت کی عربی اور اردو تاریخوں میں یہی لکھا ہے، لیکن پاکستان کے ناصبیوں نے شیعوں کی ضد میں حضرت فاطمہؓ کے علاوہ حضور کی دوسری صاحبزادی کی اولاد کو بھی صدیوں بعد زندہ کر دیا ہے، جبکہ قدیم اہل

سنت مؤرخین امام ذھبی اور حافظ ابن کثیر وغیرہ نے جیسا کہ ہماری کتاب میں تفصیل سے مذکور ہے اس کی صراحت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل صرف سیدہ فاطمہؓ ہی سے چلی، دوسری صاحبزادیوں حضرت زینبؓ اور حضرت رقیہؓ کی اولاد بچپن یا جوانی ہی میں وفات پا گئی اور ان سے کوئی نسل سادات کی نہیں۔

ایک احمق اور بدگفتار ناصبی نے تو ایک کتاب لکھ ماری ہے جس کا عنوان (ٹائٹل) ہے "سیدنا یزید"، نعوذ باللہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ منورہ کو تباہ و برباد کرانے والے اور وہاں تین ہزار اہل مدینہ کو قتل کرانے والے شخص کو "سیدنا" کا لقب دیا جائے جو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ یزید جیسے فاسق انسان کو دیا جائے جس کو بہت سے قدیم و جدید علمائے حق جن میں مشہور دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ جیسے علماء ہیں سب نے یزید کو فاسق و ظالم لکھا ہے، ایسے شخص کو "سیدنا" کے لقب سے صرف اہل بیت کے دشمن ناصبی ہی یاد کر سکتے ہیں۔

درحقیقت شیعوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا کیا اور چار صحابہ عمارؓ بن یاسر، مقدادؓ، سلمانؓ فارسی اور ابوذرؓ غفاری کے علاوہ سب صحابہ کو منافق کہنا شروع کر دیا تو اس کے جواب میں ان ناصبیوں نے سیدنا علیؓ اور سیدنا حسینؓ وغیرہ اہل بیت کے خلاف زبان طعن کھولی اور امیر معاویہؓ اور یزید کو ان دونوں برگزیدہ ہستیوں سے بڑھا دیا۔ شیعوں نے اپنی دانستہ غلطی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک بیٹی فاطمہؓ بتائی تو ان ناصبیوں نے ضد میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بڑی بیٹیوں کی اولاد بھی چودہ سو سال بعد زندہ کر دی، اور بڑی فرقہ وارانہ زہریلی کتابیں جیسے خلافت معاویہ و یزید، وقائع امّ ہانیؓ اور سبائیوں کے سرسبز باغ اور سادات رقیہ اور سیدنا یزید لکھیں، اسی طرح شیعوں نے صحابہ کے خلاف تبرّا میں زہریلی کتابیں لکھیں، جس سے پاکستان میں فرقہ واریت اور شیعہ وسنیوں کے درمیان میں عداوت پھیلی۔ شیعوں کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے ان ناصبیوں کو اہل سنت میں

شمار کیا۔ الحمدللہ کہ بعض مشہور و جید علماء اہل سنت جیسے مولانا عبدالرشید نعمانی مرحوم نے ناصبیوں کے خلاف بہت تحقیقی رسالے لکھے، جس میں ممتاز کتابیں، ''یزید اہل سنت کی نظر میں'' اور ''ناصبیت تحقیق کے بھیس'' ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ لوگ ان کتابوں کو ضرور پڑھیں اور حبیب الرحمٰن کاندھلوی اور محمود عباسی وغیرہ ناصبی لوگوں کی کتابوں سے پرہیز کریں۔ حکومت کا کام ہے کہ وہ ایسی فرقہ وارانہ کتابوں پر پابندی عائد کرے تاکہ معاشرے میں نفرتیں پیدا نہ ہوں اور عوام فرقہ وارانہ قتل و غارتگری سے محفوظ رہیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ اس ناصبیت کا عرب ممالک اور ہندوستان میں وجود نہیں، مجھے یقین ہے کہ اس منافرت کو بیرونِ ملک کی بعض ایجنسیاں ہوا دیتی ہیں۔

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ختم نبوت کے پردے میں ملتان میں قائم ایک مرکز ناصبیت کی دعوت کو عام کر رہا ہے اور اس سے بڑھ کر افسوس کی بات یہ کہ انہوں نے سیدنا علیؓ اور سیدنا حسینؓ کی دشمنی میں بچوں کے نام معاویہؓ رکھنا شروع کر دیئے ہیں۔ ان کو اور عام مسلمانوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ امیر معاویہ کب اسلام لائے تھے؟ تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ وہ اور ان کے والد ابوسفیان فتح مکہ کے بعد یعنی رمضان ۸ھ میں اسلام لائے، اسی طرح ان کو صرف دو سالہ صحابیت کا شرف حاصل ہوا جبکہ سیدنا علیؓ حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے فرد تھے کیونکہ وہ دس سال کی عمر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت تھے اور آپؐ کے گھر ہی میں رہا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ایسے صحابیوں کو جو بالکل شروع میں یعنی حضور ﷺ کی نبوت کے فوراً بعد اسلام لائے جیسے حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص وغیرہ کو قرآن کریم نے السابقون الاوّلون کے نام سے ذکر کیا ہے اور جو فضیلت ان صحابہ کی ہے اور انصار مدینہ کی ہے یا ان صحابہ کی جو ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے وقت موجود تھے اور انہوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی کہ اگر کفار مکہ کے ساتھ جنگ پیش آئی تو وہ اپنی جان کی بازی لگا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں ان کو رضی اللہ عنہم کے لقب سے

شرف بخشا ہے۔ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے صحابہ ان اولین صحابہ اور غزوۂ بدر میں اور صلح حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کے برابر ہرگز نہیں، اور نہ ہی حضرت امیر معاویہ کاتبِ وحی تھے۔ یہ عوام میں شیعوں کی ضد میں غلط مشہور ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ اکیس سال تک دوسرے صحابہ کرام قرآنِ کریم لکھتے رہے اور بعد میں بھی مدینہ منورہ میں حضرت ابیؓ ابن کعب، حضرت زیدؓ بن ثابت وغیرہ وحی کی کتابت کرتے تھے۔ اہل سنت کے ایک امام یعنی آٹھویں صدی ہجری کے محدث حافظ ابن القیم نے اپنی کتاب زاد المعاد میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ لوگ جو یہ نام اب رکھنے اور رکھوانے لگے ہیں نہیں جانتے ہیں یا جانتے بوجھتے تغافل برتتے ہیں کہ معاویہ کے کتنے برے معنٰی ہیں۔ دورِ جاہلیت میں عربوں میں رواج تھا کہ وہ جانوروں کے نام پر انسانوں کے نام رکھتے تھے جیسے کلب یعنی کتا اور قبیلۂ کلب یا قبیلۂ بنو کلب بہت بڑا قبیلہ تھا۔ اسی طرح اسلام سے قبل ایک عرب کا نام جحش یعنی گدھے کا بچہ تھا۔ ان کے بیٹے عبداللہ ابن جحش ایک مشہور صحابی تھے جن کا انتقال حبشہ (ایتھوپیا) میں ہوا تھا۔ لفظ معاویہ کے تو اتنے برے معنٰی ہیں کہ ہم اس کو یہاں اپنی نوکِ قلم پر بھی نہیں لا سکتے لیکن جن لوگوں کو شک ہے وہ کسی عربی اردو لغت میں اس کے معنٰی دیکھ سکتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی کتابوں کو اور ایسے افکار کو جو فرقہ وارانہ منافرت پھیلاتے ہیں حتی الامکان ختم کیا جائے۔ شیعہ اگر سیدنا علیؓ کو واقعی تین خلفائے راشدین سے افضل سمجھتے ہیں تو سمجھیں لیکن ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو جنہوں نے کفارِ مکہ کے خلاف جنگوں میں حضور ﷺ کا ساتھ دیا اور اسلام کو دنیا میں پہنچایا ان کو کافر نہ کہیں نہ ان کو اپنی مجالس میں گالیاں دیں، اس لئے کہ کوئی مذہب اور کوئی اچھا عقیدہ گالیوں کی بنیاد پر قائم نہیں ہو سکتا اور وہ جو اپنے آپ کو اہل سنت کہتے ہیں لیکن درحقیقت ناصبی ہیں وہ حضرت علی و سیدنا حسین و اہل بیت کی عداوت اور تحقیر سے پرہیز کریں، اور خاندان بنی امیہ کے نام نہاد خلفاء جو

درحقیقت بادشاہ تھے ان کو اہل بیت کے ائمہ سے افضل نہ سمجھیں، اور نہ یزید کی تعریف کر کے اپنے مخالفین کے دلوں میں آگ بھڑکائیں کہ قدیم سے آج تک علمائے اہل سنت کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ صحابہ کے ساتھ اہل بیت کو بھی افضل ترین خلائق سمجھیں اسی طریقے سے ہمارے ملک سے مذہبی منافرت کی فضا اور فرقہ وارانہ قتل وغارت گری دور ہو سکتی ہے۔

سبب تصنیف کتاب:۔

اس کتاب کی تصنیف کا سبب یہ ہے کہ ۲۸ ستمبر ۱۹۸۹ء کو کراچی کے ایک موقر اور کثیر الاشاعت ہفتہ وار مجلّے ''تکبیر'' میں جو میرے مرحوم مخلص دوست محمد صلاح الدین صاحب کی زیر ادارت نکلتا تھا اور اب بھی نکلتا ہے ، خاندان رسول ﷺ کا ایک شجرہ بطور اشتہار ایک نومسلم آغا خانی کی طرف سے ایک نام نہاد ''تحریک انسداد غیر اسلامی مطبوعات ولٹریچر'' کراچی کے نام سے شائع کیا گیا جس کی فوٹو کاپی اس کتاب میں پیش کی گئی ہے۔ راقم الحروف کو اس میں بڑی تاریخی اغلاط نظر آئیں، حتیٰ کہ اس شجرہ یا بالفاظ دیگر چارٹ کو طغراء کا نام دیا گیا تھا اور اس کا املاء بھی غلط تھا یعنی ''طغرہ'' مجھے اس کا پس منظر بالکل معلوم نہ تھا، میں نے اپنے تاریخی ذوق اور تقریباً رُبع صدی تک بعض عرب ممالک کی یونیورسٹیوں میں اسلامی تاریخ کے تدریسی اور اس اشتغال کے پیش نظر، عام قارئین کے خیال سے اس کی تصحیح ضروری سمجھی، اور ایک تصحیح شدہ مضمون لکھ کر ''تکبیر'' کو بھیجا، جو انہوں نے شائع کر دیا۔ اس پر کراچی کے ایک صاحب شاہ بلیغ الدین نے (جو بہت پہلے کبھی ریڈیو اور پاکستان ٹی وی پر عوامی نوعیت کی تقریریں کرتے رہے ہیں) جواباً ایک انتہائی مفصل مضمون (۹ صفحات فل سکیپ) لکھ کر بھیجا، جو مدیر تکبیر صلاح الدین صاحب نے مجھ کو بھیج دیا کہ میں اس کو دیکھ لوں ، کیونکہ وہ اس کو شائع کرنا چاہتے ہیں۔اس مضمون میں ان صاحب نے بڑی عجیب عجیب باتیں کی تھیں جو اس کتاب کے قارئین پڑھیں گے۔

اس مضمون میں موصوف نے چارٹ میں پیش کر وہ غلط تاریخی معلومات

کا شدت سے دفاع کیا تھا اور غلط تاریخی حوالوں سے قطع و برید کر کے اصرار کیا تھا کہ حضور ﷺ کی تربیت ان کے ایک چچا زبیر بن عبدالمطلب نے کی اور یہ کہ حضرت رقیہ بنت الرسول ﷺ کے بطن سے حضرت عثمانؓ کی اولاد دنیا میں موجود ہے، امام مالک و امام اوزاعی اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ کو تاریخی کتابوں کا مصنف بنا دیا۔ حضرت زینب بنت الرسول ﷺ کے ایک صاحبزادے علی بن ابوالعاص بن الربیع کو جوان بتا کر جنگ یرموک کا ہیرو قرار دے دیا وغیرہ وغیرہ۔

میں اس سب پر بہت حیران ہوا، کہ یہ سب کچھ تاریخی حقائق کے خلاف اور عام قارئین کو گمراہ کرنیکی باتیں تھیں۔ ان بلیغ الدین صاحب کی، جن سے میں واقف نہ تھا، پاکستان میں ریڈیو وٹی وی تقاریر کی وجہ سے کافی شہرت تھی، اگرچہ بعد میں، بعض لوگوں کے قول کے مطابق، ایک موقعہ پر ان کو یزید کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنے پر ریڈیو اور ٹی وی سے ہمیشہ کے لئے رخصت کر دیا گیا۔

ان کی یہ تحریر یہاں ایک خاص پس منظر میں ایک مخصوص گروہ کی ترجمانی تھی۔ میں چونکہ تقریباً تیس سال پاکستان سے باہر رہا تھا اور یہاں موسم گرما کی تعطیلات میں آتا تھا اس لئے یہاں کے دو متحارب شیعہ اور ناصبیوں کے گروہوں اور اُن کے لٹریچر سے ناواقف تھا۔ یہ آخر الذکر صاحب اپنے کو سنّیوں کا ترجمان کہتے تھے اور ایک چھوٹا سا گروپ تھا، جو محمود عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' سے متاثر ہوکر پیدا ہوا، جو پہلی بار سن ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب سے پاکستان میں بڑا ہیجان پیدا ہوا تھا اگرچہ اس کے مصنف صاحب جو میری معلومات کے مطابق چینی سفارتخانہ، کراچی میں ملازم تھے، ان کی بڑی شہرت ہوئی ''بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا۔'' اس کتاب میں جمہورِ اُمتِ مسلمہ کے افکار و عقائد کے برخلاف حضرت معاویہؓ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے زیادہ بڑھا چڑھا کر اور یزید کو جسے جمہور علمائے مسلمین نے صدیوں سے ظالم و فاسق لکھا ہے، بعض نے اس پر لعنت کو بھی جائز کیا ہے، ایک بڑا ہیرو بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے بڑی ڈھٹائی سے غلط حوالے پیش کیئے ہیں یا اُن کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ عام قارئین عربی کتابوں کے ناموں اور اُن کے حوالوں سے بہت مرعوب ہوئے، اور وہ بھی جو متعصّبانہ فرقہ وارانہ ذہنیت شیعوں کے خلاف رکھتے تھے۔ سردست میں ان کے ایک جھوٹے حوالے کا ذکر کرتا ہوں کہ وہ اپنی مذکورہ کتاب کے پہلے مذکورہ ایڈیشن میں صفحہ ۳۰ پر امام ذہبی کی کتاب ''تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والا علام (اس کا نام بھی محمود عباسی نے غلط طور پر ''وطبقات المشاہیر والاسلام'' لکھا ہے جو ایک مہمل عربی ہے اور کبھی کوئی عرب ایسا نہیں لکھ سکتا ہے) کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''امیر یزیدؒ نے ان تین سالوں میں یعنی ۵۱ھ، ۵۲ھ، اور ۵۳ھ میں امیر الحج کی حیثیت سے حج ادا کیئے۔''

ہم نے اِن سنین کے حوادث کی تحقیق کی اور دیکھا کہ امام ذہبی نے ہرگز یہ نہیں لکھا ہے، بلکہ جسکا جی چاہے، اُن کی یہ عظیم کتاب دیکھ لے کہ یہ اب بیروت میں ڈاکٹر عبدالسلام تدمری کی تحقیق سے شائع ہوگئی ہے۔ بلکہ انہوں نے تو یہ لکھا ہے کہ ۵۱ھ میں امیر حج خود حضرت معاویہؓ تھے، ۵۲ھ اور ۵۳ھ میں امیر حج سعید بن العاص تھے۔ ساتھ ہی امام ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسی اپنے حج کے سال یعنی ۵۱ھ میں امیر معاویہؓ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت مکہ میں لی، یہی امام بخاری کے استاد خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ خلیفہ ابن خیاط میں لکھا ہے، دیگر مورخین نے بھی یہی لکھا ہے۔ ذھبی نے یزید کے امیر حج ہونے کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا ہے، مذکورہ تاریخ خلیفہ خیاط اور طبری میں ہے کہ یزید ۵۰ھ میں امیر حج تھا، اور وہ اس بد نام زمانہ کتاب میں عظیم سنّی مفسّر، محدّث، فقیہ اور مورخ امام محمد بن جریر طبری کو دھڑلے سے شیعی لکھتا ہے، جو ایک عجیب افتراء، دیدہ دلیری اور جہالت ہے۔ اہل سنت والجماعت کے یہ امام جن کی تفسیر سے حافظ ابن کثیر و دیگر تمام مفسّرین نے استفادہ کیا ہے اور جنہوں نے حدیث کی ایک عظیم کتاب ''تہذیب الآثار'' لکھی ہے، جس میں کبار صحابہ ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کی مسانید (یعنی ان سے مروی

احادیث جمع کی ہیں) بھلا ایسا شخص کس طرح شیعہ ہوسکتا ہے؟(۱) اس وقت یہ کتاب طبع نہیں ہوئی تھی۔اب اس کی چار جلدیں ریاض کی امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی سے ایک مصری سلفی عالم مرحوم علّامہ محمود محمد شاکر کی تحقیق سے شائع ہوگئی ہیں۔ہم یہاں اس کتاب کی تنقید لکھنا نہیں چاہتے، کیونکہ اس کے رد میں پاکستان و ہندوستان کے علماء و محققین نے بہت کچھ لکھا ہے، بلکہ اس بندۂ خدا نے تو اپنی اس کتاب یا دوسری کتاب ''تحقیق مزید'' میں انتہائی مشہور و تابعی محدث امام زہری (وفات ۱۲۴ھ) جن سے امام بخاری نے سینکڑوں حدیثیں نقل کی ہیں ان تک کو شیعہ لکھ مارا ہے۔ مجھے بعد میں علم ہوا کہ اس انسان کی ان تحریروں اور افتراءات کے پیچھے ایک عالم ''مولانا عبداللہ تمنا عمادی صاحب'' تھے، جنہوں نے اپنی ایک کتاب میں امام زہری اور طبری کو شیعہ لکھا ہے، اور محمود عباسی کو عربی حوالے اور اُنکا ترجمہ مہیا کرنے والے یہی مولانا تمنا عمادی تھے۔ ان صاحب کا جو ایک صوفی خاندان سے تھے یہ ایک عجیب نفسیاتی ردعمل تھا۔جس پر یہاں گفتگو کی گنجائش نہیں۔

بہر حال میں نے بلیغ الدین صاحب کے طویل مضمون اور ان کے اعتراضات اور مغالطات کے جواب میں ایک طویل تر مضمون لکھا، یا مجھے لکھنا پڑا، مجھے ان کی بد گفتاری اور الزام تراشی سے سخت صدمہ ہوا، میں نے اعلیٰ معیارِ تحقیق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے مغالطات کا جواب دیا اور بعض مباحث کی وضاحتیں کیں۔

میرے اس مضمون کے ردّ میں موصوف نے ایک طویل تر مضمون لکھا جس میں کچھ نئے مسائل چھڑ گئے جنکا تعلق اموی خلافت سے بھی تھا اور راقم الحروف پر، جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ایسے ممالک میں گزارا جہاں شیعیت کا نام نہیں (جیسے سعودی عرب، شام، لیبیا)، سبئیت (یعنی غالی شیعہ) کا بہتان لگایا گیا۔

آخرکار مجھے ایک انتہائی طویل مضمون ۵۳ صفحات (فل اسکیپ) کا لکھنا پڑا جس

۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہومیرا مقالہ: ''امام طبری پر شیعیت کا بہتان تجزیہ و تردید'' مجلّہ البیان زیرادارت، سید رضوان علی ندوی، شمارہ یکم اگست ۱۹۹۰ء جواب میری کتاب ''تحقیقات و تاثرات'' میں شامل ہے۔

کو میں نے اپنے عزیز دوست مرحوم شہید محمد صلاح الدین مدیر "تکبیر" کے اصرار پر کم
۳۰ صفحات کا کر دیا۔ میرے اس جوابی طویل ترین مضمون کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔

اس طرح یہ کتاب ان مختلف مضامین کا مجموعہ ہے، جنہوں نے ایک مباحثے
شکل اختیار کر لی تھی، اور جسکا طرز تحریر تخاطب تھا۔ یہ مضامین ہفتہ وار "تکبیر" کے نومبر ۹
سے لے کر مئی ۱۹۹۰ء تک مختلف شماروں میں شائع ہوئے۔ یہ سب یہاں کتابی شکل میں
کم و کاست پیش کر دیئے گئے ہیں، صرف ادارہ تکبیر کے ابتدائی اخباری نوعیت کے
حذف کر دیئے گئے ہیں اور صیغہ تخاطب بدل دیا گیا ہے۔ سات سال قبل جب یہ سلسلہ
مضامین شروع ہوا تو میرے ایک محترم و عزیز دوست اور پاکستان کے ایک انتہائی
اور دانشور صحافی رٹائرڈ میجر ابن الحسن صاحب مرحوم نے جو تکبیر میں ایک ہفتہ وار کالم
تھے، اور بڑے مردم شناس تھے، مجھ سے کہا کہ "رضوان صاحب آپ کہاں ان میلا
(بلیغ الدین) کی باتوں کا جواب دے رہے ہیں۔" ان کا یہ ریمارک واقعتاً بہت ہی بجا
جس کا تجربہ مجھے یہ سلسلہ مضامین شروع ہونیکے بعد ہوا۔

بہر حال ان مضامین کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ پاکستان میں ناصبیوں کے اُٹھائے
ہوئے بہت سے مسائل و اعتراضات کا جواب میرے ان مضامین میں آ گیا۔ پاکستان کے
اصحاب علم نے انہیں بہت پسند کیا، میرے پاس مختلف شہروں سے خطوط آئے اور کراچی کے
بعض بزرگ عالم اس خاکسار سے ان مضامین کی اشاعت کے فوراً بعد ملنے آئے۔ اسی
دوران مشہور عالم اور محقق مولانا عبدالرشید نعمانی بھی مجھ سے ملنے تشریف لائے وہ خود علاوہ
دیگر متعدد کتابوں کے ایک اچھوتی نوعیت کے رسالے "یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں"
کے مصنف ہیں۔

آغا خاں اور اموی خلافت:۔

اپنے آخری مضمون سے قبل جب میں نے محمود عباسی کی متعدد کتابیں "تحقیق مزید بر
خلافت معاویہ و یزید، اور ایک کتاب "وقائع اُم ہانی" وغیرہ پڑھیں تو مجھے ایک طرف تو بلیغ

الدین صاحب کے مآخذ یعنی ان ناصبیوں کی تصنیفات کا علم ہوا، اور دوسری طرف یہ راز کھلا کہ ''خلافت معاویہ ویزید'' کے پہلے ایڈیشن (۱۹۵۸ء) پر کتاب کے آخر میں ''آغا خانیوں'' کے اُس وقت کے ''حاضر امام'' سر سلطان احمد، آغا خاں سوئم کی بعض تحریروں کے اقتباسات درج کیئے گئے ہیں، جن میں اموی عہد کی بہت تعریف کی گئی ہے اور اس کو اسلامی تاریخ کا عظیم ترین دور کہا گیا ہے۔ ساتھ ہی کوفہ و بغداد اور عباسی عہد کی مذمت، کی گئی ہے اور اس عظیم ترین فقہی اور عقائدی ذخیرۂ علم کی بھی جو ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ حدیث و فقہ اور متکلمین اسلام کی عظیم فکری و علمی کاوشوں کا نتیجہ تھا، نہ صرف یہ کہ اس سب سے صرف نظر کرنے کی، پیرس و لندن میں دادعیش دینے والے اور سابق فرانسیسی حسینۂ عالم کے مرحوم شوہر صاحب نے اس وقت تلقین کی تھی، بلکہ اس سب فقہی، حدیثی اور کلامی قابل فخر علمی ورثہ کو ''ملّایانہ اور جامد'' کہکر اس کی توہین بھی کی ہے، امویوں کی تعریف کے ضمن میں ان زہر بھرے ''ارشادات امام حاضر'' کی محمود عباسی نے بڑی تعریف کی ہے، اور اُن کے ''ہز ہائی نیس'' کے لقب کو بار بار دہرایا ہے۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ یہ مرحوم ''امام حاضر'' جن کی تعریف کے پل محمود عباسی نے باندھے ہیں، ابن خلکان اور امام ذہبی وغیرہ عرب علماء محققین ؒ کے اقوال کے مطابق فاطمی نہیں بلکہ ''عبیدی'' یعنی ایک شخص عبیداللہ کے خاندان سے، یہ شخص ایرانی تھا اور اس کا اصلی نام میمون قداح تھا اس نے بدل کر اپنا نام عبیداللہ رکھ لیا تھا، آغا خانی اپنے کو نام نہاد فاطمی خلفاء مصر کا وارث اور نزار بن المستنصر الفاطمی (العبیدی) کی اولاد کہتے ہیں حالانکہ نزار کو اس کے بھائی المستعلی نے جو مصر میں خلیفہ ہوا زندہ دفن کر کے اس پر ایک دیوار کھڑی کر دی تھی اور اس کی کسی اولاد میں نام نہاد امامت نہیں رہی، مگر خود ان آغا خانیوں کا دعویٰ ہے کہ نزار کے ایک شیر خوار طفل کو بھگا کر حسن بن صباح، زعیم الحشاشین کے قلعہ الموت میں پہنچا دیا گیا تھا اور سابق ''ہز ہائی نیس'' آغا خاں اپنے کو اسی کی اولاد سے کہتے تھے، جن کی تربیت باطنیوں اور قرامطہ کے مشہور خونخوار لیڈر حسن بن صباح کے تحت ہوئی، مگر مستند تاریخ ان کے

اس نسب اور آل رسول ہونے کی گواہی نہیں دیتی اور نہ ان کے اعمال، جس میں نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ حج، نہ مسجد، بس ایک جماعت خانہ ہے جس میں انکی تصویر کے سامنے ان کے متبعین گجراتی بھجن گاتے تھے، اور اب بھی گاتے ہیں جسے یہ گینان کہتے ہیں[1] اور خود یہ "امام حاضر" یورپ میں حسیناؤں کے ساتھ دادِ عیش دیتے رہے اور اپنے گھوڑوں کی ریس پر جوا کھیلتے کھلاتے رہے۔ نعوذ باللہ ایسا شخص آل رسول ہوسکتا ہے؟ اور کیا اس کو امام کا معزز لقب دیا جاسکتا ہے؟ یہی نہیں انہوں نے ترکی خلافت کوختم کرنے کا بھی انگریزوں کومشورہ دیا تھا اور ہندوستان آنے والے ان کے جدِ امجد نے سندھ میں انگریز جرنیل نیپئر کی سندھ پر ۱۸۴۸ء میں قبضہ جمانے میں اپنے متبعین کے ساتھ مدد کی تھی، جن کو ایران سے قاچاری شاہ نے نکال دیا تھا، اسی بنا پر انگریزوں نے ان کو "ہز ہائی نیس" کا لقب دیا تھا۔

قابل غور بات ہے کہ باطنیوں اور قرامطہ کے وارث ان "امام حاضر" کی محمود عباسی نے تعریف کی ہے جنہوں نے خود عباسی خلافت کی مذمت کی ہے، کیونکہ عباسی خلیفہ القادر باللہ کے زمانے ہی میں بغداد کے علماء سنت وشیعہ (امامیہ) نے یہ مشہور فتویٰ صادر کیا تھا کہ فاطمی خلفائے مصر کا حضرت فاطمہؓ سے کوئی تعلق نہیں، اور انکا نام نہاد نسب نامہ جھوٹا ہے، بلکہ وہ ایک ایرانی یہودی میمون قداح کی اولاد سے ہیں، اسی بنا پر آغا خاں سوئم عباسی خلافت سے ناراض تھے، حالانکہ عباسی عہد خلافت اسلامی علوم وثقافت کا باتفاقِ مورخین زریں عہد تھا۔ ان آغا خاں سوئم کا کمال یہ تھا کہ یہ اپنے تجارت پیشہ مالدار و دیگر گجراتی متبعین سے "دسوند" (دولت کا دسواں حصہ) لیتے رہے اور اب بھی ان کے پوتے لیتے ہیں۔ اس کو

۱۔ اس موضوع پر ملاحظہ ہو ایک سابق آغا خانی اکبر علی مہر علی مقیم کنڈا کی کتاب Understanding Ismailism اور اسی طرح ایک انگریز کی تازہ کتاب The Golden Throne, London اکبر علی مہر علی کی مذکورہ کتاب کا اردو ترجمہ بھی "حقیقت اسماعیلیہ" کے نام سے کراچی میں شائع ہو چکا ہے، انہی کی ایک دوسری کتاب ہے The History of Agha Khani Ismailies اسکا بھی اردو ترجمہ "آغا خانی سماعیلیوں کی تاریخ" کراچی میں چھپ چکا ہے ۱۹۹۴ء یہ دونوں ترجمے سید تنظیم حسین کے قلم سے ہیں، اور پوسٹ بکس نمبر ۱۳۶۸۶، فیڈرل بی ایریا، کراچی سے مل سکتے ہیں۔

انہوں نے عام مسلمانوں کا دل جیتنے کے لئے مسلمانوں کے بعض رفاہی کاموں اور یونیورسٹیوں پر بھی صرف کیا لیکن اس طرح کی امداد تو انگریز اور امریکن بھی مسلمانوں کو دیتے رہے ہیں۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ باطنی شیعی ''امام حاضر'' آغا خاں سوئم نے یہ کتاب محمود عباسی سے لکھوائی ،تا کہ مسلمانوں میں فکری انتشار اور نفرتیں بیدار رہوں، اور اپنے قارونی خزانے سے کراچی کے ایک پس ماندہ محلے ''لالو کھیت'' میں رہنے والے ان مصنف کی مدد بھی فرمائی، والعلم عنداللہ۔

محمود عباسی تو دنیا سے رخصت ہوے، لیکن ان کے کچھ چیلے اور بعض کوتاہ نظر مولویوں اور بلیغ الدین جیسے عوامی مقررین کی شکل میں رہ گئے، لیکن الحمد للہ ،اس ناچیز کے ان مضامین کے بعد ان عوامی خطیب کا سحر بڑی حد تک ٹوٹا ہے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ اُس زمانہ میں جب میرے مضامین ''تکبیر'' میں چھپ رہے تھے، کراچی سے ایک صاحب علم کا خط ملا جو شیعی اور ناصبی لٹریچر اور انکے پاکستانی مصنفین سے واقف تھے ،میرے پاس آیا کہ ''آپ بلیغ الدین صاحب کے جن افکار کی تنقید کر رہے ہیں درحقیقت یہ ان کے نہیں، ایک مولانا حبیب الرحمٰن کاندھلوی کے ہیں، بلیغ الدین صاحب نے ان سے لفظ بہ لفظ نقل کیا ہے'' (یہ خط میرے پاس محفوظ تھا، لیکن اب تقریباً سات سال گذرنے کے بعد میرے کاغذات میں مل نہ سکا اور میں صاحب مکتوب کا نام بھی بھول گیا)، بہر حال ان مذکورہ مولوی صاحب کی بعض تحریریں میں نے بعد کو اتفاقاً پڑھیں ۔ ان میں اسی طرح کا مواد پایا جو بلیغ الدین صاحب اور ان جیسے بعض ناصبیوں اور کم علم وغرضمند مولویوں کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ واقعی یہ ناصبیت کے ایک علمبردار تھے اور علمائے کراچی ان سے لاتعلق تھے۔

فرقہ وارانہ ذہنیت :۔

ایک اور قابل ذکر اور دلچسپ بات یہ ہے کہ میرے ان مضامین کی اشاعت کے بعد میرے پاس ان نومسلم آغا خانی صاحب (ڈاکٹر پنجوانی۔ایم۔بی۔ایس) اور ایک وکیل اقبال صاحب اور ایک تیسرے فرد پر مشتمل ایک وفد آیا اور انہوں نے مجھ سے اس

موضوع پر گفتگو کی۔ انکا اصرار تھا کہ شیعہ اثنا عشریہ کافر ہیں اور یہ کہ میں بھی یہی رائے قائم کروں، ان حضرات کے علم کا یہ عالم تھا کہ یہ طبری کا صحیح تلفظ بھی نہیں کر سکتے تھے اور انکو طبری (ط پر زیر اور ب کے جزم کے ساتھ) تلفظ کر رہے تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے امام اشعری اور شہرستانی وغیرہ کی کتابیں مسلمان فرقوں کے بارے میں پڑھی ہیں، تو ان کا جواب نفی میں تھا، میں نے عرض کیا کہ یہ تو آپ کی معلومات کا حال ہے اور مجھ سے اس موضوع پر بحث کرنے کو آئے ہیں۔ ان اور دیگر ائمہ اہل سنت والجماعۃ نے اثنا عشری شیعوں کو کافر نہیں کہا ہے، میں کیسے کہہ سکتا ہوں؟ پھر وہ نامراد واپس ہوگئے۔ پھر ایک صاحب بیرسٹر تمکین خاں کے گھر پر مجھے بلایا گیا، ان سے میری کراچی میں تازہ واقفیت ہوئی تھی اور ان کا بھی میری جائے پیدائش رام پور سے ننھیالی تعلق تھا۔ ایک عربی مدرسہ کے بعض مولوی صاحبان اُنکے یہاں آتے جاتے تھے۔ یہاں پھر وہ ڈاکٹر نیجوانی اور کچھ دیگر صاحبان اور ایک دینی مدرسہ سے متعلق ایک قاری موجود تھے۔ تکبیر کا وہ شمارہ جس میں غالباً میرا آخری یا درمیانی مضمون شائع ہوا تھا، میز پر رکھا تھا۔ گفتگو اس طرح چھیڑی گئی کہ گو میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ درست ہے، لیکن اس سے شیعوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے، اس لئے میں اپنے قلم کو روکوں۔ میں اس پر حیرت کناں تھا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ حضرات بہت عجیب ہیں! آپ چاہتے ہیں کہ میں محض شیعوں کی مخالفت کی خاطر جھوٹ لکھوں، یہ مجھ سے کبھی نہ ہوگا۔ اب مجھ سے کہا گیا کہ "آپ نے غالباً شیعوں کا شائع کردہ خانوادۂ نبوت کا چارٹ نہیں دیکھا ہے جس میں انہوں نے ،سیدہ زینبؓ، سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ رقیہؓ کو حضور ﷺ کی صاحبزادیوں میں نہیں دکھایا ہے" میں عرض کیا کہ یہ ان کی غلط اور خلاف حقیقت بات ہے۔ میں اس کی مذمت اپنے ایک مضمون میں کر چکا ہوں لیکن یہ موقف بالکل غلط ہے کہ اگر وہ جھوٹ بولیں تو ہم بھی جواباً دروغ گوئی سے کام لیں، ہمارے نبی ﷺ اور سلف صالحین نے اس کی اجازت نہیں دی ہے، اس پر ایک حاضر صاحب اور ان کی بیگم نے میری تائید کی، اور یہ مجلس اس طرح برخاست ہوگئی۔

اس طرح مجھ پر یہ راز کھلا کہ حضرت ابو طالب، سیدنا علیؓ، حضرات حسنینؓ کے خلاف یاوہ گوئی، اور حضرت معاویہؓ بلکہ یزید اور دیگر ظالم وفاسق اموی حکمرانوں کی تعریف و توصیف کے پیچھے یہ جوابی فرقہ وارانہ ذہنیت کارفرما ہے۔ لیکن میں اس اندازِ فکر کا ہمیشہ سے مخالف رہا ہوں۔ اس طرح کی فرقہ وارانہ تحریریں دونوں طرف کے کاروباری نام نہاد عالم و"علامے" شائع کرتے اور ان کے ذریعہ اپنی دکانیں چلاتے اور مسلمانوں کے مابین نفرتوں کو فروغ دیتے ہیں۔ تبرّا یقیناً ایک مذموم اور گھناؤنا فعل ہے۔ سیدنا علیؓ اور ان کے احفاد حضرت زین العابدینؒ وغیرہم سے تقیہ کی نسبت ایک غیر منطقی اور مضحکہ خیز بات ہے لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کئے جائیں اور حضرت معاویہؓ کو کاتب وحی کہکر ان سے افضل یا ان کے برابر قرار دیا جائے۔ قرآن کریم نے جو درجہ "السابقون الاولون" کا قرار دیا ہے، ان میں حضرت معاویہؓ شامل نہیں، اور پھر قرآن کریم ہی کا یہ دوٹوک فیصلہ ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا (سورۃ الحدید، آیت ۱۰)

یعنی وہ لوگ جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (راہ خدا میں) خرچ کیا اور جہاد کیا وہ (اور دیگر لوگ) برابر نہیں ہوسکتے۔ یہ وہ ہیں جو درجات میں ان سے بلند تر ہیں جنہوں نے بعد کو (راہ خدا میں) خرچ کیا اور جہاد کیا۔

اور حضرت معاویہؓ انہی موخرا لذکر لوگوں میں سے تھے، جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اپنے عظیم مجموعہ فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ وہ اور ان کے والد اور بھائی یزید بن ابی سفیان طلقاء اور مؤلفۃ القلوب میں سے تھے اور غزوہ حنین کے غنائم میں سے حضور ﷺ نے ان کو سو سو اونٹ اور چالیس چالیس چھٹانک چاندی (دراھم) دئے، جب کہ اپنے اقارب اور انصار کے پختہ ایمان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کو ان غنائم سے محروم

رکھا۔ آپ ﷺ نے خود کو ان کے لئے وقف کر دیا تھا۔ حافظ ابن القیمؒ نے تصریح کی ہے کہ
"ولاخلاف ان أباسفیان و معاویة اسلما فی فتح مکه سنة ثمان (۱)

اس موقعہ پر حضرت معاویہؓ کے کاتب وحی ہونے کے مشہور دعویٰ کے سلسلہ میں ایک اہم بات کہنا چاہتا ہوں۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے صحابہ کرام کے بارے میں اپنی مشہور و مستند کتاب "الاصابۃ" میں حضرت معاویہؓ کے سوانح حیات میں لکھا ہے "زید بن ثابت وحی لکھتے تھے اور معاویہ حضور ﷺ اور عربوں کے مابین امور کی کتابت کرتے تھے" یعنی آنحضرت ﷺ کے خطوط اور معاہدات لکھتے تھے، اور یہی بات ان سے قبل امام ذہبی نے معاویہؓ کے کافی طویل سوانحی خاکے میں لکھی ہے(۲) اور اس "کتابت" کی بھی حقیقت انہوں نے اس طرح بیان کی ہے" وکَتَبَ لمرّات یسیرۃ" (چند دفعہ ہی حضور ﷺ کے لئے انہوں نے کتابت کی)۔

اس سلسلہ میں ایک اہم شہادت امام ذہبی اور حافظ ابن حجر سے بہت پہلے اولین عباسی عہد کے ایک مشہور کاتب یعنی سرکاری دفاتر کے سکریٹری ابن عبدوس الجہشیاری کی "کتاب الوزراء و الکتاب" میں ہے، اس نادر اور اہم کتاب میں جہشیاری نے حضور ﷺ کے عہد مبارک کے کاتبوں کا ذکر سب سے پہلے کیا ہے اور ان کے اختصاصات بھی تحریر کئے ہیں ۔گو یا یہ رسول اللہ ﷺ کے مستقل منشیوں یا آفس اسٹاف کا ذکر ہے۔اس میں کاتبان وحی میں حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ "زید بن ثابت کتابت وحی کے ساتھ بادشاہوں اور حکمرانوں کو بھی حضورؐ کی طرف سے خطوط لکھتے تھے۔ جب کہ حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص اور حضرت معاویہؓ حضور ﷺ کی ضروریات (حوائج) لکھا کرتے تھے۔(۳)

۱۔ زاد المعاد، ج ۱ص، ۱۱ طبقہ ثانیہ، محققہ، بیروت ۱۹۵۸ء یعنی "اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ابوسفیان اور معاویہ فتح مکہ کے موقعہ پر سن ۸ھ میں اسلام لائے۔"

۲۔ سیر اعلام النبلاء الذھبی ، ج ۳ص ۱۲۱۔

۳۔ کتاب الوزراء والکتاب ،ص ۲۱، تحقیق مصطفیٰ السقاء وصاحبیہ، القاھرۃ ۱۹۳۸ء

پھر ایک بدیہی بات یہ ہے کہ قرآن کریم بعثت نبوی سے لے کر حضورﷺ کی
یا حجۃ الوداع تک لکھا جاتا رہا یعنی ۲۳ سال تک۔ اب ان لوگوں سے جو امیر معاویہؓ کی
ت وحی کا زور وشور سے اعلان کرتے ہیں (حالانکہ روایتہً یہ غیر ثابت ہے) پوچھا جاسکتا
ہ وہ تو موثوق روایات بلکہ بخاری میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت کے مطابق
یعنی سن ۸ ھ میں ابتدائے نزولِ وحی کے اکیس سال بعد اسلام لائے، تو پھر اس
، زمانے یعنی اکیس سال تک کون کتابتِ وحی کرتا رہا؟ یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم
ر نہ ہی روایتہً ثابت ہے کہ حضورﷺ نے حضرت معاویہؓ کے اسلام لانے کے بعد
ن دوسرے صحابہ کرام کو جو عرصۂ دراز سے کتابتِ وحی کر رہے تھے، ہٹا کر حضرت معاویہؓ
م کام پر لگا دیا۔
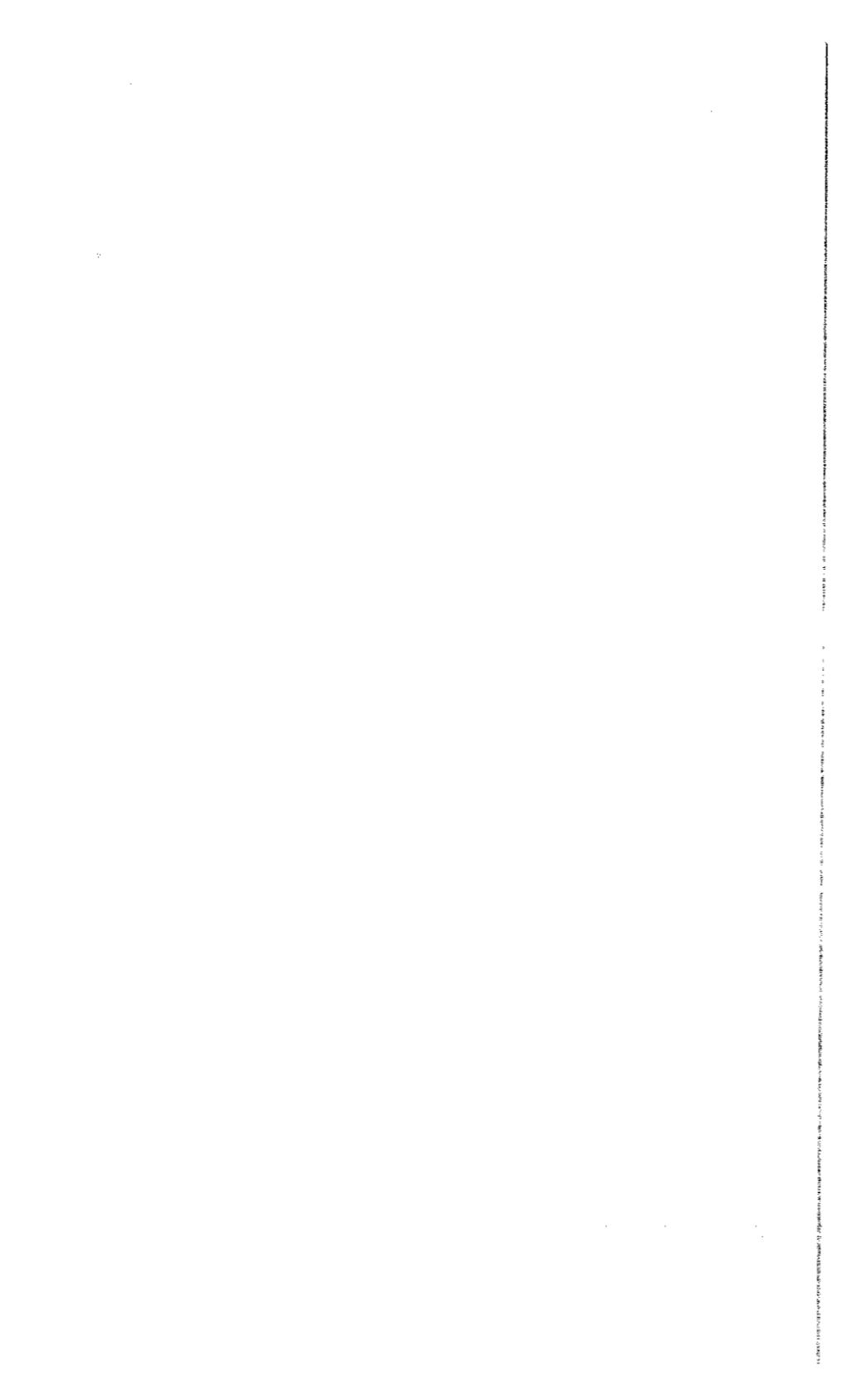
بہر حال امیر معاویہؓ سے کتابتِ وحی کی نسبت درست نہیں، قدمائے مصنفین کی
ت درست ہے کہ مہاجرین میں سے یہ کام حضرت علیؓ و حضرت عثمانؓ اور انصار میں
یؓ بن کعب اور زیدؓ بن ثابت کرتے تھے۔[ا]

آخر میں یزید کی مناسبت سے جس کی بلیغ الدین صاحب نے اپنے ممدوح اور
استاد محمود عباسی کی طرح تعریف فرمائی ہے اور جس پر میں اپنے مضامین میں جو
ی نوعیت کے ایک ہفتہ وار رسالے تکبیر میں شائع ہو رہے تھے اور جس کے صفحات اس
کے مباحث کے لئے بہت ہی محدود تھے، تفصیلی کلام نہیں کرسکا تھا۔ ایک اہم بات یہ
کہ یزید نے قتل حسینؓ اور ان کی اولاد و اقارب کے قتل کا جو ارتکاب کیا تھا اسکا دفاع اس
ح کیا گیا ہے کہ ابو بکر بن العربی کے الفاظ میں وہ "اپنے ناناﷺ کی تلوار سے قتل کیے
ئے" یعنی وہ حدیث نبوی جس میں کہا گیا ہے کہ "جب مسلمان کسی شخص کی حکمرانی پر متفق
ہو جائیں تو جو کوئی بھی اس امر کی مخالفت کرے اور بیعت نہ کرے اس کو قتل کر دیا جائے"
او کما قال علیہ الصلاۃ والسلام اب ان حضرات سے یہ سوال ہے کہ مشہور و معروف

ا۔ کتاب الوزراء والکتاب، ص ۲۱، تحقیق مصطفیٰ السقاء وصاحبیہ، القاہرۃ ۱۹۳۸ء۔

بدری صحابی سعد بن عبادۃ انصاری نے جو خود خلافت کے امیدوار تھے نہ تو حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کی بیعت کی اور نہ حضرت عمرؓ کی اور وہ مدینہ میں مقیم رہے۔ ان کو ان دونوں انتہائی جلیل القدر اور افضل الصحابہ و خلفائے راشدین نے بیعت کے لئے مجبور نہیں کیا، بلکہ وہ خود ہی حضرت عمرؓ کی خلافت کے چند سال بعد شام کے علاقہ حوران میں چلے گئے تھے اور وہیں سن ۱۶ ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے "رسول ﷺ کی تلوار" سے کیوں قتل نہیں کیا؟ ان کا جرم بھی۔۔۔ اگر اس کو جرم کہا جا سکے۔۔۔ تو وہی تھا جو حضرت حسینؓ کا تھا۔ یزید کا حکم مدینہ کے گورنر کو یہی آیا تھا کہ حسینؓ سے بیعت لی جائے ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے۔

جس طرح اہل سنت والجماعت کیلئے شیعی افکار و معتقدات نا قابل قبول رہے ہیں اسی طرح ناصبی افکار کو بھی جمہور اہلِ سنت نے کبھی قبول نہیں کیا ہے، بلکہ ان کے افکار سے وہ ہمیشہ براءت کا اظہار کرتے رہے اور انکی تردید کرتے رہے ہیں، کیونکہ یہ افکار شیعی افکار سے کم زہر ناک نہیں اور یہ خوارج ہی کی "باقیات سیئات" میں سے ہیں۔ ان میں اہل بیت سے بغض و عداوت کا زہر بھرا ہوا ہے جن سے عامۂ مسلمین ہمیشہ سے محبت کرتے رہے ہیں اور جن سے محبت کی حضور ﷺ نے تلقین فرمائی ہے، سیدنا علیؓ کرم اللہ وجہہ، سیدہ فاطمہؓ اور سیدنا حسنؓ و سیدنا حسینؓ کے فضائل بکثرت صحاح ستہ میں درج ہیں بلیغ الدین صاحب کی ناصبیت پاکستان کے دیگر ناصبیوں کی طرح کھل کر ان مضامین میں سامنے آ گئی ہے، اس کا ردّ بحمد اللہ دلائل و براہین سے کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندۂ ناچیز کی اس کاوش کو قبول فرمائے، **اللھم ارزقنا حب نبیک وحبّ من کان یحبھم و حب عمل یقرّبنا الیک**

(۱) خانوادۂ نبوی کا ایک غلط طغراء (چارٹ) اور اس کی تصحیح

چند سال قبل (۲۸ر ستمبر ۱۹۸۹ء) کراچی کے ہفتہ وار مجلّہ ''تکبیر'' میں خانوادۂ نبوت سے متعلق ایک طغراء (چارٹ) شائع ہوا۔ اس کو ایک اشتہار کی حیثیت سے چھاپا گیا، عطیہ اشتہار ایک نومسلم آغا خانی کی طرف سے تھا۔ (فوٹو کاپی، صفحۂ اول)

افسوس کہ اس چارٹ میں تاریخی اغلاط کی بھرمار ہے، اس میں پیش کردہ بعض تفصیلات ان محدثین اور قدیم و جدید سیرت نگاروں کی تحقیقات و بیانات کے بالکل برخلاف ہیں جن پر جمہور مسلمین کا اعتقاد ہے۔ ایک دینی فریضہ سمجھتے ہوئے ان اغلاط کی نشاندہی اور ان کی تصحیح ضروری سمجھی گئی کیونکہ اس چارٹ سے عام مسلمانوں کے افکار میں تشویش اور بے یقینی اور بے چینی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

۱۔ ''اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان کے تحت صرف ازواج مطہرات کا ذکر کیا گیا ہے اور اس میں سے آپ کی اولاد و اسباط (نواسے) کو نکال دیا گیا ہے۔ یہ خلاف حقیقت بات ہے۔

صحیح بخاری میں ''اہل بیت'' میں جن شخصیات کا ذکر ہے ان میں سیدہ فاطمہؓ سرفہرست ہیں۔ اس اشتہار یا چارٹ میں ان کو اس سے خارج کردیا گیا ہے۔ بخاری کے باب مناقب قرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم اور ''منقبت فاطمة عليها السلام'' میں متعدد احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت میں سیدہ فاطمہؓ اور ان کی اولاد بھی شامل ہیں۔ اس ذیل میں ایک حدیث حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے۔

''ارقبوا محمدًا صلى الله عليه وسلم فى اهل بيته

(محمد ﷺ کا ان کے اہل بیت سے تعلق میں خیال رکھو)

ایک دوسری حدیث خود سیدہ فاطمہؓ سے مروی ہے جس کا ترجمہ ہے۔

''نبی ﷺ نے مجھ سے بہت آہستہ سے ایک بات کہی اور بتایا کہ آپ

کے مرض الموت میں آپ کو دنیا سے اٹھا لیا جائے گا۔ اس لئے میں
رونے لگی۔ پھر آپ ﷺ نے ایک اور بات انتہائی آہستگی سے یعنی
کان میں کہی اور بتایا کہ میں ان کے اہل بیت میں پہلی فرد ہوں گی جو
آپ کے بعد دنیا سے رخصت ہونگی اس لئے میں ہنسی۔
(ملاحظہ ہو فتح الباری شرح صحیح بخاری طبع دارالفکر، ج ۷، ص ۷۸)

ان دونوں احادیث میں سیدہ فاطمہؓ کو آپ کے اہل بیت میں شمار کیا گیا ہے۔
صحیح مسلم میں یہ آخری حدیث سیدہ عائشہؓ سے کافی تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔
(باب فضائل فاطمة علیه السلام) اس کے فوراً بعد ایک دوسرا باب "**فضائل اهل بیت النبی صلی الله علیه وسلم**" ہے اس میں سیدہ عائشہؓ سے مروی حدیث میں "اہل بیت" کی مزید تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"ایک صبح رسول ﷺ اپنے کمرہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ
اون کی کالی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد حسنؓ بن علیؓ
آئے۔ آپ نے ان کو اس کے اندر داخل کر لیا۔ پھر حسینؓ آئے اور
وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گئے۔ پھر فاطمہؓ آئیں، ان کو بھی اس
کے اندر داخل کر لیا۔ پھر علیؓ آئے ان کو بھی اس کے اندر داخل کر لیا۔
پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ انما یرید الله لیذهب
عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیراً (بے شک اللہ
چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے ساری آلائشیں دور کردے اور تم کو
بالکل ہی پاک وصاف ومبرا کردے۔)

اس کو "حدیث الکساء" کہتے ہیں جس کو مزید تحقیق (حوالوں) کی ضرورت ہے۔
اس کو چاہئے کہ سورہ احزاب کی آیت ۳۳ کے اس آخری ٹکڑے کی تفسیر مشہور اور مستند وموثوق تفسیر ابن کثیر میں دیکھے (ج ۳، ص ۴۸۳ - ۴۸۶، طبع **دار المعرفة بیروت**) جہاں ان

مشہور محدث ومفسر نے کافی احادیث اس آیت کی تفسیر میں جمع کردی ہیں، یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اس آیت کے مفہوم میں جو ازواج مطہرات کے سلسلہ میں اُتری تھی، اس میں حضور ﷺ کے یہ اقارب بھی شامل ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے خود یہ تفسیر فرمائی ہے۔ بلکہ اسی معنٰی کی اس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے۔ جس کو **حدیث العترة یا حدیث غدیر خم** کہتے ہیں اور جو زید بن ارقمؓ سے صحیح مسلم میں اور جابر بن عبداللہؓ سے ترمذی میں روایت ہے اور جس میں آپ نے فرمایا تھا۔ "**وعترتی اهل بیتی**" اور سنن نسائی میں ایک سائل کے جواب میں وارد ہے وہ آلِ علی، آلِ عقیل، آلِ عباس اور آلِ جعفر ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر، صفحات سابقہ)

اس "**حدیث العترة**" پر دمشق کے مشہور محدث ومحقق شیخ محمد ناصر الدین الالبانی نے جو زندگی بھر حدیث نبوی کی خدمت کرتے رہے اپنی کتاب **الاحادیث الصحیحة** (ج ۴، ص ۳۵۵۔ ۳۶۱) میں بحث کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی بڑی معقول اور حقیقت پسندانہ بات لکھی ہے کہ "شیعہ سخت غلطی اور زیادتی کرتے ہیں کہ اہل بیت النبی ﷺ سے مراد صرف آپ کی اولاد واہل قرابت لیتے ہیں، اس میں ازواج مطہرات تو بدرجہ اولٰی شامل ہیں کیونکہ ان کے سلسلہ میں ہی یہ آیت نازل ہوئی تھی" اور یہی میرے خیال میں ہر مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہئے۔

۲۔ اس اشتہار یا طغرے کو لکھنے والے صاحب نے سیدہ ماریہؓ کو ازواج مطہرات میں داخل کیا ہے جو غلط ہے۔ تمام کتب سیرت مثل سیرت ابن ہشام، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد وغیرہ میں ہے کہ وہ آپ ﷺ کی کنیز تھیں اور حاکم مصر مقوقس کی طرف سے ہدیہ میں آئی تھیں۔

۳۔ ان صاحبِ اشتہار نے "اہل بیت النبی ﷺ اور آل النبی ﷺ" میں فرق کیا ہے اور آل النبی ﷺ میں آپ ﷺ کے صرف نواسوں اور نواسیوں کو شامل کیا ہے۔

اہل بیت الرسول ﷺ اور آل الرسول ﷺ کا یہ فرق بڑا عجیب اور قرآن وحدیث

کے مفہوم بلکہ عربی زبان کے مدلولات سے بھی دور ہے۔ اگر یہ طغراء تیار کرنے والے صاحب المفردات فی غریب القرآن تالیف راغب الاصفهانی اور ابن منظور کی لسان العرب (جلد ۱۱) کو دیکھتے کہ "آل" "اہل" کی تبدیل شدہ شکل ہے اور قرآن کریم میں آل کا استعمال ایک وسیع تر مفہوم میں ہوا ہے اس کے لئے آل ابراہیم، آل عمران اور آل فرعون کے معنیٰ کو دیکھنا چاہئے جہاں یہ امت اور متبعین کے معانی میں استعمال ہوا ہے، تو شاید وہ یہ تفریق کرنے کی غلطی نہیں کرتے۔

ان صاحب نے اس استعمال کو مخصوص کر کے جو نماز کے درود شریف میں "آل محمد ﷺ کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کو بہت محدود کر دیا ہے۔ اس سے مراد امت محمد ﷺ کے وہ سب افراد ہیں جو آپ کی شریعت پر قائم ہیں جیسا کہ جعفر صادق بن محمد الباقر نے اس کی تشریح فرمائی ہے۔ اور اس سے بڑی حماقت یہ ہے کہ "آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان کے تحت انہوں نے حضور ﷺ کے صرف نواسوں اور نواسیوں کا ذکر کر کے ازواج مطہرات اور اولاد الرسول ﷺ کو نماز میں پڑھے جانے والے درودِ ابراہیمی سے خارج کر دیا ہے۔

۴۔ افسوس کہ اس میں ہاشمی اور اموی لکھ کر خاندانی عصبیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔

۵۔ اُم المومنین سودۃ بنت زمعۃؓ کا نام غلط طور پر سودۃ بنت زمۃ" لکھا گیا ہے۔

۶۔ رسول ﷺ کے نواسوں اور نواسیوں کے بارے میں جو معلومات لکھی گئی ہیں وہ غلط اور ناقص ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن سے جو ایک اولاد ہوئی تھی یعنی عبداللہ وہ جیسا کہ ابن حزم نے جمهرة انساب العرب میں لکھا ہے، بچپن کی چھ سال کی عمر میں وفات پا گئے تھے۔

۷۔ آل رسول ﷺ میں پہلے نمبر پر جن نواسے یعنی حضرت علیؓ بن حضرت ابی العاص (یہی صحیح نام جمهرة انساب العرب لابن حزم میں لکھا ہے) ابن الربیع بن عبدالعزی بن عبد شمس کا ذکر کیا گیا ہے جو حضرت زینبؓ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے وہ ابتدائے

جوانی (مراھقہ) میں انتقال فرما گئے تھے۔

حضرت ابو العاصؓ بن الربیع اور حضرت زینبؓ کے بطن سے جو صاحبزادی اُمامہ تھیں ان کی شادی سیدہ فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ سے اور ان کے انتقال کے بعد دوسری شادی حضرت عبدالمطلب کے پرپوتے المغیرہ بن نوفل بن الحارث سے ہوئی۔

۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان داماد کو، جو پہلے کافر تھے اور پھر اسلام لے آئے تھے، یہ شجرہ یا طغراء تیار کرنے والے صاحب نے اموی لکھا ہے جو سراسر غلط ہے۔ یہ اُمیہ بن عبد شمس کے بھائی عبدالعُزّیٰ بن عبد شمس کی اولاد میں سے تھے جیسا کہ کتب الانساب میں مذکور ہے۔

۹۔ رسول اللہ ﷺ کے نواسوں میں، جو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے بطن سے تھے۔ تیسرے نواسے محسن کا نام نہیں لکھا ہے، جو بچپن میں وفات پا گئے تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مورخین انساب نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذریت صرف سیدہ فاطمہؓ کے بطن سے پھیلی، دوسری صاحبزادیوں کے بطن سے نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ کتب حدیث صحیح البخاری وصحیح مسلم وغیرہ میں سیدہ فاطمہؓ کے مناقب میں بہت سی احادیث آئی ہیں، جن میں سے ایک صحیح اور مشہور حدیث فاطمہؓ سیدۃ النساء اھل الجنۃ ہے جو ہر جمعہ کو خطبہ میں مسلمان سنتے ہیں۔

۱۰۔ اولاد رسول اللہ ﷺ کے ضمن میں چار صاحبزادگان گنائے گئے ہیں حالانکہ صحیح تعداد صرف تین ہے۔ القاسم جو سیدہ خدیجہ کے بطن سے اسلام سے قبل پیدا ہوئے، دوسرے عبداللہ جو آپ ہی کے بطن سے بعثت نبویؐ کے بعد پیدا ہوئے، ثقہ مؤرخین جیسے ابن سعد مؤلف الطبقات الکبریٰ اور ابن القیم مصنف زاد المعاد فی ہدی خیر العباد نے ان ہی عبداللہ کے دو لقب الطاہر الطیب بتائے ہیں۔ تیسرے ابراہیم سیدہ ماریہؓ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

۱۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرپرستوں میں اس طغرے کے مصنف نے حضرت

عبدالمطلب اور ان کے صاحبزادے' زبیر بن عبدالمطلب کا نام لکھا ہے جو حضرت ابو طالب کے بجائے ہے یہ سراسر غلط ہے۔ حضرت ابو طالب کی حضور ﷺ کی سرپرستی کا ذکر صحیح بخاری اور دوسری کتب احادیث اور تمام قدیم عربی کتب سیرت جیسے سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد، سیرت ابن سید الناسؒ' زادالمعاداور اردو کی سیرت النبی (شبلی نعمانی) اور رحمۃ للعالمین (قاضی سلیمان منصور پوری) وغیرہ میں ہے، جبکہ زبیر بن عبدالمطلب کا کہیں ذکر نہیں۔

پاکستان میں ناصبیوں کا ایک نیا گروہ ایسا پیدا ہوا ہے جو اہل بیت اور خاص طور پر سیدنا علیؓ کے بغض میں حضرت ابوطالب کو حضور ﷺ کی سرپرستی کے شرف سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو چاہئے کہ وہ صحیح البخاری میں باب قصۃ ابی طالب پڑھیں جس میں حضرت عباس بن عبدالمطلب سے یہ روایت مذکور ہے۔

قلت للنبیّ صلی اللہ علیہ وسلم ماغنیت عن عمک فانہ کان یحوطک ویغضب لک' قال ھو فی ضحضاح من النار' ولولا انا لکان فی الدرک الاسفل فی النار (حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ انھوں نے نبی ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ اپنے چچا کے کام نہ آئے' اگرچہ وہ آپ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ ﷺ کے لئے دوسروں پر غصہ کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ آگ کے اوپری حصہ میں ہیں جو صرف ٹخنوں تک آتی ہے، اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتے)۔

۱۲۔ اور پھر افسوناک بات یہ ہے کہ انھوں نے حدیث وسیرت کی موثوق کتابوں کو چھوڑ کر بلاذری پر اعتماد کیا ہے، جو ایک عام مورخ ہے۔ اور تیسری صدی ہجری کے نصف ثانی میں عباسی دربار سے منسلک تھا اس کی کتاب انساب الاشراف کی پہلی جلد سیرت النبی ﷺ پر ہے اور اس سے بھی افسوناک تر بات یہ ہے کہ اس طغرے کے مصنف نے اس کی بات کو بالکل الٹا کر کے پیش کیا ہے اور اس کا حوالہ غلط دیا ہے۔ اس نے

تو یہ بیان کرنے کے بعد کہ حضورﷺ کی کفالت کے لئے زبیر بن عبدالمطلب وابو طالب کے درمیان قرعہ ڈالا گیا جو ابو طالب کے نام نکلا جس کے بعد انہوں نے حضور ﷺ کو لے لیا، دو اور روایتیں بھی نقل کی ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہﷺ نے خود زبیر پر ابو طالب کو ترجیح دی۔ دوسری یہ کہ عبدالمطلب نے وصیت کی کہ ابوطالب ان کی کفالت کریں یہی روایت اکثر قدیم سیرت نگاروں نے بیان کی ہے، اس کے بعد بلاذری کہتا ہے۔

وروی بعضهم ان الزبير كفل النبیّ صلی الله عليه وسلم حتی مات ثم كفله ابو طالب و ذالک غلط، لان الزبير شهد الفضول ولرسول الله عليه وسلم نيف و عشرون سنة 'لا اختلاف بين العلماء في ان شخوص رسول صلی الله عليه وسلم الی الشام مع ابی طالب كان بعد موت عبدالمطلب باقل من خمس سنين

ترجمہ:۔ بعض لوگوں نے یہ روایت کی ہے کہ زبیر نے نبیﷺ کی کفالت کی یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا، پھر ابو طالب نے آپﷺ کی کفالت کی، لیکن یہ غلط ہے، اس لئے کہ زبیر نے حلف الفضول میں شرکت کی اور اس وقت رسول اللہﷺ کی عمر بیس سال سے کچھ اوپر تھی، علماء کے مابین اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ رسول اللہﷺ کا شام کا سفر، ابو طالب کے ساتھ اس وقت پیش آیا جب کہ عبدالمطلب کی موت کو پانچ سال سے کم گزرے تھے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کی عمر اس وقت بارہ سال تھی۔ کیسی علمی بد دیانتی ہے کہ بلاذری جس بات کو غلط کہہ رہا ہے وہی اس سے منسوب کردی جائے۔ (اس موضوع پر تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ میرا مضمون رسول اللہﷺ کی

کفالت و نصرت آپ کے چچا ابو طالب نے کی یا ایک دوسرے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے۔ (کتاب تحقیقات و تاثرات، تصنیف راقم السطور، ۲۰۰۰ء)۔

۱۳۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا کے عنوان کے تحت آپ کے صرف چار چچا بتائے گئے ہیں، دو مسلم اور دو غیر مسلم۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کے گیارہ چچا تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ سمیت عبدالمطلب کے بارہ لڑکے تھے، جیسا کہ معتبر کتب **طبقات ابن سعد**، **بلاذری کی انساب الاشراف** اور **ابن القیم کی زادالمعاد** میں بتائے گئے ہیں آپ کے سب سے بڑے چچا الحارث تھے۔ جن کی اولاد و اعزا میں کثرت سے اسلام پھیلا، دیگر تمام چچاؤں کے نام مذکورہ کتب میں دیکھے جا سکتے ہیں طوالت کے خوف سے یہاں نہیں لکھے جا رہے ہیں۔

۱۴۔ ''صحابہ کرامؓ جو خلفاء بنے'' کے عنوان کے تحت چاروں خلفائے راشدین کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا نام بھی دیا گیا ہے اور ان سے قبل سیدنا حسنؓ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔

یہاں ایک بڑی غلطی یہ کی گئی ہے کہ خلفائے راشدین اور دوسرے خلفاء میں کوئی تمیز نہیں کی گئی ہے اور حضرت معاویہؓ کو جن کے نام کے ساتھ ''امیر'' بھی لکھا گیا ہے ان کو خلفائے راشدین کے ساتھ ملا دیا گیا ہے حالانکہ امت اسلامیہ میں کسی نے ایسا نہیں کیا۔ اس موقع پر ایک صحیح حدیث کا ذکر بہت ضروری ہے جو یہ ہے۔
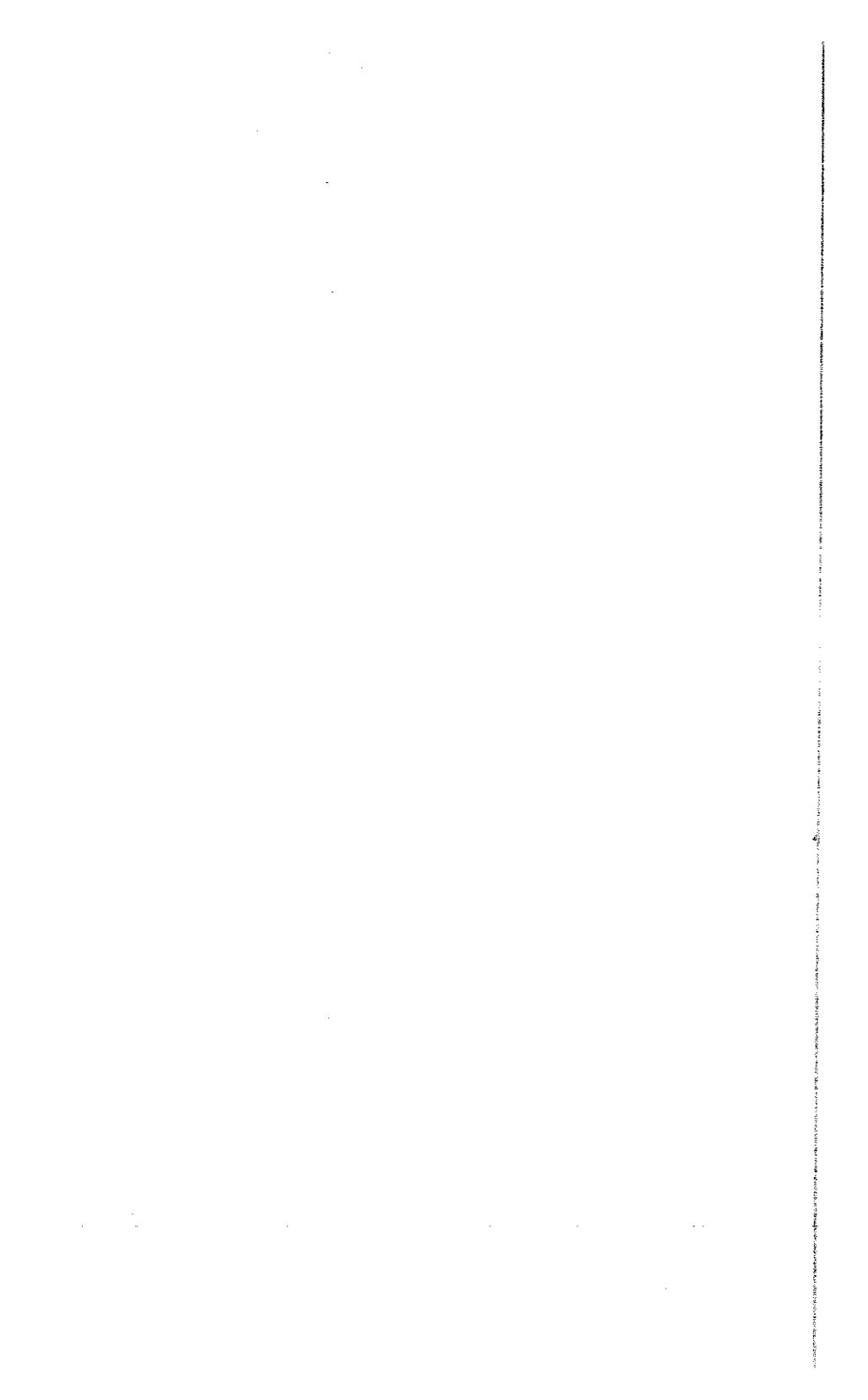
الخلافة ثلاثون سنة ثم یکون بعد ملکا (خلافت تیس برس رہے گی اس کے بعد ملک ہوگا) یہ حدیث معتبر کتب احادیث جیسے سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، مسند احمد الامام احمد بن حنبل وغیرہ میں آئی ہے۔ اس حدیث کو امام ابن تیمیہ نے بھی صحیح کہا ہے اور اس پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ ''معاویہؓ اول الملوک'' (معاویہ پہلے بادشاہ تھے۔ (ملاحظہ ہو، **الاحادیث الصحیحة** تالیف الشیخ محمد ناصر الالبانی ص ۷۴۴ المکتب الاسلامی دمشق) خلفاء راشدین اور خلافت سیدنا حسنؓ کا حساب لگایا جائے تو پورے تیس سال

ہو جاتے ہیں۔ مزید برآں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ جو اہل تشیع کے سب سے بڑے نقاد ہیں وہ اپنے فتاویٰ (ج ۴، ص ۴۷۸) میں بھی یہی تحریر فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

واتفق العلماء علی" ان معاویة افضل ملوک هذه الامة، فان الاربعة قبله کانوا خلفاء نبوة وهو اول الملوک ،کان ملکه ملکا ورحمة کما جاء فی الحدیث، (علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معاویہؓ اس امت کے سب سے بہتر بادشاہ ہیں۔ کیونکہ ان سے قبل جو چار تھے وہ خلفاء نبوت تھے اور وہ سب سے پہلے بادشاہ اسلام ہوئے ہیں۔ ان کی بادشاہی ملوکیت اور رحمت تھی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ امیر معاویہؓ آنحضرت ﷺ کی وفات سے صرف دو سال قبل فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے اور طلقاء (آزاد کردہ) میں سے تھے۔

آخر میں عرض ہے کہ اس طغرے کے تصنیف کرنے والے کی کم عقلی اور عدم بصیرت کا اندازہ اس تقسیم سے ہوتا ہے جو اس نے اہل بیت الرسول، اولاد الرسول اور آل الرسول ﷺ کے عناوین سے کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نماز میں پانچ وقت متعدد بار جو درود شریف پڑھتے ہیں ان میں آل محمد ﷺ کے ضمن میں آپ کی اولاد و ازواج شامل نہیں صرف نواسے اور نواسیاں شامل ہیں۔ اس سے زیادہ حماقت کیا ہوسکتی ہے۔ آخر میں طغراء نویس نے یہ درخواست کی ہے کہ اس کی کاپیاں کروا کر مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ تقسیم کریں۔

لیکن اس طغرے میں جو اغلاط اور اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے خلاف سیرت نبوی ﷺ سے متعلق باتیں ہیں جن کی نشاندہی کردی گئی ہے اس کے بعد طغرے کو تقسیم کرنا ایک انتہائی مذموم اور فتنہ انگیز بات ہوگی۔ امید ہے کہ مسلمان اس سے اجتناب کریں گے۔

(۲) اہل بیت کی من مانی موہوم تفسیر اور دیگر تاریخی مغالطات
(ناصبی فکر کی جلوہ گری)

میرے کچھ احباب نے تکبیر (کراچی) مورخہ ۹ رنومبر ۱۹۸۹ء کے ایک مضمون کی جانب میری توجہ مبذول کرائی ہے جس کا عنوان ہے۔

''خاندان نبوی سے متعلق ایک طغرے میں تاریخی اغلاط''

پورا مضمون پڑھ کر مجھے یہ احساس ہوا کہ کہ اس میں تاریخی اغلاط تو کوئی خاص نہیں ہیں لیکن نقاط نظر کا زبردست فرق ہے۔ رضوان علی صاحب اپنے مضمون کے آئینے میں ایک خاص مکتب فکر کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس چارٹ اور چارٹ کے بنانے والے کے لئے نامناسب الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان کی تحریر میں حجت اور شدت بہت ہے وہ اپنے قاری کو دھمکا کر اپنی بات منوانا چاہتے ہیں۔

ریکارڈ درست رکھنے کے لئے بعض باتوں کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ میں نہ مضمون نگار کو جانتا ہوں نہ چارٹ بنانے والے نومسلم آغا خانی صاحب کو جانتا ہوں۔

۱۔ عنوان میں طغرے کا لفظ غلط استعمال ہوا ہے۔ طغراء خط پیچیدہ میں ہوتا ہے۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامے کا چارٹ یا شجرے کا ایک حصہ ہے، جو حضرت عبداللہ سے شروع ہوکر خلفائے راشدین پر ختم ہوتا ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ کہ چارٹ مرتب کرنے والے کی نظر میں یہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کا تختہ (چارٹ) ہے۔ یہ نستعلیق خط میں لکھا ہوا ہے اس میں طغرے والی کوئی بات نہیں۔ لفظ طغراء شجرے یا نسب نامے کے چارٹ کیلئے استعمال نہیں ہوتا۔

۲۔ رضوان علی صاحب کو سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس چارٹ میں اہل بیت کے دائرے سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور اسباط کو نکال دیا گیا ہے۔ چارٹ ۸ رستمبر ۱۹۸۹ء تکبیر (کراچی) میں چھپا ہے۔ درمیان میں چار شمارے نکل چکے ہیں۔ ناظرین کو کیا معلوم کہ چارٹ میں کیا بات تھی، کیا نہیں تھی۔ یہ اعتراض غلط اور

قطعی غلط ہے۔ چارٹ سامنے رکھیئے تو معلوم ہوگا کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عنوان دے کر اسے مختلف ذیلی سرخیوں میں بانٹ دیا گیا ہے جو یہ ہیں ازواج مطہرات، اولاد و اسباط رسول اکرم (دو سرخیوں میں) سرپرستان نبی اکرم دو ذیلی سرخیوں میں تقسیم ہے (دادا کا اسم گرامی الگ اور چچا صاحبان کے اسمائے گرامی الگ ہیں) اور آخری ذیلی سرخی ہے صحابہ کرامؓ جو خلیفہ بنے۔ ان سرخیوں کے تحت جتنے نام لکھے گئے ہیں۔ چارٹ کے مرتب انہیں اہل بیت ہی قرار دیتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی کا حوالہ رضوان علی صاحب کے مضمون میں موجود ہے۔ امام صاحب صرف نبی ہاشم ہی کو نہیں صحابہ کرامؓ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو بھی آپ کی نسبت کی وجہ سے ان کے اہل بیت میں شامل کرتے ہیں۔

عنوان اور ذیلی سرخیوں کی تقسیم کو سمجھنے میں رضوان علی صاحب سے غلطی ہوئی ہے۔ اس لئے ان کے اعتراضات کی بنیاد ہی باطل ہو جاتی ہے سورۂ ہود اور سورۂ احزاب میں اہل بیت کی اصطلاح نبی کی بیویوں کے لئے ہے۔ سورۃ قصص میں ماں کے لئے بیٹیوں کے لئے کہیں نہیں۔

۳۔ ان کے غصے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اہل بیت میں سرفہرست سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی کیوں نہیں؟ ان کے اسمائے گرامی سے پہلے آنا چاہئے۔ وہ اسے اہل سنت کا نقطہ نظر بتانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے سورۂ احزاب کی آیت نمبر (۵۹) میں اس کا فیصلہ خود فرما دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے یَاأَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِکَ وَبَنَاتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ ''اے نبی اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحب زادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے بھی کہہ دیجیے کہ

یہ فقہی حکم کی آیت ہے اور قیامت تک مسلمان عورتوں کی درجہ بندی کو ظاہر کرتی ہے۔

چارٹ پر سب سے پہلے یہ آیت مبارکہ لکھی ہوئی ہے جو چارٹ بنانے والے کی

فکر کو ظاہر کرتی ہے۔ اس نے اسی ترتیب پر عمل کیا ہے۔ حیرت ہے کہ اعتراض کرنے سے پہلے رضوان علی صاحب نے چشم بصیرت سے اس آیت کو دیکھا کیوں نہیں؟ اہل سنت کا نقطۂ نظر قرآنِ حکیم کی اسی درجہ بندی پر قائم ہے جس پر تمام صحابہ کرامؓ و تابعین کا اجماع ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سرفہرست نام لکھنے کے لئے رضوان علی صاحب کا استدلال یہ ہے کہ صحیح بخاری میں اہل بیت کی روایت میں نبی زادی محترمہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے اور رضوان علی صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ بخاری کے باب مناقب (رشتہ داران نبی اکرم اور حضرت فاطمہؓ کی منقبت کی روایات) میں متعدد احادیث ہیں۔

صحیح بخاری میں رشتہ داروں کے مناقب میں کل تین حدیثیں ہیں۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹ اور حدیث نمبر ۹۱۰ اور فضیلت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں کل دو حدیثیں ہیں جن کا نمبر شمار ہے ۹۵۳ اور ۹۵۴ یہی "متعدد" حدیثیں ہیں۔ ان میں اہل بیت کی کوئی فہرست نہیں ان میں سوائے حضرت فاطمہؓ کے جن کا نام ایک خاص واقعے کی وجہ سے یہاں آیا ہے کسی اور اہل بیت کا نام نہیں دیا گیا ہے۔ اس لئے سرفہرست والی بات غلط ہے۔

حدیث نمبر ۹۰۸ میں حضرت فاطمہ کے ترکہ مانگنے کا ذکر ہے۔ اس میں یہ مطلب بھی آیا ہے کہ اہل بیت کا پاس رکھنا چاہئے اور صدیق اکبر کا یہ جواب بھی کہ وہ متولی ہیں، تقسیم اسی طرح کریں گے کہ جس طرح حضور اکرمؐ کیا کرتے تھے کیونکہ نبی کی وارث امت ہوتی ہے اہل سنت اور سبائی نقطہ نظر میں یہ بنیادی اختلاف ہے اور یہ بات آج کی نہیں۔ احادیث ۹۰۹ اور ۹۱۰، ۹۵۴ حضرت فاطمہؓ کی وفات کی پیش گوئیاں ہیں کہ سب سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی ملیں گی۔ ایسی ہی ایک روایت صحیح مسلم کے باب مناقب میں حضرت زینب بنت جحش کے بارے میں بھی ہے۔ ان سب روایتوں میں سر فہرست والی کوئی بات نہیں اور بیٹیوں میں اس وقت صرف آپ ہی اکیلی زندہ تھیں۔ باقی بیٹیاں پہلے ہی سے جنت میں اپنے والد محترم کے استقبال کو موجود تھیں۔ حدیث نمبر ۹۰۳ میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ آپ کا ٹکڑا ہیں۔ ترجیح یہاں بھی کوئی نہیں۔ یہ امام بخاری کے

بارے میں صریح غلط بیانی ہے کہ انہوں نے اہل بیت کی فہرست مرتب کی اور حضرت فاطمہؓ کو سرفہرست رکھا ہے البتہ حضرت عائشہ کی فضیلت میں جو احادیث ساتھ ہی مرقوم ہیں۔ ان میں حضرت عائشہ کی تمام عورتوں پر فضیلت کے واضح الفاظ موجود ہیں۔ ارشادِ نبوی کا مطلب ہے کہ جس طرح کھانوں میں ثرید کو فوقیت حاصل ہے اسی طرح حضرت عائشہؓ کو تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی باب میں تیمّم کی اجازت اور حضرت عائشہؓ کی چادر میں وحی اترنے کی فضیلت کا بیان بھی ہے۔ امام بخاری کے پاس فضیلت کی احادیث ترتیب سے نہیں آئی ہیں، لیکن امام مسلم نے ازواج مطہرات، بنات اور نساء المومنین کی ترتیب برقرار رکھی ہے۔ امام بخاری تو حضرت عائشہؓ کو اپنی تاریخ صغیر میں ازل سے ابد تک کی تمام عورتوں پر فضیلت دیتے ہیں۔

۴۔ سرفہرست نام لکھنے کے لئے سبائی نقطہ نظر کے مطابق رضوان علی صاحب مزید استدلال روایت ''کساء'' بہ معنی چادر سے کرتے ہیں، لطف یہ کہ خود اس کی مزید تحقیق ضروری سمجھتے ہیں۔ جب یہ معتبر ہی نہیں تو استدلال کیسا؟ چادر اڑھا کر تطہیر کی روایتوں کو اہل سنت والجماعت معتبر نہیں سمجھتے۔ ابن کثیر کی تفسیر کا جو حوالہ رضوان علی صاحب نے دیا ہے اس میں بھی یہ ٹکڑا ضرور ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ یا حضرت ام سلمہؓ کے حجرے میں جہاں یہ واقعہ ہوا یہ ارشاد فرمایا کہ تم خیر پر ہو۔ تم تو ہو ہی اہل بیت! حضرت سلمان فارسی اور حضرت وائلہ کے بارے میں بھی سوال کرنے اور اہل بیت میں شمار کئے جانے کی رویتیں ملتی ہیں۔ ان سب رویتوں میں اولیت ازواج مطہرات ثابت ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کا اجماع اس امر پر ہے کہ آیت تطہیر ازواج مطہرات ہی کے بارے میں اتری، یہ بات معلم کتاب و حکمت کے ارشاد کے مطابق ہے۔ اور قرآنِ حکیم نے خطاب ہی نبی کی بیبیوں سے کیا ہے۔ زید ابن ارقم کی روایت ہو یا کوئی اور ان روایات میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اس میں صرف ایک بیٹی اور ایک داماد اور ان کے دو صاحبزادے کیوں

شامل ہیں؟ آخر حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب بھی تو شامل تھیں۔ ان کی تطہیر کیوں نہیں کی گئی چادر والی ان روایتوں میں کچھ ایسے نام بھی ہیں جن کی پیدائش کے بارے میں یہ روایتیں ملتی ہیں کہ خیبر کی لڑائی کے بعد ہوئی۔ ۵ر ہجری میں جب یہ واقعہ گزرا وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ۵ر ہجری میں حضرت زینب اپنے بیٹے علی اور اپنی بیٹی امامہ کے ساتھ والد محترم ہی کے گھر میں رہتی تھیں۔ ام کلثوم زندہ تھیں۔ حضرت عثمان زندہ تھے حضرت رقیہ کی اولاد زندہ تھی۔ کیا یہ بات اللہ کے رسول کے انصاف کے خلاف نہیں معلوم ہوتی؟ اگر یہ روایت سبائیوں کی گھڑی ہوئی نہیں ہے تو اس تمیز کی وجہ کیا ہے؟ اس خصوصیت کی وجہ سے ذم کا ایک پہلو بھی نکلتا ہے جس کا ذکر اس لئے مناسب نہیں کہ ہم چادر کی روایت سے متعلق تمام شخصیتوں کو محبوب رکھتے ہیں اور ان کی عظمت اور جلالت کے قائل ہیں۔ یہاں بات صرف تاریخی حقائق اور موضوعات سے اجتناب کی ہے کیونکہ اللہ کے رسول سے کسی ایسی بات کی نسبت دینا جو آپ نے نہیں فرمائی جہنمی ہونے کی علامت ہے اس تعلق سے رضوان علی صاحب کی تمام بحث سبائی گروہ کے خیالات کی مظہر ہے اور چارٹ سے غیر متعلق ہے۔ موضوع روایات پر علم اسماء الرجال کی روشنی میں مزید گفتگو طوالت کے پیش نظر چھوڑی جاتی ہے۔

۵۔ حضرت ماریہ قبطیہ کے بارے میں رضوان صاحب جس تفصیل کو ضروری سمجھتے ہیں وہ کسی مضمون کے لئے تو درست ہے چارٹ میں یہ تمیز روا نہیں رکھی جاسکتی۔ اس طرح تو حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ پر بھی اعتراض ہوسکتا ہے۔ وہ بھی جنگ میں اسیر ہوئی تھیں۔ اگر وہ آزاد ہوئیں تو حضرت ماریہ بھی راستے میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھوں پر مسلمان ہوئی تھیں جس سے بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔

۶۔ حضرت سودہ بنت زمعہ کا نام چارٹ میں بھی غلط ہے اور رضوان علی صاحب نے بھی غلط لکھا۔ اعتراض برائے اعتراض تو یہی ہے ورنہ اصل میں کتابت کی غلطی ہے اس

سے نفس مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ غیر ضروری نکتہ چینی ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ کاتب پھر غلطی کر جائے۔ احتیاطاً میں نے نام کے حروف الگ الگ لکھ دیئے ہیں۔

۷۔ اپنے اعتراض نمبر ۱۰ میں رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ طاہر و طیب، عبداللہ کے لقب ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس بارے میں مورخین کے پاس خاصہ اختلاف ہے۔ چونکہ رضوان علی صاحب نے ابن حزم کی جوامع السیرۃ کا بعض جگہ حوالہ دیا ہے اس لئے وہ اسی سے رجوع کریں وہ دیکھیں گے کہ طیب و طاہر اس میں تیسرے صاحب زادے کا نام ہے۔

۸۔ نواسوں اور نواسیوں کے بارے میں چارٹ میں جو اسمائے گرامی لکھے ہیں وہ درست ہیں۔ حضرت محسن کا نام بھی ضرور شامل ہونا چاہئے تھا۔ رضوان علی صاحب کے اس اعتراض سے یہ بھی استدلال سامنے آتا ہے کہ اگر چھوٹی سے چھوٹی عمر میں بھی کسی بچے کا انتقال ہو جائے تو بہر حال نسب نامے میں اس کا نام آنا چاہئے۔ اسی بنا پر حضرت رقیہ کے صاحب زادوں کے نام بھی اس چارٹ میں آنے ضروری تھے بلالحاظ اس امر کے کہ ان کی عمریں کیا تھیں؟ حضرت محسن کے علاوہ حضرت رقیہ کے ایک صاحب زادے عبداللہ الاکبر کا بھی شاید چارٹ میں تذکرہ نہیں ہے چونکہ یہ دونوں زیادہ مشہور نہیں ہیں بلکہ رضوان علی صاحب چارٹ میں حضرت رقیہ کے صاحب زادوں کے نام نہیں دیکھنا چاہتے۔ اس بارے میں وہ مسعودی کی مروج الذہب دیکھ لیں۔ باب ۴۳ ذکر خلافت حضرت عثمان میں جہاں ان کے نسب کا تذکرہ درج ہے۔ یہ شروع اس طرح ہے۔

"عبدالله الاكبر و عبدالله الاصغر امهما رقية بنت رسول صلى الله عليه وسلم وكان عبدالله الاكبر يلقب بالمطرف لجماله وحسنه وكان كثير التزوج وبلغ عبدالله الاصغر من السنين ستاوسبعين"

(عبداللہ اکبر اور عبداللہ اصغر رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے تھے عبداللہ الاکبر جن کا لقب المطرف تھا ان کے حسن وجمال کی وجہ سے انہوں نے بہت شادیاں کیں۔اور عبداللہ اصغر نے ۷۶ برس کی عمر مین وفات پائی)۔

منہاج السنہ مطبوعہ مصر ۱۳۲۱ھ جلد دوم صفحہ ۱۲۲ پر لکھا ہے کہ عبداللہ بن عثمان حضرت زین العابدین کے استاد تھے امام تیمیہ کی جلالت و تحقیقی نظر کا اعتراف رضوان علی صاحب نے اسی مضمون میں کیا ہے۔ امام مالک، امام اوزاعی، ابن مبارک، لیث بن سعد، امام شافعی، امام محمد شیبانی کے پاس ان کے چھ سال میں وفات پانے کا ذکر ہے نہ وفات کی وجہ ہے، حضرت عبداللہ اصغر کی نسل آج بھی حبشہ، آزاد کشمیر، ملتان اور دیگر علاقوں میں موجود ہے۔

۹۔ اموی اور ہاشمی لکھنا اگر عصبیت ہے تو رضوان علی صاحب اپنے نام کے ساتھ ندوی کس طرح لکھتے ہیں۔ چارٹ مرتب کرنے والے کا مقصد تو غالباً یہ ہوگا کہ اموی، ہاشمی، بنو تمیم تیمی، بنو عدی، عدوی غرض کہ جسے بھی سرکارِ دوعالمؐ سے ایسی نسبت ہو کہ اسے اہل بیت میں شامل کیا جاسکے اسے چارٹ میں واضح کرنا چاہیئے۔ یہ تنگ نظری نہیں وسعت نظر کی علامت سمجھ میں آتی ہے۔

علی بن حضرت ابولعاص بے شک عبدالعزیٰ کی اولاد میں سے ہیں لیکن اس سے نفس مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ وہ اہل بیت میں شامل ہیں۔ اور ان کا نام چارٹ میں آنا چاہیئے تھا۔ رہ گیا ان کی وفات کا مسئلہ کہ وہ کس عمر میں مرے اس کی تشریح اوپر ہو چکی ہے۔ مزید برآں یہ روایت موجود ہے کہ وہ جوان اور شادی شدہ تھے اور جنگ یرموک ۱۳ھ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے ۔حوالے کے لئے دیکھئے (ابن عساکر) یہ مشہور روایت ہے۔ اقبال نے بانگ درا میں یرموک کا جو واقعہ لکھا ہے وہ انہی کے بارے میں ہے۔ علامہ کی نظم کے ابتدائی اشعار ہیں۔

صف بستہ تھے عرب کے جوانانِ تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروسِ زمین شام
اک نوجوان صورت سیماب مضطرب
آکر ہوا امیر عساکر سے ہم کلام
اے بو عبیدہ! رخصت پیکار دے مجھے
لبریز ہو گیا مرے صبر وسکون کا جام

یہی علی بن العاص فتح مکہ کے موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف کی حیثیت سے سفر کرتے رہے اور تطہیر کعبہ میں اپنے نانا کے کندھوں پر کھڑے رہ کر انہوں نے بت شکنی کی تھی۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ یہی علی بن ابو العاص اور ان کی بہن امامہ حضور اکرمؐ کے کندھوں پر سوار تھے جب حضور اکرمؐ نماز پڑھتے تھے۔ سنن نسائی اور ابو داؤد میں بھی روایت موجود ہے۔

۱۰۔ یہ بات رضوان علی صاحب نے درست نہیں لکھی کہ حضرت امامہؓ سے حضرت علی کی اولاد نہیں ہوئی۔ محمد اوسط انہیں کے صاحبزادے تھے۔ دیکھئے جلد سوم دائرۃ المعارف طبع اول ۱۹۶۸ء دانش گاہِ پنجاب اور خلفائے راشدین مؤلفہ معین الدین ندوی اعظم گڑھ۔

۱۱۔ حضرت ابو العاصؓ کے بارے میں رضوان علی صاحب قارئین کو متاثر کرنے کے لئے لکھتے ہیں کہ وہ پہلے کافر تھے بعد میں اسلام لے آئے۔ رسول اکرم ﷺ کے بڑے داماد سے عصبیت اسے کہتے ہیں۔ یہ بتایئے کہ حضور اکرم ﷺ کے کون سے داماد پہلے کافر نہیں تھے۔ یہ ابو العباس تو وہ داماد ہیں جن کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے منبر پر بیان کی ہے۔ حضرت فاطمہ کی منقبت کی روایتوں میں تقابل کے ساتھ ان کی توصیف آئی ہے ان کی شادی حضرت زینب سے بعثت سے پہلے ہوئی۔ طحاوی نے انہی صاحبزادی کے بارے میں ''افضل بناتی'' کی حدیث دی ہے۔

شعب بنو ہاشم میں اسیری کے دنوں میں سالی کے بیٹے اور داماد ابو العاص نے جس طرح بنو ہاشم کی بالعموم اور خاندان نبوی کی بالخصوص اناج، پانی، کپڑے اور استعمال کی بہت سی اشیاء سے مدد کی، اس کا تذکرہ مستند مؤرخین کے پاس ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے شیر کا خطاب دو بزرگ ہستیوں کو دیا ایک اسداللہ اور اسد رسول کا خطاب سیدنا امیر حمزہ کو دوسرے شیر بطحا کا خطاب اپنے بڑے داماد ابوالعاص کو!

۱۲۔ سرپرستوں میں جو نام آئے ہیں ان میں حضرت زبیرؓ کے بارے میں یہ بات رضوان علی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ حلف الفضول میں زبیرؓ بنی ہاشم کے نمائندے تھے۔ اس وقت وہی بنو ہاشم کے سربراہ تھے۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال تھی اور ہجرت کے وقت ۵۳ (ترپن) سال۔ درمیان میں ۴۵ سال کا عرصہ ہے۔ اس عرصے میں تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو ہاشم کے تین سربراہ ہوئے۔ پہلے زبیر بن عبدالمطلب دوسرے ابو طالب اور تیسرے ابولہب۔

طبقات ابن سعد جلد اول میں اولاد عبدالمطلب کی تفصیل میں واضح طور پر لکھا ہے (حارث اور عبداللہ کے ناموں کے بعد) کہ زبیر جو ایک شریف شاعر تھے انہیں کو عبدالمطلب نے وصیت کی تھی یعنی اپنا وصی انہیں کو بنایا تھا۔ رضوان علی صاحب کا کمال یہ ہے کہ ان کے اعتراض نمبر ۱۲ میں بلاذری کو عام مورخ اور اس کی کتاب "انساب الاشراف" کو مستند کتابوں کے مقابلے میں کم تر اور بلاذری کو عباسی حکومت کا دست گرفتہ ٹھہراتے ہیں، اور اعتراض نمبر ۱۳ میں اسی مصنف بلاذری اور اسی کتاب "انساب الاشراف" کو حوالے کی مستند کتاب بتاتے ہیں۔ کیا ابن اسحاق ابوجعفر منصور عباسی کا دست گرفتہ نہیں تھا؟ کیا امام احمد بن حنبل نے اسے کذاب، امام بخاری نے متروک الحدیث اور امام نسائی نے جھوٹا نہیں کہا؟

شام کے سفر کے بارے میں یہ خیال کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں، معنی خیز ہے۔

مستشرقین نے بحیرا راہب کے واقعہ سے جو فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے وہی بعض منافقین کا شیوہ بھی رہا ہے۔ امام ترمذی اس روایت کو صحیح نہیں سمجھتے ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس روایت کے ایک راوی عبدالرحمن بن غزوان کو منکر احادیث بیان کرنے والا لکھا ہے، اور سب سے بڑھ کر منکر اس حدیث کو قرار دیا ہے، جس میں بحیرا راہب کا واقعہ مذکور ہے۔ شام کے اس سفر میں حضرت بلالؓ اور سیدنا ابوبکرؓ کو بھی شریک بتایا گیا ہے۔ حضرت بلالؓ کا نام تو ایمان لانے کے بعد سنا گیا۔ علامہ ابن قیم کا خیال ہے کہ وہ اس وقت یا تو پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ یا اپنی ماں کی گود میں ہوں گے اور حضرت ابوبکر بمشکل تمام نو دس سال کے ہوں گے۔ یہ روایت بھی ایک مخصوص گروہ کی تخیل آرائی کا نتیجہ ہے۔ اس کے راویوں میں ابوموسیٰ اشعری بھی بتائے جاتے ہیں۔ جب کہ وہ شریک سفر نہیں تھے سیرت النبی جلد اول کے ص ۹۷ پر علامہ شبلی لکھتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت نا قابل اعتبار ہے۔ اس روایت کے جس قدر طریقے ہیں سب مرسل ہیں۔''

حرب فجار کے سلسلے میں یعقوبی نے لکھا ہے کہ قریش کی جماعتوں کے جدا جدا سردار تھے۔ بنو ہاشم سرگروہ زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ رضوان علی صاحب نے لکھا ہے کہ سیرت النبی (شبلی نعمانی) اور رحمت للعالمین (قاضی سلیمان منصور پوری) میں زبیر بن عبدالمطلب کا کہیں ذکر نہیں۔ علامہ شبلی نے حرب فجار میں واضح طور پر آلِ ہاشم کا علم بردار حضرت زبیر کو لکھا ہے۔ رحمت للعالمین جلد دوم ص ۸۱ پر ''زبیر عم النبی'' کے عنوان سے ایک چھوٹا باب ہے اس میں لکھا ہے کہ زبیر شاعر فصیح اللسان تھے۔ یہ اپنے والد کے وصی تھے۔ حلف الفضول کے قیام میں ان کے مساعی کا تذکرہ کیا ہے۔ سیرت النبی جلد اول ص ۱۷۰ پر مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے۔

تمام حقائق کو سامنے رکھیں تو یہی بات سامنے آتی ہے جو میں اوپر لکھ چکا ہوں

کہ بنو ہاشم کے سربراہ (حضرت عبدالمطلب کے بعد) تین ہوئے (۱) زبیر (۲) ابوطالب (۳) ابولہب۔ الاصابہ میں زبیر اور ان کی بیوی کے مشفقانہ سلوک کی تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔

۱۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں کی پوری تفصیل چارٹ میں نہ ہونے پر بھی رضوان علی صاحب کو اعتراض ہے۔ اس میں پھوپیوں کی تفصیل بھی نہیں۔ معلوم نہیں کیوں ان کا خیال جناب معترض کو نہیں آیا۔ اپنے مضمون میں وہ لکھتے ہیں کہ گیارہ چچا تھے لیکن طوالت کے خوف سے انہوں نے نام نہیں دیئے پھر بھلا ایک صفحہ کے چارٹ میں اس کی کیا گنجائش نکلتی۔ وہ مسلمان چچاؤں کے ساتھ دو کافر چچاؤں کے نام صرف اس لئے دیئے گئے ہیں کہ وہ بنو ہاشم کے سرپرست رہے۔

۱۴۔ خلفائے راشدین کے ناموں میں امیر المؤمنین معاویہ کا نام دے کر چارٹ بنانے والے نے بڑی جرأت اور تحقیق کا ثبوت دیا۔ اس میں چراغ پا ہونے کی کیا بات ہے۔ سرخی تو یہ ہے کہ صحابہ کرام جو خلیفہ بنے۔ حضرت سفیان ثوری عمر بن عبدالعزیز کو پانچواں خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں۔ عمر بن عبد العزیز تو تابعی تھے۔ امیر المؤمنین معاویہ تو صحابی، کاتب وحی، فاتح قبرص کی حیثیت سے اللہ کے رسول کی پیشین گوئی کو پورا کرنے والے اور ایک طرح سے حضور اکرمؐ کے وزیر خارجہ تھے، کیونکہ سلاطین عالم کے نام خطوط لکھنے کا شرف انہیں کو حاصل ہوا۔ وہ اللہ کے رسولؐ کے برادرِ نسبتی اور جامع ترمذی کے باب مناقب کے مطابق ہادی اور مہدی تھے۔

صحابہ کرام کو "قرآنِ حکیم" "راشدون" کہتا ہے۔ تمام صحابہ جو یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے سربراہ منتخب ہوئے، سب خلفائے راشدین تھے۔ حضرت معاویہ نے حضرت عمر اور حضرت عثمان کے دورِ فتوحات کے بعد دور حضرت علی میں جتنے علاقے مسلمانوں سے چھین لئے گئے تھے وہ سب دوبارہ فتح کئے اور جہاد کی روایت کو تازہ کیا۔ انہیں کے سپہ سالار عقبہ نافع نے بقول اقبال۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

کا مظاہرہ کیا۔ حضرت معاویہ کو بادشاہ کہنے کی روایت ایک مخصوص گروہ نے شروع کی۔ قرآنِ حکیم میں داؤد اور سلیمان جیسے جلیل القدر پیغمبروں کے نام آئے ہیں، جو بادشاہ تھے معین الدین کا شانی نام کا ایک ایرانی شاعر (حضرت خواجہ معین الدین چشتی نہیں) کی ایک رباعی بہت مشہور ہے جس کا ایک مصرعہ ہے۔

شاہ ہست حسین وبادشاہ ہست حسین

یہ مصرعہ البتہ کہا جاتا اور بار بار دہرایا جاتا ہے۔ امیر معاویہ کے لئے بادشاہ کا لفظ ان کے مخالفین نے استعمال کیا ہے۔ اگر یہ لفظ ایک جلیل القدر شخصیت کے لئے اچھا ہے تو دوسرے کے لئے کیوں برا ہے؟ امام ابن تیمیہ ان کی حکومت کو رحمت قرار دیتے ہیں۔ رضوان علی صاحب اس کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور اس میں ذم کا پہلو نکالنا چاہتے ہیں۔ واہ رے علمی دیانت!

طلقاء والی بات بھی عصبیت اور مخصوص سبائی رجحان کا نتیجہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اپنی زندگی کے آخری دور میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے عہدے طلقاء ہی کو عنایت فرمائے اور امیر المومنین معاویہ کے والد محترم حضرت ابوسفیان کو نجران کا گورنر بنایا، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کی آزمودہ کار نظریں مہمات سلطنت کے لئے یزید بن ابوسفیان اور امیر معاویہ ہی پر پڑتی تھیں۔ اسلام کے پہلے امیر البحر سیدنا معاویہ ہی تھے قبرص کے فاتح حضرت معاویہ جنتی ہونے کی بشارت کے مظہر بنے۔

حضرت سفینہ کے نام سے منسوب روایت میں ہے خلافت تیس سال رہے گی پھر ملوکیت ہو گی۔ ایک جگہ ابو داؤد میں لکھا ہے حضرت ابو بکر روایت کرتے ہیں کہ خدا کے رسول ﷺ کے ارشاد کا مطلب تھا کہ ”آپ کے بعد خلافت نبوت تیس سال رہے گی پھر

اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک عطا کرے گا'' تیس سال کے بعد ''ملوکیت رہے گی'' کا ٹکڑا معتبر اور مستند نہیں۔ ورنہ اس میں بھی اسے دہرایا جاتا اب اس تیس سالہ روایت کا جائزہ!
حضرت سفینہ کی روایت کو رضوان علی صاحب ''صحیح'' قرار دیتے ہیں۔ امام ترمذی نے تو اسے ''صحیح'' نہیں لکھا۔ حسن کہا ہے اور ساتھ میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہم نے صرف ابن جمہان سے سفینہ کا نام جانا۔ یعنی کسی اور صحابی سے یہ روایت ملتی ہی نہیں۔ یہ بات علمی اور تحقیقی مرتبے سے گری ہوئی ہے۔ اسی طرح رضوان علی صاحب کا یہ کہنا کہ امام ابن تیمیہ اسے ''صحیح'' قرار دیتے ہیں۔ یہ بات قارئین کو مزید دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ جس غیر معروف اور ایک مخصوص گروہ کے نقطۂ نظر کی کتاب سے انہوں نے حوالہ دیا ہے۔ وہ صرف عام قاری کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے ہے۔ وہ کتاب کسی گنتی اور شمار میں نہیں ابن تیمیہ سعید بن جمہان کی حیثیت سے خوب واقف ہیں۔ یہ شخص قابل اعتبار ہی نہیں۔ امیر المؤمنین معاویہ اور ان کے بعد کے خلفاء کو بدنام کرنے کے لئے یہ روایت بعد میں گڑھی گئی ہے اس میں ''ابن زرقاء'' کے الفاظ تحقیر کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ اور دشمنی کی جھلک کو صاف نمایاں کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ نے نہ صرف اسے رد کیا ہے بلکہ ان کا کہنا تو یہ ہے کہ اسلام جیسا عظیم مذہب بس صرف تیس سال میں ختم ہو جائے گا، یہ ناممکن ہے دشمنان اسلام نے اس کی تبلیغی حیثیت کو متاثر کرنے کے لئے ایسی باتیں بنالی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ تاریخ کو مسخ کرنے والوں نے ایسی روایتوں کا خوب فائدہ اٹھایا اور مستشرقین کو خوب مواد فراہم کیا۔ اگر تیس سالہ بات پر زور ہی دینا ہے تو پھر شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ بات یاد رکھئے جو انہوں نے ازالۃ الخفاء میں فرمائی ہے کہ ''خلافت نبوت'' کا عہد تو حضرت عثمانؓ پر ختم ہو گیا کیونکہ ان کی بیعت پر اجماع صحابہ تھا حضرت علی کے ہاتھ پر تو صحابہ کرام کی عظیم اکثریت نے بیعت نہیں کی۔ اسی لئے شر پسندوں نے انہیں دار الخلافہ کوفہ منتقل کرنے پر مجبور کیا۔ اس لئے حضرت علی سے خلافت راشدہ کا دور شروع ہوتا ہے یا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔

اگر رضوان علی صاحب کی یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ تیس سالہ دور سیدنا حسن پر

ختم ہو گیا تو تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ سیدنا حسنؓ نے اپنی خوشی سے بادشاہی کو دعوت دی اور حضور ﷺ کی پیشین گوئی کے خلاف عمل کر کے بیت المال سے تاحیات اپنے اور اپنے بھائی کے لئے وظیفہ لیتے رہے۔ کیسی جلیل القدر شخصیت کو بدنام کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کیا اس میں کوئی خیر کا پہلو ہے پھر لطف یہ کہ ان کے فیصلے یعنی خلافت کی زمام سیدنا معاویہ کو ۴۱ھ میں سپرد کرنے کے بعد ۵۰ھ تک جب ان کا انتقال ہوا نو برسوں میں کبھی ایک لمحے کے لئے بھی اس سے رجوع نہیں کیا۔ اگر لفظ ''شاہی'' کے غلط استعمال کو روا رکھا جائے اور بادشاہی کو مذموم قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے برگزیدہ نانا کے حکم کے خلاف عمل کر کے امت پر بادشاہی کو مسلط کرنے والے سیدنا حسن تھے۔ اب یہاں ایک لمحہ رک کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر غور کیجئے کہ میرا بیٹا (حسن) سردار ہے۔ یہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ صحابہ کرام نے اسی لئے حضرت حسن کے احترام کو پسند کیا اور امیر المومنین معاویہ کی بیعت کر لی۔ اسے اچھا سمجھا گیا اس پر اجماع ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی العواصم من القواصم میں ایک الگ استدلال دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر حدیث سفینہ صحیح ہوتی تو صحابہ کی عظیم اکثریت جس نے حضرت علی کی بیعت نہیں کی گناہ گار ہو جاتی اور اس پر برابر کوئی نہ کوئی اظہار خیال کرتا۔ مسند احمد بن حنبل میں محمد بن سیرین کا اندازہ ہے کہ اس وقت صحابہ کرام تیس ہزار سے کم اور نوے ہزار سے زیادہ نہ تھے۔

جنگ جمل اور جنگ صفین میں کتنے صحابہ کرام نے شرکت کی؟ زیادہ سے زیادہ تیس کی تعداد بتائی جاتی ہے۔ سب سے اہم بات جو یہاں نوٹ کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سفینہ کا سیاست سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا لیکن روایت ان کے نام سے گھڑ دی گئی۔ ان کا نام جمل اور صفین کی لڑائیوں میں شریک ہونے والوں میں نہیں ملتا۔ کہاں تو صحابہ کا یہ عالم کہ قبرص کی فتح کی پیشین گوئی ہوئی تو اس موقعے پر بڑھاپے کے باوجود حضرت ام حرامؓ

شریک ہوتی ہیں، اور مدینۂ قیصر پر حملے کے وقت اکیانوے برس کی عمر میں سیدنا ابو ایوب انصاری جہاد پر نکلتے ہیں اور کہاں یہ عالم کہ خود راوی حضرت سفینہ خلافت نبوت کے برقرار رکھنے کے لئے مصاف جنگ میں نہیں آتے نہ کسی اور طرح اس میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ بات صحابہ کے مقام سے گری ہوئی اور ان کی عظمت پر حرف لانے والی ہے۔

محدثین اور مؤرخین بالعموم پہلے اس روایت کا ذکر کرتے ہیں جس پر ان کو زیادہ یقین ہوتا ہے چنانچہ امام ترمذی نے ''حدیث سفینہ'' سے پہلے ''بارہ خلفاء'' والی روایت دی ہے اللہ کے رسولؐ آخریں کے ارشاد کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ کے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے پھر قاضی عیاضؒ عقیدۂ اہل سنت والجماعت کے مطابق انہیں دین کا خدمت گزار اور متقی قرار دیتے ہیں۔ اس حدیث کا مرتبہ حسن صحیح کا ہے۔ امام ترمذی نے خود یہ تفریق کی ہے اس لئے تیس سالہ والی روایت سفینہ کو انہوں نے ترجیح نہیں دی۔ ابو حاتم رازی تو سرے سے اس روایت کو رد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کا راوی سعید بن جمہان معتبر نہیں چہ جائے کہ عقیدے کے مسئلے میں اس کی کسی بات کو درست تسلیم کیا جائے۔ مسند احمد میں جو روایت ہے اسے ابن حجر عسقلانی کمزور قرار دیتے ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے خلافت نبوت کے بارے میں سیرۃ النبی کی تیسری جلد میں بحث کی ہے تو پہلے بارہ خلفاء والی روایت کو لیا ہے اور اسے قبول کیا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں اس کی ۹ سندیں ہیں۔ صحیح مسلم کے الفاظ کو علامہ سلیمان نے دہرایا کہ اس وقت تک اسلامی حکومت اچھی رہے گی جب تک اس پر بارہ خلفاء حکمراں نہ ہوں۔ بارہ خلفاء تک اسلام معتزز اور محفوظ رہے گا، پھر انہوں نے ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے ان بارہ خلفاء کے نام دیئے ہیں حافظ عینی نے بھی یہی بارہ نام دیئے ہیں۔ ابن حجر عسقلانی نے ابو داؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفاء راشدین اور بنی امیہ سے ان بارہ خلفاء کے یہ نام بتائے ہیں۔ (۱) حضرت ابو بکرؓ (۲) حضرت عمرؓ (۳) حضرت عثمانؓ (۴) حضرت علیؓ (۵) حضرت معاویہؓ ان میں حضرت حسن کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ ان ابتدائی پانچ ناموں کے علاوہ چارٹ کے مرتب نے حضرت حسن کا نام بھی خلفاء کی فہرست میں دیا ہے سیرۃ النبی

جلد سوئم کے صفحہ ۶۴۱ پر باقی نام علامہ سلیمان نے اس طرح لکھے ہیں۔ (۶) حضرت یزید بن معاویہ (۷) عبدالملک (۸) ولید (۹) سلیمان (۱۰) یزید ثانی اور (۱۱) ہشام۔

حافظ عینی نے نام اس طرح دیئے ہیں۔ (۱) حضرت ابوبکرؓ (۲) حضرت عمرؓ (۳) حضرت عثمانؓ (۴) حضرت علیؓ (۵) حضرت حسنؓ (۶) حضرت معاویہ (۷) حضرت یزید بن معاویہ (۸) حضرت عبداللہ بن زبیر (۹) عبدالملک بن مروان (۱۰) ولید بن الملک (۱۱) سلیمان بن عبدالملک (۱۲) عمر بن عبدالعزیز۔

علامہ سلیمان ندوی نے خلفاء کی بشارت کے عنوان سے سب سے پہلے حضرت ابوہریرہ کی روایت دی ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی سرداری اور نگہبانی انبیاء کرتے تھے جب کوئی نبی مرتا تو دوسرا نبی اس کا قائم مقام ہوتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے، یہ بھی صحیح مسلم کی روایت ہے جو کتاب الامارۃ میں ہے۔

اللہ کے رسولؐ کے صحابہ کرام اور اہل بیت کا اپنا مقام ہے اکثر صورتوں میں ان کی منزلت اللہ اور رسول کی طرف سے متعین ہے۔ کوئی کیوں اپنی عصبیت کے پیمانے پر ان جلیل القدر ہستیوں کو جانچے۔ چارٹ کے بارے میں رضوان علی صاحب کا رویہ گمراہ کن ہے۔ وہ اسے مذموم اور شر انگیز قرار دیتے ہیں۔ یہ بات ان کی عصبیت کی آئینہ دار ہے ان کا مسلک رکھنے والوں نے جو چارٹ چھاپے ہیں ان پر وہ توجہ کریں تو شاید چارٹ مرتب کرنے والوں کا مقصد پورا ہو، جن کی تحریک ہے انسداد غیر اسلامی لٹریچر

☆ وماعلینا الا البلاغ المبین ☆

(۳) اہل بیت اور عہدِ بنی اُمیہ سے متعلق ناصبی تحریف و اوھام کا ردّ

سب سے پہلے میں یہ عرض کروں کہ دشنام طرازی اور زور خطابت کوئی علمی طریقہ نہیں علمی طریقہ دلائل و براہین سے استدلال کرتے ہوئے کسی بات کو ثابت کرنا یا رد کرنا ہے، میں نے اپنے سابقہ مضمون میں یہی کیا تھا اور بجائے مؤرخین کے محدثین اور بعض ان فقہاء کے حوالوں سے ضروری تصحیحات کی تھیں جو اہل سنت کی نظر میں انتہائی موثوق ہیں۔ مگر پھر بھی شاہ بلیغ الدین صاحب نے مجھ پر سبئیت کا الزام لگایا ہے۔

سبئیؔ (ا) ایک غالی شیعہ فرقہ ہے جسے اسلامی فرقوں پر لکھنے والے قدیم عرب مصنفین جیسے امام ابو الحسن اشعری، عبدالقاہر بغدادی، امام ابن حزم اور شہرستانی وغیرہ نے اپنی مشہور و متداول کتابوں میں کافر کہا ہے، اور میں بھی اس قدیم فرقہ کو ایسا ہی سمجھتا ہوں، بلکہ اس فرقہ سے براءت کا اظہار بعض اثنا عشری فرقہ کے افراد نے بھی کیا ہے۔ یہ فرقہ ایک یمنی یہودی عبداللہ بن سبأ کی طرف منسوب ہے۔ یہ منافقت کے ساتھ اسلام لایا اور اس نے عربی زبان جاننے کے سبب اپنی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے سیدنا عثمان کے خلاف عراق و مصر میں فتنہ کے بیج بوئے اور اسلام میں رخنہ ڈالنے کے لئے انتہائی ہوشیاری سے پس پردہ ان کے قتل کی راہ ہموار کی۔ پھر اس نے اور اس کے متبعین نے سیدنا علیؓ کو جب وہ بصرہ میں تھے نعوذ باللہ اپنا خدا کہنا شروع کر دیا جس پر حضرت علیؓ نے ایسے بہت سے افراد کو گڑھے کھدوا کر آگ میں جلا دیا وہ عبداللہ ابن سبأ کو بھی یہی سزا دینا چاہتے تھے لیکن مختلف روایات کے مطابق وہ بھاگ نکلا، یا پھر خود حضرت علیؓ نے اپنے رفقاء کے کہنے سے اس کی جلاوطنی پر اکتفاء کیا۔ (البغدادی، الفرق بین الفرق ص۲۲۳، الشہرستانی۔ الملل والنحل ۲، ص۱۱)

ا۔ سبائی غلط املا ہے۔ عربی میں الف پر ہمزہ ہے، جس کی بنا پر میں نے وہ املا لکھا ہے۔ جو تلفظ کے مطابق ہے۔ اس سے اسم سبئیت ہی ہوتا ہے اور یہی عرب محققین لکھتے ہیں۔

یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جن کو تمام اہلِ علم جانتے ہیں، لیکن مجلۂ تکبیر کے پڑھنے والے سب کے سب علماء اور مؤرخین نہیں ہیں بلکہ عام لوگ بھی ہیں اس لئے اس توضیح کو ضروری سمجھا گیا تاکہ ایسے لوگ اس اتہام کی سنگینی کا اندازہ لگا سکیں جو جناب بلیغ الدین صاحب اور ان کے ہم نوا دوسرے مضمون نگاروں کی طرف سے مجھ پر لگایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے اور ان کو قرآن کریم کی ہدایت ولا تنابزوا بالالقاب پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، میں بھی اگر چاہتا تو اس چارٹ کے مصنف کو خارجی اور ناصبی کہہ سکتا تھا، لیکن قارئین میرے بیان کو دوبارہ پڑھ لیں اس میں کہیں ایسا اتہام نظر نہیں آئے گا نہ میں نے اپنے قارئین سے دھمکی کے ذریعہ کوئی بات منوانے کی کوشش کی ہے اور نہ کوئی نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں جس کا بے جا الزام بلیغ الدین صاحب نے مجھ پر لگایا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ موصوف نے مجھے قارئین کو دھوکہ دینے کا ملزم ٹھہرایا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے جو بات بھی اس مضمون میں کہی تھی اس کے لئے انتہائی معتبر حوالے دیئے تھے۔ انہوں نے خود دھڑلے سے دھوکہ اپنی وضاحت میں دیا ہے، اور جھوٹے حوالے دیئے ہیں، جو اہلِ علم سے مخفی نہیں اور جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ انہوں نے اس ذیل میں پندرہ بیس سال قبل ریڈیو اور ٹی وی کے پروگراموں کے سبب اپنی شہرت سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے، افسوس کہ تکبیر کے مدیر برادرم صلاح الدین صاحب (جواب چھ سال سے مرحوم ہو چکے ہیں) ایک صحافی تھے کوئی عالم نہیں، ورنہ وہ بلیغ الدین صاحب کی تحریر سے ان کی عربی اصلی مآخذ سے بے خبری کا اندازہ لگا لیتے اور ان کی تحریر شایع نہیں کرتے، سبئی کی دشنام طرازی اور فتنہ انگیزی اس پر مستزاد ہے شیخ سعدی نے صحیح کہا ہے۔

تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جہاں تک اس چارٹ کی تصنیف کا تعلق ہے تو وہ اس نومسلم آغاخانی کا کارنامہ نہیں ہے بلکہ یہ "تحریک انسداد غیر اسلامی مطبوعات" کے کسی ذمہ دار کا کام ہے اس اللہ کے بندے نے تو صرف اشتہار کے حسب معمول پیسے دیئے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس تحریک کو

جناب بلیغ الدین صاحب کی سرپرستی حاصل ہو جب ہی وہ میرے سابقہ تنقیدی مضمون پر اس قدر برہم ہیں اور مجھے سبئی (یعنی غالی شیعہ) قرار دیتے ہیں جس کے لئے انہوں نے کوئی دلیل فراہم نہیں کی ہے۔

جہاں تک جاننے اور نہ جاننے کا سوال ہے وہ یقیناً علمی طور پر مجھے نہیں جانتے ہوں گے کیونکہ میری آٹھ کتابیں عربی زبان میں شائع ہوئی ہیں اور عرب ممالک میں، صرف ایک کتاب تحریک اخوان المسلمین ۱۹۵۶ء میں (مکتبہ الحسنات رامپور سے شائع ہوئی تھی اس کتاب کا اضافہ شدہ ایڈیشن ۱۹۹۹ء میں کراچی سے چھپا) میں بھی انہیں علمی طور پر نہیں جانتا ہوں، طویل عرصہ عرب ممالک میں قیام کے بعد پاکستان آنے پر معلوم ہوا کہ ایک زمانے میں وہ ریڈیو، ٹی۔ وی اور عوامی جلسوں کے مقرر رہے ہیں۔

اب میں جناب بلیغ الدین صاحب کے اعتراضات اور تنقید کے جوابات دینے کی کوشش کروں گا اور مجھے امید ہے کہ اس سے بہت سے ایسے امور کی وضاحت ہو جائے گی جن کے بارے میں پاکستان میں کچھ حلقوں کی طرف سے بڑے غلط اور بے بنیاد افکار پھیلائے گئے ہیں، اور جو اہل سنت والجماعت کے مسلمہ عقائد و افکار سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ یہ اعتراضات اور سوالات اس قدر طویل اور متنوع ہیں کہ مجھ کو ان پر کافی تفصیل سے لکھنا پڑ رہا ہے، ان اعتراضات اور دعاوی کے جوابات نمبر وار حاضر ہیں۔

۱۔ اس چارٹ کیلئے طغراء کا لفظ میں نے اختیار نہیں کیا اس کو اگر وہ دوبارہ دیکھیں گے تو ان کو قرآنی آیت کے بعد ''طغرہ'' کا لفظ نظر آئے گا میں نے اپنے مضمون میں صرف اس کا اِملا درست کر دیا تھا۔ بلیغ الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے درست لکھا ہے مگر اس کا مخاطب چارٹ نویس ہونا چاہئے میں نہیں۔ البتہ میں یہ اضافہ یا تصحیح ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کا صحیح اِملا طغراء ہے ''طغرہ'' نہیں اسی لئے ایک مشہور فارسی النسل، عربی اللسان شاعر کا لقب طغرائی تھا جس کا قصیدہ لامیۃ العجم بہت مشہور ہے۔

۲۔ خانوادۂ نبوت کے اس چارٹ یا خاکہ کو سمجھنے میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی ہے،

موصوف خود اس کو دوبارہ دیکھیں تو ان کو نظر آئے گا کہ سب سے اوپر جلی حروف میں محمد رسول اللہ ﷺ لکھا ہے (یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کا عنوان اہل بیت رسول اللہ ہے) اور اس کے نیچے پانچ سیاہ پٹیوں کے اندر جلی حروف میں سرخیاں ہیں اور ان سرخیوں کے نیچے پھر ذیلی سرخیاں ہیں۔ سب سے پہلی جلی سرخی ''اہل بیت'' کی ہے، اور اس کے نیچے ذیلی سرخی ''ازواج مطہرات'' ہے پھر دوسری جلی سرخی ''اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے جس کے نیچے دو ذیلی سرخیاں۔ ''بیٹے بیٹیاں'' ہیں۔ تیسری جلی سرخی ''آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کی ہے جس کے نیچے پھر دو ذیلی سرخیاں ''نواسے نواسیاں'' ہیں پھر وہ دو بڑی سرخیاں ہیں جن کا ذکر ناقد محترم نے کیا ہے۔

اب بتایا جائے کہ جب اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلی سرخی کے تحت اس کو ازواج مطہرات کے عنوان سے محدود کر دیا جائے تو اس سے قاری کیا سمجھے گا؟ یہی کہ اولاد و اسباط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں شامل نہیں، میرے ایک ناقد نے تو اپنے طویل مضمون میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اہل بیت رسولؐ میں آنحضرتؐ کے اولاد و اسباط ہرگز شامل نہیں ہیں، اور وہ پھر کون کور چشم ہوگا جو اولادِ رسول کی علیحدہ سے دو بڑی سرخیوں یا عنوانات کے بعد ان کو اہل بیت النبی میں سے سمجھے گا جن صاحب نے اہل بیت سے صرف ازواج مطہرات کے معنی لئے ہیں انہوں نے دیدہ دلیری اور علمی بددیانتی کے ساتھ مولانا مودودی مرحوم کی تفہیم القرآن کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ مولانا مرحوم نے ہرگز ایسا نہیں لکھا ہے، بلکہ انہوں نے صراحت کے ساتھ اور تفصیلی بحث کے بعد اہل بیت الرسولؐ میں ازواج مطہرات اور اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل کیا ہے (ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد چہارم، صفحہ ۹۳) اور یہی سلف صالحین کا مسلک ہے۔

میں نے راغب اصفہانی کو امام کے لقب سے یاد نہیں کیا تھا بلکہ صرف لفظ ''آل'' ولفظ ''اہل'' کے معنی میں جو توافق ہے اس کے لئے اس کا حوالہ دیا تھا۔ بقول بعض شیعہ مصنفین راغب اصفہانی ایک ادیب تھا اور اس کی کتاب محاضرات الابرار مطبوع

مشہور ہے۔ **الذریعة الی تصانیف الشیعة** کے شیعی مصنف آغا بزرگ طہرانی نے اپنی کتاب میں راغب اصفہانی کو بھی شامل کیا ہے بہرحال اس کی کتاب **المفردات فی غریب القرآن** ایک مختصر لغت قرآنی ہے۔ میں نے عربی زبان کی سب سے بڑی مطبوع لغت یعنی ابن منظور کی لسان العرب کا بھی حوالہ دیا تھا جس میں قرآنی الفاظ کے معانی زیادہ مفصل اور معتبر ہیں، مگر بلیغ الدین صاحب نے کمال ہوشیاری سے اس کو بھلادیا اور دوسری باتوں کا ذکر چھیڑ دیا علاوہ ازیں مصر کی اکاڈمی "مجمع اللغۃ" نے معجم الفاظ القرآن الکریم کے نام سے ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل دو مبسوط جلدوں میں جو لغت چھاپی ہے وہ المفردات سے کہیں زیادہ جامع ہے۔

بلیغ الدین صاحب نے سورۂ ھود و سورۂ احزاب میں واقع اہل بیت کی اصطلاح کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہاں یہ صرف بیویوں کے لئے اور سورۂ قصص میں ماں کے لئے استعمال ہوئی ہے، بیٹیوں کے لئے کہیں نہیں۔ یہی وہ بات ہے جو میرے دوسرے ناقد نے جیسا کہ میں نے پہلے کہا اپنے مضمون میں کہی ہے۔ یہ عربی زبان سے نابلد اور خود ساختہ مفسر قرآن سورۂ ھود ہی کی آیت نمبر ۴۵ بھول گئے۔ جس میں حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کو اپنے اہل میں سے کہا ہے **ان ابنی من اھلی** اور پھر سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۲۹ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کو اپنے اہل میں شمار کیا ہے، **واجعل لی وزیرا من اھلی** اسی طرح سورۂ الشعراء آیت نمبر ۱۷۹ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے اہل میں ان کی بیٹیوں کو شمار کیا ہے۔ پھر یہ کہ مفسرین کے بیانات کے مطابق طلاق کے بعد بیوی کا رشتہ منقطع ہوجاتا ہے، لیکن اولاد پوتے پوتیاں، نواسے، بھائی وغیرہ "اہل بیت" میں باقی رہتے ہیں۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کا سب سے پہلا حق کس کو ہے آج کے مفسرین و مضمون نگاروں کو یا اس ذات بابرکات کو جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا اور جس کو یہ حق خود اللہ نے دیا تھا "**وانزلنا الیک الذکر لتبیّن للناس ما نزّل الیھم** (اور ہم نے تم پر یہ ذکر (یعنی قرآن) نازل کیا

ہے تا کہ تم لوگوں کو وہ سب کچھ سمجھاؤ جو ان کے لئے نازل کیا گیا ہے) اسی لئے بیشتر قدیم وجدید کئی مفسرین سورۂ احزاب کی آیت تطہیر ۳۳ کی تفسیر آنحضرت ﷺ کی اس آیت کی تفسیر کی روشنی میں کرتے ہیں، اور ان میں ازواج مطہرات کے ساتھ اولادِ رسول اللہ کو بھی شامل کرتے ہیں، اسی لئے میں نے تفسیر ابن کثیر کا حوالہ دیا تھا جس کا ترجمہ اردو میں موجود ہے اور جو اہل سنت کے نزدیک ایک انتہائی معتبر تفسیر ہے۔ اوپر میں نے تفہیم القرآن کا بھی اضافہ کردیا ہے ان دونوں تفسیروں میں متعدد صحابہ سے بہت سی احادیث رسول اللہ سے منقول ہیں جن میں اس آیت کی وہ صحیح تفسیر موجود ہے جو اہل سنت کا مسلک ہے۔ نعوذ باللہ کیا نبی عربی روحی فداہ کو سورۂ ھود و قصص میں اہل بیت کی اصطلاح کا علم نہیں تھا جو اب بلیغ الدین صاحب یا ان کے مسلک کے دوسرے افراد کو ہوا ہے۔ یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ حدیث نبوی کے بغیر صرف راغب اصفہانی کی المفردات کے سہارے قرآنِ کریم کی تفسیر نہیں ہوسکتی، اسی کو عربی اصطلاح میں تفسیر بالھویٰ (یعنی اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق تفسیر) کہا جاتا ہے اور جس کی احادیث صحیحہ میں مذمت آئی ہے۔ حضور ﷺ کی تفسیر کے بعد صحابۂ کرام کے وہ اقوال ہیں جو قرآن کی تفسیر میں کتب حدیث یا تفاسیر میں منقول ہیں اور ان میں بھی اکثریت صحابہ کا لحاظ کیا جاتا ہے اور ان کے بعد تابعین اور سلف صالحین کی تفاسیر کا درجہ ہے۔

یہاں یہ بات دل چسپی سے خالی نہ ہوگی کہ مشہور مفسر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ سے قبل علماء اہل بیت کے لفظ سے صرف آپ کی اولاد مراد لیتے تھے اسی لئے زمخشری کو اپنی تفسیر الکشاف (ج ۳، ص ۳، طبع دارالمعرفۃ بیروت) میں یہ وضاحت کرنا پڑی۔ ''وفی ھذا دلیل بیّن ان نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اھل بیتہ'' یعنی اس آیت تطہیر میں اس کی واضح دلیل ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات بھی آپ کے اہل بیت میں شامل ہیں۔

۳۔ بلیغ الدین صاحب میری فکر کو سبئی (موصوف نے سبائی لکھا ہے جو درست نہیں، کیونکہ جس آدمی کی طرف یہ نسبت ہے اس کا نام سبأ تھا ''سباء'' نہیں) فکر کا الزام دیتے

ہوئے کہتے ہیں کہ ''ان کے غصے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اہل بیت میں سرفہرست سیدہ فاطمہؓ کا اسم گرامی کیوں نہیں ان کی فکر کے مطابق جو اصل میں سبائی فکر ہے یہ اسم گرامی ازواج مطہرات کے اسماء سے پہلے آنا چاہئے۔''

علیم بذات الصدور۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے نہ معلوم بلیغ الدین صاحب کو دلوں کا حال اور نیت کا علم کیسے ہوگیا بہر حال یہ صریحی بہتان ہے میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا میں تو سیدہ خدیجہؓ کے اسم گرامی کو سرفہرست دیکھنا چاہتا ہوں اور دوسری ازواج مطہرات کے ناموں کو بھی۔ میں نے صرف یہ لکھا تھا کہ سورۂ احزاب کی آیت تطہیر کی نبوی تفسیر کے مطابق اہل بیت کی اصطلاح میں سیدہ فاطمہ، علی، حسن و حسین رضوان اللہ علیہم بھی شامل ہیں میرے الفاظ تھے:

> ''شیعہ حضرات سخت غلطی اور زیادتی کرتے ہیں کہ اہل بیت النبیؐ سے صرف آپ ﷺ کی اولاد اور اہل قرابت مراد لیتے ہیں اس میں ازواج مطہرات تو بدرجۂ اولیٰ شامل ہیں کیونکہ انہیں کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی اور یہی میرے خیال میں ہر مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہئے۔''

مجھے سبئی فکر کا طعنہ دینے والے محترم مضمون نگار کو معلوم ہونا چاہئے کہ میرے زیر نگرانی ریاض کی امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی کے ایک ریسرچ طالب علم سلیمان العودۃ نے عبداللہ ابن سبأ پر ایم۔ فل کا مبسوط تنقیدی مقالہ ۱۹۸۱ء میں لکھا تھا اور اس میں اس نے بعض ان عراقی شیعہ محققین اور بعض مستشرقین کی دھجیاں اڑائی ہیں جو عبداللہ ابن سبأ کے وجود ہی کے قائل نہیں یہ مقالہ اب کتابی شکل میں مطبوع ہے۔

میں نے صحیح بخاری سے سیدہ فاطمہؓ کی منقبت میں جو احادیث نقل کی تھیں وہ اس لئے نہیں کہ میں ان کے نام کو اہل بیت میں سرفہرست دیکھنا چاہتا تھا بلکہ صرف اس لئے کہ میں تمام سلف صالحین اور معاصر اہل سنت علماء کی طرح ان کے نام کو ان مذکورہ چارٹ میں

''اہل بیت'' کی جلی سرخی کے نیچے دیکھنا چاہتا تھا، یہ حقیقت ہے کہ بلیغ الدین صاحب یہاں تضاد یا تذبذب کا شکار ہیں وہ اوپر کہہ چکے ہیں کہ سورۂ ھود اور سورۂ قصص کے مطابق اہل بیت سے مراد صرف بیوی اور ماں ہیں۔ اور وہ سیدہ فاطمہؓ کو اہل بیت میں تو سمجھتے ہیں لیکن ان کو سرفہرست نہیں سمجھتے، میں بھی یہی کہتا ہوں، لیکن حدیث بخاری نقل کرتے ہوئے میں نے ان کو حضور ﷺ کے اہل قرابت میں سرفہرست بتایا تھا۔ اس موقع پر کراچی یونیورسٹی سے اسلامی تاریخ میں صرف ایم۔ اے کی ڈگری رکھنے والے ان ''متعالم'' نے غلط کہا ہے کہ بخاری میں ''رشتہ داروں کی منقبت میں صرف تین حدیثیں ہیں، اور سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت میں صرف دو حدیثیں ہیں۔ وہ عام قارئین کو صریحی دھوکہ دے رہے ہیں، ان کا صحیح بخاری سے کیا واسطہ؟ کوئی اور ترجمہ ان کے سامنے ہے، نمبر شمار بھی اسی سے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے بارے میں بیس سے زائد مرفوع وموقوف حدیثیں اس میں ہیں اور سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت میں حافظ ابن حجر کی گنتی کے مطابق نمبر ۳۷۱۱ تا ۳۷۱۶ چھ حدیثیں، پھر دوبارہ باب مناقب فاطمہؓ میں ایک حدیث ہے اور اگر اس میں حدیث الباب کو بھی شمار کیا جائے تو سات حدیثیں ہیں، اس میں سے مکررات کو نکال دیا جائے تب بھی تین مرفوع حدیثیں اور دو موقوف حدیثیں ہیں۔ بلیغ الدین صاحب کے دعوے کے مطابق دو حدیثیں نہیں، اور سیدنا حسنؓ وسیدنا حسینؓ کے مناقب میں آٹھ احادیث ہیں، ان میں اگر ایک مکرر کو نکال دیا جائے تو سات حدیثیں ہیں تین مرفوع اور چار موقوف احادیث ہیں جو حضرت ابوبکرؓ حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہیں۔ اور قرابت داروں میں متعدد احادیث حضرت زبیرؓ بن العوام (پھوپی زاد بھائی) اور حضرت سعد بن ابی وقاص (ننھیالی رشتہ دار) کے متعلق ہیں۔

''اہل بیت'' کی تفسیر کے ضمن میں صحیح بخاری میں ایک اہم بات یہ ہے کہ باب مناقب قرابۃ رسول اللہ ﷺ میں حضرت عائشہؓ سے مروی اس حدیث میں جس میں حضور ﷺ کے مرض الموت میں حضرت فاطمہؓ کے بلانے اور آنحضرتؐ کے ان کے کان میں

دو باتیں کہنے اور حضرت فاطمہؓ کے ہنسنے اور رونے کا ذکر ہے اسی میں حضرت عائشہؓ کے حضرت فاطمہؓ سے رونے اور ہنسنے کا بیک وقت سبب معلوم کرنے پر سیدہ فاطمہؓ نے بتایا کہ ''میں روئی اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے بتایا کہ اسی مرض میں آپ ﷺ کی وفات ہو جائے گی اور ہنسی اس لئے کہ آپ ﷺ نے مجھے بعد کو بتایا کہ میں ان کے ''اہل بیت'' میں سے سب سے پہلے ان سے ملوں گی، یعنی حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے اہل بیت میں سب سے پہلی میری وفات ہوگی اور میں جنت میں اپنے والد سے مل جاؤں گی۔''

اب یہ حدیث تو شیعوں کی گھڑی ہوئی نہیں ہے' اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ اس حدیث میں خود حضور ﷺ حضرت فاطمہؓ کو اپنے ''اہل بیت'' میں شمار کیا ہے، اب بلیغ الدین صاحب اور پاکستان کے دوسرے ''ناصبی'' کیا کہیں گے؟

میں نے امام بخاری کے بارے میں یہ بھی نہیں کہا کہ انہوں نے اہل بیت کی کوئی فہرست مرتب کی ہے، یہ ایک بہتان ہے بخاری کی جو حدیثیں میں نے ذکر کی تھیں وہ صرف اس استدلال کے لئے کہ اہل بیت کی اصطلاح میں سیدہ فاطمہؓ اور ان کی اولاد شامل ہیں ان احادیث کی جو توجیہات بلیغ الدین صاحب نے کی ہیں وہ اصل موضوع سے خارج ہے، حدیث نمبر ۹۵۳ کا جو اہم ٹکڑا ہے اس کو موصوف نے کمال ہوشیاری سے حذف کر دیا ہے اور اس کے بدلے کہتے ہیں کہ ترجیح یہاں بھی کوئی نہیں۔ پوری حدیث یہ ہے **فاطمه بضعة مني فمن اغضبها اغضبني**'' (سیدہ فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہیں جس نے ان کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا) اب بتایا جائے کہ کیا اس میں کوئی ترجیح نہیں؟ درحقیقت بلیغ الدین صاحب نے اپنے ناصبی رجحان کے تحت حدیث بخاری کا یہ اہم ٹکڑا حذف کر دیا ہے۔

سلف صالحین کی طرح سیدہ عائشہؓ اور سیدہ فاطمہؓ کے درمیان افضلیت میں، میں مقابلہ کا قائل نہیں۔ مگر چونکہ آنحضرت ﷺ کی مختلف احادیث میں متعدد سیدات کی افضلیت کا بیان ہے، اس لئے حافظ ابن حجر نے سیدہ عائشہؓ اور سیدہ فاطمہؓ کی افضلیت پر فتح الباری کی جلد ۷ صفحات ۱۳۸، ۱۳۹ مطبوعہ دار الفکر، بیروت باب ''تزویج النبی خدیجہ'' کے ذیل میں

شنقیطی بھی اپنی تفسیر ضوء البیان (۱۰ جلدیں) میں حدیث الکساء کو صحیح مانتے ہیں، بلیغ الدین صاحب کا یہ قول کہ یہ "حدیث اہل سنت والجماعت کے نزدیک معتبر نہیں" کسی طرح درست نہیں، کیونکہ ابن کثیر، شیخ امین الشنقیطی اور مولانا مودودی اہل سنت میں ہی سے ہیں، وہ سب اس کو معتبر سمجھتے ہیں۔ پھر یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے وہ کون ہے جو امام مسلم کو معتبر نہیں سمجھتا؟ مجھ کو تو موصوف نے سبئی قرار دے دیا ہے مگر کیا امام مسلم بھی سبئی تھے؟

دلم بسوخت زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست ۔ اس مضمون کی بکثرت احادیث دوسرے صحابہ سے جن میں سیدہ عائشہؓ اور سیدہ اُم سلمہؓ بھی شامل ہیں ترمذی' مسند امام احمد، سنن بیہقیؒ وغیرہ میں موجود ہیں ۔

یہاں بلیغ الدین صاحب نے جو دوسرے اعتراضات اس حدیث پر اٹھائے ہیں اس کا جواب ہے کہ اس آیت کے نزول کا زمانہ ۵ھ نہیں بلکہ ۹ھ ہے (فتح الباری، ج ۸ ص ۵۴۲) اس وقت سیدہ زینبؓ اور سیدہ ام کلثومؓ وفات پا چکی تھیں، اور اس کے علاوہ اس موقع پر حضرت حسنؓ اور حسینؓ کا نام لئے بغیر (نہ معلوم ڈرکس کا ہے) یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس روایت میں مذکورہ بعض لوگ اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ یہ قطعاً غلط ہے تمام کتب طبقات و تاریخ میں درج ہے کہ سیدنا حسنؓ ۳ھ اور سیدنا حسینؓ ۴ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ بھی موصوف نے صحیح نہیں کہا کہ رقیہؓ کی اولاد زندہ تھی" حقیقت یہ ہے کہ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ چھ سال کی عمر میں وفات پا چکے تھے، (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد، جلد ۸ جمہرۃ الانساب تالیف ابن حزم القاہرہ ص ۸۳ کتاب المحبر تالیف ابن حبیب متوفی ۲۴۵ھ ص ۵۳) موصوف نے اس موقع پر اپنے دعوں کی تائید میں کوئی تاریخی حوالہ نہیں پیش کیا ہے، یہ علمی طریقہ نہیں ہے بغیر کسی دلیل اور مستند تاریخی حوالے کے اپنے دعووں کو تاریخی حقائق کہنا، بلیغ الدین صاحب کا طرۂ امتیاز ہے وہ میری تمام بحث کو سبئی گروہ کے خیالات کا مظہر قرار دیتے ہیں اس دشنام طرازی کی زدان محدثین کرام اور مفسرین عظام پر بھی پڑتی ہے جن کا حوالہ میں نے دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ

ناصبیت یعنی اہل بیت النبی علیہ سے بغض نے ان لوگوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، بلیغ الدین صاحب کی دیدہ دلیری دیکھئے کہ صحیح مسلم میں وارد حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث الکساء (چادر) کو موضوع کہہ رہے ہیں اور اس سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے دروغ بیانی سے کام لیا ہے کہ صحیح مسلم میں وارد اس حدیث الکساء (حدیث چادر) کو اہل سنت والجماعت معتبر نہیں سمجھتے ہیں، اہل سنت تو دس صحابہ سے مروی اس حدیث کو معتبر سمجھتے ہیں، ناصبی نہیں سمجھتے۔

۵۔ سیدہ ماریہ قبطیہؓ کے اسلام کا مسئلہ میں نے نہیں اٹھایا تھا، مسئلہ یہ تھا کہ تمام علمائے امت ان کو آنحضرت علیہ کی سریہ یا اُمّ الولد کہتے ہیں۔ قدیم کتب سیرت: السیرۃ النبویۃ' ابن ھشام 'طبقات ابن سعد اور ابن حزم کی جوامع السیرۃ ابن القیم کی زاد المعاد وغیرہ میں یہی درجہ ہے یہاں بلیغ الدین صاحب کا سیدہ جویریہؓ اور سیدہ صفیہؓ بنت حی ابن اخطب سے سیدہ ماریہؓ کا تقابل بے محل ہے کیونکہ ان دونوں کا آنحضرت علیہ سے عقد ہوا تھا۔ پہلی کا مہر ''مکاتبت'' کی رقم تھی اور دوسری کا عتق یعنی آزادی (زادالمعاد تالیف ابن القیم ج ۱ ص ۱۰۹ طبع بیروت ۱۹۸۰ء)

۶۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے نام کی غلطی پر میری گرفت کا مسئلہ اس سے قبل آچکا ہے کہ یہ طباعت کی غلطی تھی مگر موصوف کے مضمون میں ابن تیمیہ کے بجائے صرف تیمیہ لکھا ہے اور ایک جگہ عبدالمطلب کو صرف المطلب لکھا ہے کیا میں اس پر ان کی گرفت کروں؟ نہیں، میں اس کو کتابت کی غلطی سمجھتا ہوں، مگر موصوف نے اپنے قلم سے سُفینہ غلط لکھا ہے صحیح نام سَفینہ ہے دیکھئے القاموس المحیط تالیف فیروز آبادی مادۃ (س ف ن) اور اسماء الصحابہ الرواۃ تالیف ابن حزم ص ۴۸۴

۷۔ میں نے ابن حزم کی جوامع السیرۃ کا حوالہ نہیں دیا تھا بلکہ ان کی کتاب جمھرۃ الانساب کا حوالہ دیا تھا یہ دونوں کتابیں میری ذاتی لائبریری میں موجود ہیں

جوامع السیرۃ ایک بہت مختصر کتاب ہے جس میں ابن حزم نے سیرت کا خلاصہ پیش کیا ہے اہم کتاب جمھرۃ الانساب ہے۔ جوامع السیرۃ میں انہوں نے ضرور وہ لکھا ہے جس کا بلیغ الدین صاحب نے ذکر کیا ہے مگر اس باب میں مورخین کی کثرت اسی طرف مائل ہے کہ الطیب اور الطاہر دونوں حضرت عبداللہ ابن رسول اللہ ﷺ کے لقب تھے۔ ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد، سیرۃ ابن ھشام، عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر تالیف ابن سید الناس الاندلسی، کتاب المحبر تالیف محمد ابن حبیب، انساب الاشراف تالیف البلاذری ج ۱ ص ۴۰۵. البدایۃ والنھایہ ج ۲ ص ۲۹۴ زاد المعاد تالیف ابن القیم ج ۱ میں رسول اللہ ﷺ کی اولاد کا ذکر ہے) یہ سب کتابیں تمام لوگوں کے نزدیک مستند و معتبر ہیں اور پھر حافظ ابن القیم نے تو زادالمعاد فی ہدی خیرالعباد میں (جو سیرت نبی پر کافی مفصل اور انتہائی معتبر کتاب ہے) آنحضرت ﷺ کے صاحب زادگان پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اسی قول کو معتبر قرار دیا ہے کہ یہ دونوں لقب حضرت عبداللہ کے تھے اور آپ ﷺ کے صرف تین ہی صاحب زادگان تھے۔ لیکن اگر بلیغ الدین صاحب کو ابن حزم کے قول ہی پر اصرار ہے اور وہ ان ہی کو معتبر سمجھتے ہیں تو وہ ابن حزم کی اسی کتاب میں واردان باتوں کو بھی تسلیم کریں کہ

۱۔ حضرت رقیہؓ کے صرف ایک صاحب زادہ عبداللہ تھے جو چار سال کی عمر میں وفات پاگئے (ص ۳۹) جبکہ آپ ان کے بارے میں مورخ مسعودی کی غلط روایت کو مانتے ہیں کہ وہ بڑے ہوئے اور انہوں نے بہت سی شادیاں کیں۔

۲۔ اور ابن حزم کی یہ بات بھی تسلیم کریں کہ ابو طالب نے رسول اکرم ﷺ کی سرپرستی کی جبکہ آپ زبیر بن عبدالمطلب کو زبردستی میں آنحضرت ﷺ کا سرپرست ہیرو قرار دیتے ہیں۔

۳۔ یہ بھی تسلیم کریں کہ سیدہ امامہ بنت زینبؓ کی حضرت علیؓ سے کوئی اولاد نہیں تھی بلکہ ان کے دوسرے شوہر المغیرۃ ابن نوفل سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی (جوامع السیرہ ص ۳۹ طبع القاہرہ) جبکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ محمد الاوسط ان کے صاحب زادے تھے۔

اپنے اس اعتراض نمبر (۷) میں بلیغ الدین صاحب خانوادۂ نبوت کے اس چارٹ میں حضرت محسن ابن سیدہ فاطمہؓ کے نام کی عدم موجودگی کی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اس میں حضرت عبداللہ الاکبر ابن سیدہ رقیہؓ کا بھی ذکر نہیں۔" وہ چارٹ کو غور سے پڑھیں تو ان کو آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی سرخی کے نیچے نواسوں کی ذیلی سرخی میں نمبر (۲) پر حضرت عبداللہ بن عثمان کا نام نظر آئے گا تحریک انسداد غیر اسلامی مطبوعات کے ذمہ داروں سے اس بارے میں کوئی سہو نہیں ہوا ہے الا یہ کے آپ کی مراد یہاں عبداللہ الاکبر کے بجائے عبداللہ الاصغر ہو جو صرف آپ کا دعویٰ ہے۔

اور اس کے بعد کسی دلیل کے بغیر دوسری بار مجھ پر بدنیتی کا الزام لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ رضوان علی صاحب چارٹ میں حضرت رقیہؓ کے صاحبزادوں کے نام دیکھنا نہیں چاہتے ہیں۔ اور پھر وہ پہلی مرتبہ مسعودی کی مروج الذہب سے ایک جملہ عربی میں نقل کرکے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت رقیہؓ کے دو صاحب زادے تھے۔ عبدالله الاكبر و عبدالله الاصغر وكان عبدالله الاكبر يلقب بالمطرف لجماله وحسنه وكان كثير التزويج ويلغ عبدالله الاصغر من السن ستا وسبعين" یہاں بلیغ الدین صاحب نے کثیر الطلاق اور کچھ دوسری عبارت کو چھوڑ کر نقطے لگا دیئے ہیں اس جگہ پر کثیر الطلاق" کے بعد جو عبارت ہے اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ وہ مجھے مسعودی رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

جی ہاں مجھے یہ کتاب معلوم ہے اور تمام عرب مؤرخین کی طرح مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ المسعودی شیعہ تھا، جن کو بلیغ الدین صاحب سنی کہتے ہیں۔ یہ چوتھی صدی ہجری کا مؤرخ ہے (وفات ۳۴۶ھ) کوئی شک نہیں کہ وہ بہت بڑا مؤرخ تھا مگر اس کی کتاب میں قصص و حکایات کی بھرمار ہے، اور مطبوعہ نسخہ میں کافی اغلاط ہیں۔ پھر وہ علم الانساب کا بھی ماہر نہیں، اور اس کا وہ مقام نہیں جو طبری، بلاذری، ابن الاثیر وابن کثیر وغیرہ مؤرخین کا ہے۔ اس کی یہ روایت قطعاً غلط ہے۔ جس کو میں ابھی ثابت کروں گا لیکن اس سے قبل میں بلیغ

الدین صاحب سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ مروج الذہب کے اس صفحہ پر چند سطروں کے بعد مسعودی کا حضرت عثمان کے دوسرے صاحب زادے الولید کے بارے میں یہ بیان پسند کرتے ہیں۔ **وکان الولید صاحب شراب و فتوۃ ومجون وقتل ابوہ وھو مخلق الوجہ سکران علیہ مصبغات واسعۃ** (۲۱ص ۳۴۱) یعنی جس وقت ان کے والد (حضرت عثمان) کا انتقال ہوا اس وقت وہ اپنے چہرہ پر خوشبو ملے ہوئے شراب کے نشے میں خاص رنگین کپڑے پہن کر محفل شراب میں تھے) یہ ہے جناب بلیغ الدین صاحب کا مسعودی! بلکہ مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موصوف نے نقطے لگا کر جو خالی جگہ چھوڑ دی ہے اس میں بہت کچھ چھپانے کی کوشش کی گئی ہے مسعودی عبداللہ الاکبر کو کثیر التزویج، کثیر الطلاق (یعنی بہت زیادہ شادیاں کرنے والے اور بہت زیادہ طلاق دینے والے) کہنے کے فوراً بعد حضرت عثمان کے دوسرے صاحب زادے ابان بن عثمان کے بارے میں جو سیرت نبوی کے قدیم ترین مصنف اور محدث اور مجاہد رہے ہیں لکھتا ہے "**وکان ابان ابرص احول قد حمل عنہ اصحاب الحدیث عدۃ من السنن وولی لبنی مروان مکہ وغیرھا**" اور ساتھ ہی ایک دوسرے صاحب زادہ سعید بن عثمان کے بارے میں لکھا ہے **وکان سعید احول بخیلا وقتل فی زمن معاویۃ** (اس کا مطلب ہے ابان بن عثمان برص زدہ بھینگے تھے۔ اہل حدیث نے ان سے کچھ سنن (یعنی احادیث) پڑھیں اور وہ بنی مروان کے عہد میں مکہ وغیرہ کے والی رہے اور سعید بھی بھینگے اور کنجوس تھے معاویہ کے زمانے میں قتل کئے گئے) حضرت عثمانؓ کے تین صاحب زادوں کے مسعودی نے یہ اوصاف بیان کئے ہیں جس میں اس کی شیعیت کی جھلک پوری طرح نظر آتی ہیں اور بلیغ الدین صاحب اسی سے ایک غلط روایت پر استدلال کرنا چاہتے ہیں ریاض کے علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز نے بجا طور پر فتح الباری فی شرح البخاری کے ایک حاشیہ میں اس کو شیعی محترق کذاب (جل ککڑا اور جھوٹا شیعی) لکھا ہے یعنی جہاں تک ان واقعات کا معاملہ ہے جن کا تعلق خلفاء راشدین اور ان کے خاندان واہل قرابت سے ہے۔

اب میں مسعودی کے اس بیان کی کہ حضرت رقیہ کے دو صاحب زادے تھے عبداللہ الاکبر المطرف اور عبداللہ الاصغر کی طرف آتا ہوں، یہ سب قطعاً غلط ہے، حضرت عثمان کے سیدہ رقیہ کے بطن سے صرف ایک صاحب زادے تھے، یعنی عبداللہ جن کا چھ سال کی عمر میں انتقال ہوا، اور آں حضرت نے خود ان کے دفن میں حصہ لیا، ان کی وفات کی تفصیل طبقات ابن سعد میں ہے کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ کو کچھ اس طرح زخمی کیا کہ وہ اس سے جانبر نہ ہو سکے یہ ۴ھ کا واقعہ ہے (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۴ محمد ابن حبیب کی کتاب المحبر ص ۵۳ ابن حزم کی جمهرة الانساب ص ۸۳ ابن کثیر کی البداية والنهاية ج ۵ ص ۲۰۸ بلاذری کی انساب الاشراف ج ۵ ص ۱۰۵ طبع القدس ۱۹۳۶ء) یہ واقعہ اس قدر مشہور تھا کہ مشہور ادیب و مفکر اور عالم جاحظ نے اپنی کتاب "الحیوان" میں مرغ کے جرائم "جنایات الدیک" میں اس واقعہ کو ذکر کیا ہے یعنی مرغوں کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ ان میں سے ایک نے عبداللہ ابن عثمان کی آنکھ کو زخمی کر کے انہیں شہید کر دیا" کتاب الحیوان جلد ۱ ص ۳۷۵ طبع مصر ۱۹۶۵ء)

اور پھر المطرف ان عبداللہ بن عثمان کا لقب نہیں تھا بلکہ وہ سیدنا عثمان کے پوتے عبداللہ ابن عمرو بن عثمان کا لقب تھا ملاحظہ ہو "علم انساب کے قدیم ترین ماہر اور ثقہ مؤرخ و محدث مصعب الزبیری متوفی ۲۳۶ھ کی کتاب "نسب قریش طبع مصر ص ۱۱۲ البیان والتّبیین ص ۳۵۷ جمهرة الانساب تالیف البلاذری ج ۵ ص ۱۰۷، ۱۰۸ الاخبار الموفقیات تالیف زبیر ابن بکار متوفی ۲۵۶ھ الشریف المرتضیٰ کی امالی ج ۱ ص ۳۹۷ ان سب کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دوست تھے۔

جہاں تک عبداللہ الاصغر کا تعلق ہے تو ان کی ماں سیدہ رقیہؓ نہیں بلکہ فاختہ بنت غزوان تھیں طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۴ انساب الاشراف البلاذری ج ۵ ص ۵۱ سیدنا عثمان کی اولاد اور ان کے پوتوں کا ذکر بلاذری نے انساب الاشراف کی پانچویں جلد (طبع القدس) ۱۹۳۶ء میں بہت تفصیل سے کیا ہے اور سب کی ماؤں کا نام بھی لکھا ہے وہ

لکھتا ہے کہ حضرت عثمان کے سب سے بڑے بیٹے کا نام عمرو بن عثمان تھا۔ اور ان کے دو بیٹوں کا نام بھی عبداللہ الاکبر اور عبداللہ الاصغر تھا اور ان عبداللہ الاکبر بن عمرو بن عثمانؓ کی ماں حفصہ بنت عبداللہ بن عمر بن خطاب تھیں اور انہیں کا لقب المطرف تھا۔ اور یہی عبداللہ المطرف ابن عمرو بن عثمانؓ تھے جو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے بہت مشہور و مرغوب تھے، مسعودی نے سیدنا عثمان کو بدنام کرنے کے لئے ان عبداللہ الاکبر کو حضرت عثمان کا بیٹا بنا دیا، اور ان سے وہ باتیں منسوب کر دیں کہ جو کسی اور قدیم عربی تاریخ میں نظر نہیں آتیں اور یہ صرف اس لئے کہ سیدنا حسن کے مقابلے میں جو بہت زیادہ شادیاں کرنے اور طلاق دینے میں مشہور تھے وہ سیدنا عثمان کے ایک صاحب زادے کی طویل عمر کو دروغ گوئی کے ساتھ پیش کرے، اور جہاں تک عبداللہ الاصغر اور ان کی طویل عمر کا تعلق ہے تو اسی مسعودی نے اپنی دوسری کتاب التنبیہ والاشراف میں (جو مروج الذہب کے بعد لکھی گئی ہے) عبداللہ الاصغر کو حضرت رقیہ کی اولاد نہیں کہا ہے (ص ۲۵۵)۔

جہاں تک امام ابن تیمیہ کی منہاج السنہ (اس کی طباعت ۱۳۳۲ھ صحیح نہیں بلکہ ۱۳۲۱ھ ہے اور یہ قاہرہ کے مشہور قدیم مطبع بولاق میں چھپی تھی) کا تعلق ہے اس میں ضرور عبداللہ بن عثمان اور ان سے حضرت علی زین العابدین کے روایت سننے کا ذکر ہے مگر یا تو یہ طباعت کی غلطی ہے یا اس میں امام ابن تیمیہ سے سہو ہوا ہے جس طرح خود بلیغ الدین صاحب نے ابن تیمیہ کا نام ایک مرتبہ صرف ''تیمیہ'' اور ایک مرتبہ عبدالمطلب کا نام صرف ''مطلب'' لکھا ہے۔ (یہ دونوں شخصیات علیحدہ تھیں) اس طرح کے سہو یا اغلاط طبع کی قدیم و جدید کتب میں کثیر مثالیں نظر آتی ہیں بہر حال اس کتاب سے استدلال درست نہیں کیونکہ یہ علم الانساب اور تاریخ سے متعلق نہیں بلکہ شیعہ مصنف ابن المطہر کی کتاب کا رد ہے اور عقائد سے متعلق ہے اس کے مقابلہ میں وہ متعدد تاریخی حوالے زیادہ معتبر ہیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔

یہاں امام مالک، امام اوزاعی، امام شافعی وغیرہ چھ قدیم فقہاء کا ذکر کرنا کہ ان کے

پاس نہ عبداللہ ابن رقیہ کے چھ سال میں وفات پانے کا ذکر ہے نہ وفات کی وجہ، قطعاً بے محل و بے فائدہ ہے کیونکہ ان میں سے کسی نے انساب و تاریخ پر کوئی کتاب نہیں لکھی ہے۔ بلیغ الدین صاحب ان کی کسی ایسی کتاب کا اگر واقعی انہوں نے لکھی ہے حوالہ دے کر یہ بات لکھتے تو اس کی کوئی قیمت ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان ائمہ کے ناموں کا ذکر کر کے اپنے قاری پر رعب ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہ دروغ بیانی ہے، یا افسوسناک جہالت۔

اور پھر موصوف نے یہ انتہائی حیرت انگیز انکشاف کیا ہے کہ ان حضرت عبداللہ الاصغر ابن سیدنا عثمانؓ کی نسل آج بھی حبشہ، ملتان، کشمیر، اور دیگر علاقوں میں موجود ہے مگر اس سلسلے میں کوئی استدلال اور افراد کے نام پیش نہیں کیے ہیں۔ یہ تو ایک ایسا انکشاف ہے کہ اس کے بارے میں عرب ممالک کی اکاڈمیوں کو مطلع کرنا چاہیئے کیونکہ سیدنا عثمانؓ آخرکار ایک عرب تھے' اور حیرت ہے کہ خود عرب حضرات اس خطہ میں موجود ان کی نسل سے بے خبر ہیں، یہاں تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ ساری عرب دنیا چھوڑ کر آخر ان عجمی ملکوں ہی میں کیوں آباد ہوئے۔ اور پھر طویل اموی عہد تو ان کے قریبی اقارب کا تھا کوئی ان کی بیخ کنی نہیں کر رہا تھا۔ اس کے بعد عباسی عہد میں بھی کافی اموی خاص طور پر شام، مغربی عرب اور اندلس میں آباد رہے، اندلس میں تو ان کی حکومت تقریباً تین سو سال تک رہی، پھر آخر وہ ان سب علاقوں کو چھوڑ کر ان عجمی ممالک اور خاص طور پر کشمیر جیسے علاقہ میں کیسے اور کب آباد ہوئے؟ کشمیر کے علاقہ کو تو محمود غزنوی بھی فتح کرنے میں ناکام رہا تھا۔ عباسیوں نے سیدنا حسنؓ و حسینؓ کی اولاد کو تو ان کی متواتر انقلابی تحریکوں کی وجہ سے کچلنے کی کوشش کی مگر تاریخ نے سیدنا عثمانؓ کی اولاد کی کسی بغاوت کا ذکر نہیں کیا۔ اور خود مسعودی نے لکھا ہے کہ عبداللہ الاصغر کی جو حضرت رقیہؓ کے صاحب زادے تھے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

کسی بھی ایسے انسان کو جس کی تاریخ اسلام پر گہری اور وسیع نظر ہو بلیغ الدین صاحب کی یہ بات جو بغیر کسی مستند حوالے کے کہی گئی ہے ایک قصہ گوئی اور افسانہ طرازی معلوم ہوگی۔

اس موقعہ پر مجھے قادیانیوں کی یہ عجیب وغریب تحقیق یاد آرہی ہے کہ سیدنا عیسیٰؑ کشمیر میں مدفون ہیں۔ سر ظفر اللہ خاں نے ایک مرتبہ کیمبرج اور لندن کے مابین ریل کے سفر میں مجھ سے یہ بات کہی۔ میں عید کی نماز کے لئے ۱۹۶۱ء میں کیمبرج سے لندن جارہا تھا اور وہ بھی وہیں جارہے تھے کیونکہ ان کی فلسطینی نئی بیوی کیمبرج میں مقیم تھیں۔ اتفاق سے جس ڈبے میں، میں داخل ہوا، وہ وہاں موجود تھے۔ میں اسلامک سینٹر (ریجنٹ پارک) جا رہا تھا اور وہ قادیانیوں کی مسجد پٹنی جارہے تھے۔ قریب بیٹھے ہوئے کچھ باتیں چھڑ گئیں اور انہوں نے حسب معمول اپنے عقائد کی خاص باتیں کیں، جن میں سے یہ بھی ایک بات تھی۔ میں حیران تھا کہ اتنا قابل انسان کس طرح یہ بے پر کی بات کر رہا ہے۔ جس طرح میرے اعلیٰ تعلیم یافتہ مصر کے ایک دوست میرے زمانہ قیام مصر (۱۹۵۳ء۔۱۹۵۵ء) میں حیران ہو کر مجھ سے کہتے تھے کہ ایک ایسا عالمی شہرت یافتہ شخص اور تمہارا وزیر خارجہ خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے بعد ایک اور عام انسان کو کس طرح نبی مانتا ہے۔ میں ان کو قرآن کریم کی یہ آیت یاد دلاتا تھا۔ واضلّھم اللہ علی علم (اور علم کے باوجود وہ لوگ گمراہ رہے)۔

اموی اور ہاشمی نسبتوں کو رسول اللہ ﷺ کے دامادوں کے سلسلے میں بطور خاص نمایاں کرنے کو بلیغ الدین صاحب عصبیت نہیں سمجھتے ہیں اور اس کو ''ندوی'' کی طرح ایک نسبت سمجھتے ہوئے مجھ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ یہ بڑی جاہلانہ بات ہے۔ ندوی تو ایک علمی نسبت ہے جیسے ازھری یا دیوبندی یا علیگ جبکہ اموی و ہاشمی قبائلی نسبتیں ہیں۔ موصوف شاید اس حقیقت سے واقف نہیں کہ مستشرقین نے جنگ صفین کو ہاشمی واموی عصبیت کا رنگ دیا ہے، اور پھر اسی عصبیت کو مشرق ومغرب میں بنی امیہ اور بنی عباس کے اختلاف اور جنگوں کا سبب بتایا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اموی حکومت قائم ہوئی اور اسی انداز میں بہت سے معاصر عرب مؤرخ جو عرب قومیت سے متاثر ہیں اس اختلاف کو دیکھتے ہیں۔ اس کا وسعت نظر سے کیا تعلق؟ وسعت نظر تو یہ ہے کہ قدیم عربی اسلامی شاعر کی طرح کہا جائے:

ابی الاسلام لا اب لی سواہ

اذا افتخروا بقیس او تمیم

(اسلام ہی میرا باپ ہے اس کے سوا میرا کوئی باپ نہیں جبکہ لوگ اپنے باپوں قیس اور تمیم پر فخر کرتے ہیں)

یہاں بلیغ الدین صاحب کی یہ منطق عجیب ہے کہ ایک چارٹ جو بقول ان کے خانوادۂ نبوت کے انساب پر مبنی ہے اس میں حضرت علی ابن ابی العاص ابن الربیع کا غلط نسب لکھنے سے اور ان کو اموی بتانے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اور ان ہی علی بن ابی العاص کے بارے میں جو سیدہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے صاحب زادے تھے موصوف کا یہ کہنا کہ یہ روایت موجود ہے کہ وہ جوان اور شادی شدہ تھے" ایک بلا دلیل دعویٰ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں موصوف نے اپنی بیان کردہ اس انتہائی اہم روایت کے لئے کوئی حوالہ نہیں دیا جبکہ متعدد محدثین و مورخین کی کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ وہ ابتدائے جوانی میں انتقال فرما گئے تھے۔ ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۰ جمہرۃ الانساب تالیف ابن حزم ص ۴۰ جوامع السیرۃ تالیف ابن حزم ص ۳۹ فتح الباری ج ۷ ص ۸۵)۔

یہی نہیں بلکہ میرے ناقد بلیغ الدین صاحب ایک عجیب انکشاف فرماتے ہیں اور وہ بھی بغیر کسی تاریخی حوالے کے یہ علی ابن ابی العاص جنگ یرموک ۱۳ھ میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ حوالے کے لئے انہوں نے صرف اتنا لکھ دیا کہ دیکھئے ابن عساکر یہ مشہور روایت ہے سبحان اللہ! کیسا عجیب حوالہ ہے اور کیسی مشہور روایت، ابن عساکر علی ابن الحسن بن ھبۃ اللہ بن عساکر کی تاریخ دمشق اسی (۸۰) جلدوں میں ہے جس کی متعدد جلدیں مختلف اوقات میں دمشق کی اکیڈمی (مجمع اللغۃ دمشق) کی طرف سے مختلف شامی محققین کی تحقیق سے چھپ چکی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ اب موصوف بتائیں کہ یہ مشہور روایت کس جلد میں ہے یا پھر انہوں نے کسی اردو کی کتاب سے ابن عساکر کا نام یونہی ذکر کر دیا ہے مجھے یقین ہے کہ بلیغ الدین صاحب نے اس کتاب کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے کیونکہ وہ عربی سے نابلد ہیں۔ اگر یہ مشہور روایت ہے تو طبری، ابن سعد، ابن الاثیر، ابن کثیر اور ابن خلدون

وغیرہ مشہور مؤرخین کی تواریخ میں کیوں نہیں ان میں سے تو کوئی سبئی نہیں تھا۔

جنگ یرموک کا تفصیلی ذکر طبری میں ہے اور اس سے زیادہ مفصل ذکر ''فتوح الشام'' میں ہے جو واقدی کی طرف منسوب کی جاتی ہے (یہ حقیقت میں واقدی کی کتاب نہیں بعد کے کسی مصنف کی ہے) اس میں ان سینکڑوں مشہور صحابہ کے نام مذکور ہیں جنہوں نے اس جنگ میں حصہ لیا، اس میں صحابہؓ و اولاد صحابہؓ میں سے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی حضرت عثمان غنیؓ کے صاحب زادے ابان بن عثمان کا ذکر ہے جو سیدنا عثمانؓ کی ایک دوسری بیوی کے بطن سے تھے۔ پھر حضورﷺ کے نواسے حضرت علی بن ابی العاص بن الربیع سے اس کے مصنف کو کیا کد تھی کہ ان کا ذکر اس نے نہیں کیا؟

اس موقع پر جناب بلیغ الدین صاحب نے خطابت کے انداز میں علامہ اقبال کے تین شعر بھی بانگ درا سے نقل کیے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ جنگ یرموک کا جو واقعہ علامہ اقبال نے لکھا ہے وہ انہیں کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کی بھی تخمین وظن سے بھی زیادہ کوئی حقیقت نہیں کیونکہ علامہ اقبال نے کہیں بھی ان کا نام نہیں لکھا ہے اگر ان کو اس کا شبہ بھی ہوتا تو وہ ضرور ذکر کرتے۔ کیونکہ وہ عربی اچھی خاصی جانتے تھے۔ علامہ نے فتوح الشام پڑھی ہوگی، اقبالؔ کے جس شعر سے بلیغ الدین صاحب نے استدلال کیا ہے اس میں صرف ایک نامعلوم ''اک نوجوان صورت سیماب مضطرب'' کا ذکر ہے۔ اس کا ذکر ''فتوح الشام'' میں بھی اس مجہول صیغہ سے ہے اور اسی لئے اقبالؔ نے کوئی نام نہیں لیا ہے۔ جنگ یرموک کے سلسلہ میں کتاب ''فتوح الشام'' میں اس نوجوان کے سلسلہ میں جو کچھ مذکور ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: ''اور جس نے سب سے پہلے جنگ یرموک میں معرکہ کا آغاز کیا، وہ قبیلہ ازد کا ایک ہوشیار اور کم عمر نوجوان تھا اس نے حضرت ابو عبیدہؓ سے کہا کہ اے امیر، میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے دل کو تسکین پہنچاؤں اور میں اپنے اور اسلام کے دشمن سے جہاد کروں اور اللہ کے راستہ میں اپنی جان پیش کروں، شاید وہ مجھے شہادت نصیب فرمائے، کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اجازت دی۔ پھر یہ نوجوان آگے بڑھا اور اس نے

چار شہسواروں کو قتل کیا اور اس کے بعد خود شہید ہو گیا'' (فتوح الشام طبع، دارالجیل بیروت، ج ا ص ۱۰۵) یہاں اس نوجوان سے مراد علیؓ بن ابی العاص نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ نوجوان یمنی قبیلہ ازد کا تھا، جبکہ حضرت زینب کے صاحب زادے قرشی تھے۔

فتح مکہ کے موقع پر ان علی بن ابی العاص کا آنحضرت ﷺ کا ردیف ہونا اور آپ کے کندھوں پر سوار ہو کر کعبہ کے بت توڑنا کسی بھی مستند سیرت میں مذکور نہیں، بلیغ الدین صاحب نے ایسے اہم موضوع پر ایک بھی حوالہ نہیں دیا ہے بعض کتب حدیث میں حضرت علیؓ کے حضور ﷺ کے کاندھوں پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں کعبہ کی چھت سے ایک بت گرانے کا ذکر ہے وہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے اور اس میں سیدنا علی بن ابی طالب کا نام صراحت سے مذکور ہے۔ (مسند احمد بن حنبل حدیث ۶۴۴ و تهذیب الاثار جلد ۴ مسند علی بن ابی طالب تالیف الامام الطبری ص ۲۳۶)۔

بلیغ الدین صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ یہ علی ابن العاص اور ان کی بہن امامہ بنت زینبؓ نماز کے وقت حضور اکرم ﷺ کے کندھوں پر سوار رہتے تھے یہ درست نہیں صحیح مسلم میں صرف امامہ بنت زینبؓ کا ذکر ہے کہ وہ اس وقت چھوٹی تھیں۔

۱۰۔ سیدہ امامہؓ بنت ابی العاص کے بطن سے حضرت علیؓ کی کوئی اولاد ہوئی جن کا نام محمد الاوسط تھا۔ اس کے لئے بلیغ الدین صاحب نے اردو کی دائرۃ المعارف یونیورسٹی آف پنجاب کا حوالہ دیا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ علمی طریقہ کے مطابق مقالہ نگار کا نام دینا چاہئے تھا اور وہ قدیم مآخذ جن پر اس مقالہ نگار صاحب نے اعتماد کیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ان کو اس موضوع پر کسی قدیم عرب مؤرخ کا حوالہ دینا چاہئے تھا۔ شاہ معین الدین ندوی صاحب کی کتاب ''خلفائے راشدین'' کے متعلق بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے، پھر وہ ایک عام کتاب ہے، مصعب الزبیری کی ''نسب قریش'' اور ابن حزم کی جوامع السیرۃ ان کے سامنے نہ تھی ورنہ وہ غالباً یہ بات نہ لکھتے۔ علامہ

ابن حزم نے جن پر بلیغ الدین صاحب کو اعتبار ہے "جوامع السیرۃ" (ص ۳۹) میں تصریح کی ہے کہ تزوجها علی ابن ابی طالب بعد فاطمة فلم تلد له ومات عنها فتزوجها المغيرة بن نوفل بن الحارث فماتت عنده ولم تلدله (یعنی حضرت علیؓ نے ان سے شادی کی، اور ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور ان کی وفات ہوگئی پھر مغیرہ بن نوفل بن الحارث نے ان سے شادی کی اور ان کی زوجیت میں ان کا (امامہ) کا انتقال ہوگیا اور امامہ سے ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی)۔

صرف بلاذری نے انساب الاشراف (ج ۱ ص ۴۰۰) میں ان محمد الاوسط کا ذکر کیا ہے، مگر بروایت الواقدی جس کو بلیغ الدین زور وشور سے کذاب کہتے ہیں۔ ابن حزم نے جمهرة الانساب میں تفصیل سے سیدنا علیؓ کی اولاد کا ذکر کیا ہے اور اس میں کسی محمد الاوسط کا ذکر نہیں، محمد بن الحنفية کے علاوہ ایک محمد الاصغر کا ذکر ہے محمد بن حبیب متوفی ۲۴۵ھ کی مشہور اور مستند کتاب المحبّر میں جو ان خاندانی امور سے بطور خاص متعلق ہے کہیں سیدہ امامہؓ کے ان صاحب زادے کا ذکر نہیں۔ پھر واقدی ہی اپنی اس روایت میں یہ کہتا ہے کہ علیؓ بن ابی العاص (یعنی حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے) چھوٹی عمر میں انتقال کر گئے جس کو بلیغ الدین صاحب تسلیم نہیں کرتے اور آپ کو جنگ میں ایک ہیرو کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں نہ معلوم انہوں نے یہ انساب الاشراف پڑھی بھی ہے کہ نہیں، غالبًا اردو میں تو اس کا ترجمہ ہوا نہیں ہے۔ اور موصوف عربی زبان سے نابلد ہیں۔

۱۱۔ بلیغ الدین صاحب نے مجھ پر رسول ﷺ کے بڑے داماد کے خلاف عصبیت کا الزام لگایا ہے اور یہ کہ میں نے قارئین کو متاثر کرنے کے لئے حضرت زینبؓ کی شادی کے وقت کافر لکھا ہے۔ یہ ایک بے بنیاد الزام ہے۔ میں نے کوئی بات قارئین کو متاثر کرنے کے لئے نہیں لکھی تھی اور نہ ہی کسی عصبیت کے جذبہ سے۔ میں عصبیتوں کے ماحول سے پاک تیس سال تک بہت دور ایسے عرب ممالک میں رہا ہوں جہاں اس

طرح کی عصبیتیں وجود نہیں رکھتیں۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا تاریخی حقیقت کے طور پر لکھا تھا اور جناب معترض آنحضرت ﷺ کے بڑے داماد کا اس طرح ذکر کر کے قارئین کو میرے خلاف بھڑکانا چاہتے ہیں۔ مسلمان جانتے ہیں کہ نبی اسلام کے یہاں بڑے داماد اور چھوٹے داماد یا سالی وسسر بلکہ چچا تک کے رشتوں پر فضیلت درجات کا فیصلہ نہیں ہوتا تھا، بلکہ اسلام میں سبقت اس کے لئے جان ومال کی قربانی اور حبیب خدا کے لئے جذبہ جان نثاری میزان تھے۔ غلامان اسلام بلال وصہیب و خباب اسی لئے ان رشتوں سے افضل تھے اور یہی اللہ رب العزت کا فیصلہ ہے۔ **فضل الله المجاهدين باموالهم وانفسهم على القاعدين درجة** (اپنے مال وجان سے جہاد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے جہاد سے بیٹھے رہنے والوں پر فضیلت دی ہے، النساء، ۹۵) اور اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک جانثار ابو دجانہؓ سے معرکہ احد کے سخت لمحات میں وہ الفاظِ احسان شناسی کہے تھے جو کسی بھی غلامِ رسول کے لئے معراج فضیلت ہیں۔ **ارم فداک ابی وامی** (یعنی چلائے جاؤ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں)۔

اور اب موصوف کے اعتراضات کے جواب میں کہ بتایئے حضور اکرم ﷺ کے کون سے داماد پہلے کافر نہیں تھے؟ عرض ہے کہ میرا مقصد دامادی کے وقت کفر سے تھا جہاں تک اور دامادوں یعنی سیدنا علی وسیدنا عثمان ذی النورین کا تعلق ہے تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی صاحب زادیوں فاطمہؓ رقیہؓ اور ام کلثومؓ سے شادی کے وقت یہ دونوں مسلمان تھے بلکہ "**السابقون الاولون**" میں سے تھے بخلاف **ابو العاص بن الربیع** کے۔ طبقات ابن سعد اور دوسری مستند کتب سیرت میں مذکور ہے کہ رسول ﷺ نے حضرت زینبؓ کی شادی ان سے سیدہ خدیجہؓ کی فرمائش پر کر دی تھی کیونکہ وہ ان کے بھانجے تھے اور ان کی اولاد کی طرح تھے اور حضور اکرم ﷺ سیدہ خدیجہؓ کی بات کو رد نہیں فرماتے تھے (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۶۱ ـ ۶۵۲) یہاں اس نکتے کا بھی ذکر ہے کہ یہ بعثت نبوی

سے قبل کی بات ہے پھر بعثت کے بعد سیدہ زینبؓ تو اسلام لے آئیں مگر ابوالعاص اپنے کفر پر قائم رہے اس وقت تک ایسی شادیوں کی حرمت نہیں اتری تھی، کیونکہ یہ حرمت مدینہ میں سورۂ بقرہ میں نازل ہوئی۔ پھر یہ بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہی **ابو العاص بن الربیع** جنگ بدر میں کفار قریش کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے لڑنے کے لئے آئے تھے، اور جنگ میں قیدی بنے تھے۔ سیدہ زینبؓ نے ان کی رہائی کے لئے فدیہ میں اپنا ایک سونے کا ہار بھیجا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی مرضی سے حضور ﷺ نے یہ ہار واپس فرما دیا تھا۔ ابو العاص نے اس وعدہ کی پاسداری کی اور حضرت زینبؓ کو حضور کے نمائندہ زید بن حارثہ کے ساتھ واپس بھیج دیا، جس کی تفصیل ابن ہشام اور دوسری کتب سیرت میں مذکور ہے۔ اس ایفائے عہد کی آں حضرت نے تعریف کرتے ہوئے صرف دو الفاظ فرمائے تھے "فحدثنی و صدقنی" (صحیح بخاری مسلم باب فضائل فاطمہؓ) بعض دوسری روایات میں "وعدنی فوفی لی" (فتح الباری ج ۷ ص ۸۵) کے الفاظ آتے ہیں یعنی مجھ سے ابوالعاص نے جو بات کی اس کو پورا کیا، یا جو وعدہ کیا اس کا ایفاء کیا۔ تفصیل کے لئے (ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۵۲، ۶۵۴ طبع مصر ۱۹۵۵ء) اور یہ اس موقع کی بات ہے جب سیدنا علی نے ابوجہل کی بیٹی سے شادی کا ارادہ کیا تھا تو آں حضرت ﷺ نے اس پر اعتراض فرمایا تھا۔

یہی وہ دو لفظ ہیں جن کو بلیغ الدین صاحب جوش خطابت میں ابو العاص کی "حضور اکرم ﷺ کی زبانی برسر منبر فضیلت کا نام دیتے ہیں اس کا سیاق وسباق اب قارئین کے لئے واضح ہو گیا اور مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موصوف نے شعوری یا لاشعوری طور پر یہ غلط لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی منقبت کی روایتوں (روائتوں صحیح نہیں) میں تقابل کے ساتھ ان (یعنی ابوالعاص) کی توصیف آئی ہے۔ ہرگز نہیں، یہ بالکل غلط بات ہے۔ حضرت علیؓ کی منقبت میں تو بخاری، مسلم، ترمذی وغیرھا تمام کتب احادیث میں کتنی ہی صحیح روایات بلکہ ابواب ہیں اور ابو العاص بن الربیع کے بارے میں سوائے ان دو لفظوں کے کوئی روایت نہیں۔ یہ ناصبی بغض علیؓ کی انتہا ہے۔

۱۲۔ بغیر کسی دلیل و برہان کے صرف دعویٰ کرنا کوئی علمی طریقہ نہیں محض عوامی خطابت ہے، علیؓ کے ساتھ ان دوسرے داماد کا کیا تقابل ہوسکتا ہے جو جنگ بدر میں معافی اور رہائی کے بعد بھی چھ سال تک کافر رہے اور اواخر ۷ھ میں جب شام سے تجارتی قافلے میں واپسی کے وقت مدینہ کے قریب دوبارہ اسیر ہوئے تو سیدہ زینبؓ کی پناہ لی (جو مدینہ میں آچکی تھیں) اور حضور اکرم ﷺ اور صحابہ نے یہ پناہ قبول فرمائی، تو وہ مکہ مکرمہ تجارتی امانتیں واپس کرنے گئے اور واپس کر اسلام لائے، اور صحیح روایت کے مطابق عقد ثانی کے بعد) ۷ھ کے شروع میں سیدہ زینبؓ ان کی زوجیت میں آئیں۔ (طبقات ابن سعد ج۸ ص۳۳ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۷) اور پھر تقریباً ایک سال بعد ہی سیدہ زینبؓ اوائل ۸ھ میں وفات پا گئیں (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۳۰) اس طرح اسلام کے بعد وہ صرف ایک سال رسول اکرم ﷺ کی دامادی میں رہے پھر یہ رشتہ سیدہ زینبؓ کی وفات سے ختم ہوگیا اور ان کا اس کے بعد کہیں ذکر نہیں ملتا، صرف یہ کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں ۱۲ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ (البدایة والنہایة ج ۶ ص ۶۵۴) اب یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ بحالت مجبوری اسلام لائے تھے اور اسلام کی خدمت اور جہاد میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔

جہاں تک دوسرے دو دامادوں کا تعلق ہے یعنی سیدنا علیؓ وسیدنا عثمانؓ تو ان کی شادیاں آنحضرت ﷺ کی صاحب زادیوں سے بحالت اسلام ہوئیں، ان میں سے کوئی بھی شادی کے وقت حالت کفر میں نہیں تھا۔ سیدہ رقیہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی نسبت عتبہ بن ابی لہب سے ہوئی تھی لیکن رخصتی سے قبل ''سورہ تبت یدا ابی لھب'' کے اترتے ہی ابولہب اور ام جمیل کے اصرار پر یہ نکاح ٹوٹ گیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶)

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کون سا داماد کب کافر تھا بلکہ یہ ہے کہ دامادی کے وقت صرف ابوالعاص ابن الربیع کافر تھے' باقی دونوں داماد اس وقت قدیم مسلمانوں اور ''السابقون الاولون'' میں سے تھے۔ شادیوں سے قبل اسلام کے لئے ان کی انتہائی زبردست خدمات

تھیں۔ اور وہ خلفائے راشدین میں سے ہیں جن کے بارے میں ہے کہ علیکم بسنتی وسنۃ الخفاء الراشدین المھدیین" الحدیث (مسلمانو!) تم پر واجب ہے کہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بلیغ الدین صاحب کو سیدہ فاطمہؓ حضرت علیؓ اور ان کے خاندان سے اس قدر بغض کیوں ہے، وہ ان کے فضائل کے ذکر سے کیوں چڑتے ہیں، یہ وہ انداز فکر ہے جو میں نے محمود عباسی کی کتاب ''خلافت معایہ و یزید'' میں پایا ہے۔

شیعہ حضرات جن کو بلیغ الدین صاحب سبئی گروہ کا نام دیتے ہیں، اگر ان اہل بیت کی تعظیم و تقدیس میں غلو کرتے اور ان سے وہ باتیں منسوب کرتے ہیں جو صحیح روایات اور موثوق کتب تاریخ میں مذکور نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے مقابل ابو العاص بن الربیع کو لا کر کھڑا کر دیا جائے، جن کے تفصیلی حالات اوپر بیان ہوئے، اور جن کا جہاد اسلام میں کوئی حصہ نہیں، اور جو صرف ایک سال بحیثیت مسلمان رسول اللہ ﷺ کی دامادی میں رہے، اور سیدہ زینبؓ کی وفات کے بعد انھوں نے دوسری شادی کر لی تھی۔

علاوہ ازیں بلیغ الدین صاحب تمام کتب حدیث میں مذکور سیدہ فاطمہؓ کی منقبت کی احادیث سے صرف نظر کر کے یہ ناکام کوشش کرتے ہیں کہ کسی اور صاحب زادی رسول اکرم ﷺ کو ان سے افضل ثابت کریں۔ اسی سلسلہ میں انھوں نے سیدہ زینبؓ کے بارے میں طحاوی کی کتاب سے ایک حدیث "افضل بناتی" (میری سب سے افضل لڑکی) پیش کی ہے، لیکن اول تو امام طحاوی کی کتاب "معانی الآثار" بخاری و مسلم اور دوسری صحاح ستہ وغیرہ کے درجہ کی نہیں، دوسرے ان کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ ان کی اس حدیث کے حوالہ سے جس میں سیدنا علی کے لئے ''ردالشمس" (یعنی ان کے لئے سورج غروب ہونے کے بعد دوبارہ لوٹا دیا گیا) کا ذکر ہے کہتے ہیں۔

واھل العلم و المعرفة بالحدیث یعلمون أنّ ھذا الحدیث کذب موضوع... ولم یکن عندہ نقل جیّد للأ سانید کجھا بذۃ حفاظ الحدیث

(البدایة والنهایه ج ٦ ص ٨٧٠) یعنی حدیث کا علم و معرفت رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی من گھڑت ہے۔ اور وہ (یعنی طحاوی) اسناد کی نقل میں نقادان حدیث اور حفاظ حدیث کی طرح ماہر نہیں تھے۔

اس ضمن میں بلیغ الدین صاحب اپنے مخصوص انداز فکر کی وجہ سے "شعب ابی طالب" کو شعب بنی ہاشم لکھتے ہیں جب کہ تمام قدیم وجدید سیرت نگار جن کا ذکر اس مقالے میں آیا ہے اس کو شعب ابی طالب ہی لکھتے ہیں۔ کوئی حرج نہیں لیکن اس مناسبت سے یہ کہنا کہ "ابوالعاص نے بنی ہاشم کی بالعموم اور خاندان نبوی کی بالخصوص آٹا" پانی کپڑے اور استعمال کی بہت سے اشیاء سے مدد کی اور پھر رعب ڈالنے کے لئے یہ کہنا کہ "اس کا تذکرہ مستند مؤرخین کے پاس ہے" قطعاً غلط ہے جہاں تک میرے علم میں ہے کسی مؤرخ نے اس کا ذکر نہیں کیا، مستند مؤرخین نہ سہی کسی ایک مستند مؤرخ کا ہی حوالہ دیتے، اس بناء پر اس کو ایک بلا دلیل دعویٰ ہی سمجھا جائے گا، یہ خطابت ہے، علمی انداز بیان نہیں بلکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے تاریخ نے اس موضوع پر ضروری بلکہ کافی روشنی ڈالی ہے۔

شعب ابی طالب میں محصور بنو ہاشم اور خاندان نبوت کو کھانا وغیرہ پہنچانے کے سلسلے میں تاریخ نے صرف دو ناموں کا ذکر کیا ہے۔ ایک ہاشم بن عمرو بن الحارث کا اور دوسرے حکیم بن حزام بن خویلد حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے کا۔ (سیرة ابن هشام جلد ۱ ص ۳۸۴) میں ہے کہ اس مصیبت اور اس کے دور کرنے میں سب سے اہم کردار اسی هاشم بن عمرو بن الحارث نے ادا کیا جس کا بنی ہاشم سے ننھیالی رشتہ تھا اور وہ اپنے قبیلہ کا ایک ممتاز فرد تھا۔ یہ اونٹ پر ایک مرتبہ کھانا لاد کر شعب ابی طالب (گھاٹی) کے قریب لا کر اس اونٹ کی نکیل اتار لیتا تھا اور زور سے اس کے دونوں پہلوؤں پر ہاتھ مار کر اس کو اندر داخل کر دیتا تھا، اور پھر واپس آجاتا تھا اور اسی طرح اونٹ پر کپڑا لاد کر اس گھاٹی کے اندر پہنچا دیتا تھا' بلاذری نے انساب الاشراف (ج ۱ ص ۲۳۵) میں بالکل اس طرح کی روایت لکھی ہے اور کہا ہے کہ یہ کام رات میں ہوتا تھا۔

دوسرے صاحب یعنی حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد کے بارے میں میں لکھا ہے کہ وہ مختلف اوقات میں اونٹ پر آٹا لاد کر اس کو اس گھاٹی کے اندر ہکا دیتے تھے، طبری نے بھی اپنی تاریخ (ج ۲ ص ۳۳۶) میں ایک ایسا ہی واقعہ لکھا ہے، مزید یہ کہ کس طرح ابوجہل نے ایک مرتبہ اس کھانے کو روکنے کی کوشش کی تو ایک غیر مسلم شریف سردار قریش نے اس کو مار کر زخمی کر دیا، یہ کہتے ہوئے کہ "وہ اپنی پھوپھی کو آٹا بھیج رہا ہے، تو روکنے والا کون ہے؟ اور اس کے بعد جب کافی عرصہ گزر گیا اور آنحضرت ﷺ کی تکالیف بڑھ گئیں تو ھشام بن عمرو بن الحارث نے مختلف قریشی سرداروں کے ساتھ مل کر (طبری نے پانچ نام گنائے ہیں اور اس میں ابو العاص بن الربیع داماد رسول اللہ ﷺ کا نام نہیں) ان کو اس پر آمادہ کیا کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو اس قید اور بائیکاٹ سے رہائی دلائیں اور اس میں وہ کامیاب ہوئے۔ اس عرصہ میں بائیکاٹ کے عہد نامہ کو بھی جو کعبہ میں لٹکا ہوا تھا، دیمک کھا چکی تھی، بالکل اس طرح جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے خبر دی تھی، طبری میں یہ واقعہ بڑی تفصیل اور دلدوزی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس میں کفر کے باوجود بعض سرداران قریش کی شرافت اور شہامت و جوانمردی کی جھلک نظر آتی ہے۔

اس موقع پر مزید لکھتے ہوئے بلیغ الدین صاحب کہتے ہیں کہ "رسول اکرم ﷺ نے شیر کا خطاب دو بزرگ ہستیوں کو دیا، ایک خطاب "اسداللہ و اسد رسول اللہ" سیدنا حمزہ کو اور دوسرے "شیر بطحاء" کا خطاب اپنے بڑے داماد ابو العاص کو" ماشاء اللہ کیا انداز تحقیق ہے، کسی کتاب سے حوالے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔ مشہور تو یہ ہے کہ اسداللہ کا خطاب حضور اکرم ﷺ نے معرکہ خیبر میں کامیابی کے بعد سیدنا علیؓ کو دیا اور اسی لئے علامہ اقبال نے مثنوی اسرار خودی میں لکھا ہے۔

شیر حق این خاک را تسخیر کرد
این گِل تاریک را اکسیر کرد

اور دوسری جگہ کہا ہے۔

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

اور دور حاضر میں اسلام کے عظیم ترین ترجمان اور مردِ حق مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی نے ان کو اپنی تازہ کتاب ''المرتضیٰ'' میں شیر خدا کے لقب سے یاد کیا ہے۔ سیدنا حمزہ کو ''اسداللہ و اسد رسولہ'' (اللہ کا شیر اور اللہ کے رسول ﷺ کا شیر) کے خطاب کی خبر جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی تھی (سیرۃ ابن ہشام ج۲ ص ۹۰)۔ کسی کتاب میں ابو العاص بن الربیع کے لئے ''شیر بطحاء'' کا خطاب نہیں نظر آیا، معلوم نہیں ان کا کون سا کارنامہ جہاد تھا جس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بقول بلیغ الدین صاحب یہ خطاب مرحمت فرمایا جب کہ ان کی زندگی کی ساری تفاصیل اوپر بیان ہوچکی ہیں۔ جن میں کوئی ایسی بات نہیں جو ان کو ایسے خطاب کا مستحق بنائے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انھوں نے سیدہ زینبؓ کے انتقال کے بعد ایک دوسری عورت فاختہ بنت کریز سے (جو انہیں کے قبیلہ کی تھی) شادی کر لی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ ختم ہوگیا تھا۔ (جمھرۃ الانساب تالیف ابن حزم ص ۷۸) لہٰذا ابو العاص بن الربیع کے لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ''شیر بطحاء'' کا خطاب محض ایک افسانہ طرازی ہے۔

۱۳۔ زبیر بن عبدالمطلب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفیل قرار دینا محمود عباسی کی فریب کارانہ بات تھی جس میں علمی بددیانتی کرتے ہوئے غلط حوالے دیئے گئے تھے اسی کی تکرار بلیغ الدین صاحب نے کی ہے میں اس کی تردید تفصیل سے ماہنامہ ترجمان القرآن' لاہور کے شمارہ جون ۱۹۸۹ء میں کرچکا ہوں اور اس کتاب کے صفحات ۴۳ و ۴۴ پر بھی اس کا مختصر ذکر ہوچکا ہے۔ (یہ مضمون میری کتاب تحقیقات و تاثرات شائع کردہ ادارہ علم وفن کراچی، ۱۹۹۱ء میں موجود ہے)۔

اب صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ تمام کتب حدیث و سیرت و تاریخ میں یہی مذکور ہے کہ ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی و نصرت کی، انہیں نے شعب ابی

طالب میں باقی بنی المطلب و بنی ہاشم اور رسول اکرمﷺ کے ساتھ محصور ہو کر مصائب جھیلے، اور وہ واقعہ تو سب کو معلوم ہے کہ جب اس بائیکاٹ سے قبل سردارانِ قریش بشمول ابوجہل رسول اللہﷺ کی شکایت لے کر ابو طالب کے پاس آئے تھے کہ وہ رسول اللہﷺ کو اپنی دعوت توحید اور مذمت اصنام قریش سے منع کریں، جس پر ابوطالب کی نصیحت سے آپﷺ نے آبدیدہ ہو کر کہا تھا کہ ''خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند رکھ دیں گے تب بھی، جب تک میری جان میں جان ہے میں اس دعوت توحید کو نہ چھوڑوں گا'' ابو طالب نے کہا تھا کہ ہاں اے عم زاد تم اپنے پیغام توحید کو جاری رکھو کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور انہوں نے ان سرداران قریش کو ناکام و نامراد چلتا کر دیا تھا، اس کے بعد ہی کفار قریش نے بنی ہاشم و بنی المطلب کے بائیکاٹ کا وہ عمل شروع کیا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور جس میں ابو طالب حضورﷺ کے ساتھ تھے۔ یہ بھی تمام کتب سیرت میں مذکور ہے کہ اس بائیکاٹ کے خاتمہ کے بعد ہی جب ابو طالب اور سیدہ خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا تو آں حضرتﷺ اور آپ کے صحابہ پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور پھر آخرکار اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا راستہ پیدا کیا۔

بلیغ الدین صاحب کے پاس زبیر بن عبدالمطلب کے بارے میں کہنے کے لئے کچھ نہیں ہے، وہ حلف الفضول میں ان کی شمولیت اور ان کے عبدالمطلب کے بعد خاندان کا سربراہ ہونے کی بات کرتے ہیں۔ یہ سب دور کفر کی باتیں ہیں، اس ضمن میں ان زبیر اور ابو طالب کا مالی اور ادبی حیثیت سے تقابل بھی ایک مسلمان کے لئے کوئی قیمت نہیں رکھتا اور نہ آج تک کسی بھی مسلمان مؤرخ نے اس کو اپنا موضوع بنایا سوائے محمود عباسی کے جس کے خیالات کی بازگشت بلیغ الدین صاحب کی فکر میں نظر آتی ہے۔ میں نے گزشتہ صفحات میں بخاری کی حدیث نقل کی ہے جس میں مذکور ہے کہ ابو طالب حضورﷺ کی حفاظت فرماتے تھے اور آپ کے مخالفین کے خلاف ان کی حمیت جوش میں آتی تھی اور اس لئے وہ جہنم کے سب سے نیچے کے انتہائی المناک حصہ کے بجائے اوپر کے حصہ میں ہوں گے کہ ٹخنوں تک ہی جہنم کی آگ کفر کی وجہ سے ان کو ستائے گی۔

میں نے بلاذری کی انساب الاشراف کا حوالہ خود نہیں دیا تھا اس لئے نہیں کہ وہ معتبر ہے یا غیر معتبر بلکہ صرف اس لئے کہ صرف ایک کتاب جس کا سہارا لینے کے لئے ''چارٹ'' تیار کرنے والے صاحب یا صاحبان (تحریک انسداد غیر اسلامی مطبوعات ولٹریچر) نے حوالہ دیا تھا اس کی صریح عبارت کو بھی وہ نہ سمجھ سکے کیونکہ اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں نے (سب نے نہیں) جو یہ روایت کی ہے کہ زبیرؓ نے نبی ﷺ کی سرپرستی کی اور اس کے بعد ابو طالب نے، یہ غلط ہے کیونکہ جب حلف الفضول میں آنحضرتؐ نے شرکت فرمائی اس وقت آپ کی عمر بیس سال سے کچھ اوپر تھی اور کسی کو اس بات سے اختلاف نہیں کہ عبدالمطلب کی وفات کے صرف پانچ سال بعد ابو طالب کی معیت میں رسول ﷺ شام تشریف لے گئے'' بالفاظ دیگر آنحضرت رسول اللہ ﷺ کو ابو طالب کی سرپرستی عبدالمطلب کی وفات کے بعد سے حاصل تھی کہ آپ ﷺ بارہ سال کی عمر میں ابو طالب کے ساتھ شام گئے ورنہ زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ جاتے جو اس وقت تک زندہ تھے جب آں حضرت ﷺ کی عمر بیس سال سے اوپر تھی۔ عجیب دھاندلی ہے کہ بلاذری نے پہلے تو بعض لوگوں کے اس قول کو غلط کہا کہ ''پہلے زبیر نے رسول اکرمؐ کی کفالت کی اور اس کے بعد ابو طالب نے'' پھر اس تردید کے ثبوت کے لئے ایک تاریخی دلیل پیش کی مگر محمود عباسی کی طرح بلیغ الدین صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ زبیر نے ہی آں حضرتؐ کی سرپرستی کی۔ قرآنِ کریم نے سچ کہا ہے کہ فانها لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور (حقیقت یہ ہے آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ سینوں میں (مستور) دل اندھے ہو جاتے ہیں۔

بلیغ الدین صاحب اور اس مکتب فکر کے معدودے چند حضرات اپنے دعوے کی تائید میں زبیر بن عبدالمطلب کی فصیح اللسانی اور امتیازی شاعر ہونے کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اس کا اصل موضوع سے کوئی تعلق نہیں اور پھر قرآن کریم نے کہا ہے۔ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَالَا

يَفْعَلُوْنَ o اِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ. (یعنی شعراء کا اتباع گمراہ لوگ کرتے ہیں تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر وادی میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔سوائے ان شعراء کے جو اہل ایمان ہیں اور عمل صالح سے متصف ہیں۔ الشعراء، آیات : ۲۲۴ ـ ۲۲۷) پھر دوسری بات یہ کہ علامہ آلوسی نے اپنی کتاب بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب میں لکھا ہے کہ یہ زبیر بن عبدالمطلب شاعر تو بہت اچھے تھے مگر سخت ہجو گو، یہاں تک کہ لوگ ان کی فحش گوئی سے ڈرتے تھے۔ان کا جملہ ہے قذِع الھجاء، پھر کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ اللہ تعالی اپنے نبی علیہ السلام کی بچپن اور ابتدائے جوانی میں تربیت ایک فحش گو شاعر پر چھوڑ دیتا! اس نبی آخر الزماں کی تربیت کو جس کو انسانیت کے لئے نمونہ اخلاق بننا تھا! یہ ایک انتہائی لغو بات ہے اور اس کے پیچھے صرف یہ جذبہ کارفرما ہے کہ چونکہ مسلمانوں کا ایک مخصوص فرقہ ابو طالب کی تعریف میں غلو کرتا ہے اور ان کو صاحب ایمان قرار دیتا ہے تو ان کے مقابلہ میں زبیر بن عبدالمطلب کو کھڑا کر دیا جائے۔ جن کا کسی ایک مؤرخ نے بھی اس حیثیت سے ذکر نہیں کیا ہے۔ جمہور اہل سنت کی طرح میرا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ابوطالب کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا مگر وہ زبیر بن عبدالمطلب سے ہزار درجہ قابل تعریف ہیں۔ انہوں نے باتفاق امت اسلامیہ حضور علیہ السلام کا دفاع کیا اور انتہائی محبت وتکریم کا برتاؤ کیا۔ ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد کو حضور علیہ السلام اپنی ماں کہتے تھے۔ سفیان بن عیینہ روایت کرتے ہیں کہ ابو طالب کی وفات پر حضور اکرم علیہ السلام نے دعا کی کہ اللہ تم پر رحمت فرمائے اور مغفرت کرے اور جب تک اللہ تعالیٰ منع نہ کردے میں تمہارے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپ ان کی وفات پر روئے اور چند روز اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے حتیٰ کہ یہ آیت اتری۔ ماکان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۳، ۱۲۴ اور الواحدی نیشاپوری کی کتاب اسباب النزول ص ۱۵)۔

اور پھر اس ساری بحث سے قطع نظر زبیر بن عبدالمطلب کوئی بہت مشہور شاعر بھی

نہ تھے۔ امرؤالقیس، زھیر بن ابی سلمیٰ، کعب بن زھیر، اور ابو ذؤیب الھذلی، حسان بن ثابت اور دیگر سینکڑوں جاہلی اور اسلامی شعراء عرب ان سے ہزار گنا بہتر تھے۔ اس لئے ان کا کوئی بھی شعر نہ ابوتمام کے مشہور شعری مجموعہ "دیوان الحماسہ" میں ہے اور نہ علامہ محمود شکری آلوسی بغدادی نے اپنی مذکورہ کتاب میں ممتاز شعراء کے ضمن میں انکا ذکر کیا ہے، صرف ان کے تین شعر اس موقعہ پر نقل کئے ہیں۔ جس کا میں نے حوالہ دیا ہے بلکہ میرے ناقد نے شریف شاعر کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے شریف کے جو معنٰی اردو میں ہیں وہ عربی میں نہیں جس میں حسن اخلاق و عمل پنہاں ہے، عربی میں اس کے معنٰی خاندانی اور معزز کے ہیں۔

بلکہ حلف الفضول کو لے لیجئے جس میں زبیر بن عبدالمطلب کے اشتراک کو بلیغ الدین صاحب اور ان کے بعض ہم نوا بہت اہمیت دیتے ہیں۔ تمام سیرت کی قدیم و جدید کتابوں میں اس کا ذکر ہے اور اس کے ذکر میں آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن جدعان کی تعریف کی ہے اپنے ان چچا کا کہیں ذکر نہیں کیا بلیغ الدین صاحب کو کہیں حوالہ ملتا تو ضرور نقل کرتے۔

بعض لوگوں نے عجیب احمقانہ بات لکھی ہے کہ چونکہ وہ صاحب ثروت تھے اس لئے وہی حضور ﷺ کی تربیت کا بار اٹھا سکتے تھے۔ ایک صاحب نے تو انتہائی گستاخانہ انداز میں مجلّہ تکبیر کراچی کے نام ایک مضمون میں لکھا ہے۔ کہ "ابو طالب مفلس، قلاش اور لنگڑا تھا وہ کس طرح نبی ﷺ کی تربیت وکفالت کرسکتا تھا" معاذ اللہ! کیسا جہل، کینہ اور بدزبانی ہے۔ کیا دنیا کے سارے غریب لوگ اپنے ہونے والے یتیم بچوں اور پوتوں کی تربیت صاحب ثروت اعزہ کے سپرد کر دیتے ہیں یا ان کے سپرد جن کا دل شفقت و محبت سے معمور ہو؟ چاہے وہ خاندان میں سب سے بڑے نہ ہوں، مالدار نہ ہوں۔

اس سب کے بعد جس طبقات ابن سعد کا حوالہ بلیغ الدین صاحب نے دیا ہے کہ "اس میں مذکور ہے کہ عبدالمطلب نے خاندان کے لئے اپنا وصی زبیر بن عبدالمطلب کو بنایا تھا" اس میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ ابو طالب نے عبدالمطلب کی وفات کے بعد

آنحضرت ﷺ کی سرپرستی و کفالت کی اور یہ ایک علیحدہ عنوان کے تحت لکھا ہے پھر وہ اس بات کو کیوں تسلیم نہیں کرتے بلکہ خود عبدالمطلب نے ابو طالب کو اس کی وصیت کی تھی ابن سعد کے الفاظ ہیں فلما حضرت عبدالمطلب الوفاۃ اوصیٰ اباطالب بحفظ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وحیاتہ" (طبقات ج ۱ ص ۱۱۸) (یعنی جب عبدالمطلب کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے ابو طالب کو وصیت کی کہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت و سرپرستی کریں)، یہ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ ابو طالب کو رسول ﷺ سے اپنی اولاد سے زائد محبت ہے جو بڑھتی ہی گئی اور اس کا حال قارئین اسی طبقات ابن سعد جلد ۱ کے صفحہ ۱۱۹ اور صفحہ ۱۲۰ پر پڑھیں۔ یہاں طبقات ابن سعد کے ان صفحات میں نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ جو رازق مطلق ہے اس نے کس طرح ابو طالب کو اپنے نبی ﷺ کے طفیل برکت دی۔

ابو طالب آنحضرت ﷺ سے انتہائی محبت فرماتے تھے اپنی اولاد سے بھی زائد۔ وہ آپ کو اپنے پہلو میں سلاتے تھے اور جب آپ باہر جاتے تو ابوطالب بھی ساتھ ساتھ جاتے تھے۔ ابو طالب کو محمد ﷺ سے ایسا عشق تھا (صُبَّ بہ صبابۃ) کہ ان کو دنیا کی کسی چیز سے اتنا عشق نہ تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۱۹)۔

اس موقع پر بلاذری کا سیرت نبوی ﷺ کے قدیم ترین بڑے مصنف اور ثقہ حافظ حدیث محمد ابن اسحاق المدنی متوفی ۱۵۱ھ سے تقابل کرتے ہوئے بلیغ الدین صاحب نے ابن اسحاق کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں وہ کہتے ہیں۔"بلاذری کی طرح کیا، ابن اسحاق ابوجعفر منصور عباسی کا دست گرفتہ نہیں تھا۔"

اس سے نہ صرف ان کی عربی اسلامی تاریخ سے بے خبری کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابن اسحاق کے مرتبہ اور امت اسلامیہ پر ان کے احسان سے ناواقف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے لئے سارے علمائے امت نے ان پر اعتماد وانحصار کیا ہے۔ ورنہ ہمارے پاس سیرت نبی سے متعلق تفصیلی معلومات کہاں سے آتیں؟ کتب حدیث میں اس موضوع پر مغازی وغیرہ کے بعض ابواب میں جو کچھ مواد ہے وہ مختصر اور غیر مرتب ہے۔

ابن اسحاق تبع تابعی تھے (مولانا شبلی نے تو اپنی سیرت بنوی کے مقدمہ میں ان کو تابعی لکھا ہے) وہ امام زہری کے شاگرد رشید اور امام ثوری وسفیان وغیرہ جیسے بڑے محدثین کے استاد اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے بڑے ہم عصر تھے اور بغداد میں اپنی وفات کے بعد امام ابوحنیفہ کی قبر کے برابر مدفون ہوئے۔ یہاں گنجائش نہیں کہ میں ان کے حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالوں مگر تمام کتب طبقات واسماء الرجال میں ان کا ذکر بڑے احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اگر بلیغ الدین صاحب میں عربی کتابیں پڑھنے کی صلاحیت ہے اور حافظ ابن سیدالناس اندلسی متوفی ۷۳۴ھ کی سیرت پر ممتاز کتاب "عیون الاثرفی فنون المغازی والسیر" تک ان کی دسترس ہے تو اس کا مقدمہ پڑھیں جس میں اس جلیل القدر محدث اور مصنف وراست گو عالم نے تفصیل سے ابن اسحاق پر بحث کی ہے اور دیگر علماء کی طرح ان کو لائق اعتماد ٹھہرایا ہے۔

جہاں تک بلیغ الدین کے ابن اسحاق پر طنز کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی بیشتر عمر مدینہ منورہ میں گزری ابوجعفر منصور عباسی کی خلافت ۱۳۶ھ میں قائم ہوئی وہ چند سال سابقہ عباسی دارالخلافہ الانبار میں رہنے کے بعد کوفہ منتقل ہوا۔ یہیں اس کو ابن اسحاق نے اپنی سیرت نبوی پر کتاب پیش کی جس کے بعد وہ کچھ عرصہ شمالی عراق اور اہواز میں رہے جہاں ان کی بڑی قدر ہوئی پھر ۱۴۹ھ میں بغداد کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد (یہ تعمیر ۱۴۵ھ میں شروع ہوئی لیکن محمد النفس الزکیة اور ان کے بھائی کی جنگ مدینہ منورہ اور بصرہ میں اسی سال ہونے کی وجہ سے رک گئی) وہ بغداد آئے اور یہاں صرف تقریباً دو سال رہ کر وفات پا گئے۔ جہاں تک بلاذری کا تعلق ہے تو وہ باقاعدہ عباسی دربار کے ساتھ وابستہ تھا اپنی جوانی میں اس نے خلیفہ المامون کی مدح سرائی کی پھر وہ متوکل کی مجالس طرب میں اس کا مصاحب رہا اس کے بعد مستعین (عباسی خلیفہ کا تنخواہ دار رہا، اس کے بعد وہ دربار کی نظر سے گر گیا اور مختلف عباسی وزراء کی مدح سرائی کرتا اور ان کے سامنے دست طلب دراز کرتا رہا، لیکن آخر عمر میں تنگ دستی کا رونا روتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا۔ (مزید تفاصیل

کے لئے ملاحظہ ہو فتوح البلدان پر ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کا فاضلانہ مقدمہ)۔

جہاں تک اس کے علم و معلومات کا تعلق ہے میں اس کا قدر دان ہوں اور اس کی کتاب ''فتوح البلدان'' اپنے موضوع پر ایک بے نظیر کتاب سمجھی جاتی ہے اور میں نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے لیکن سیرت نبوی پر میں یا کوئی دوسرا اس کو ابن اسحاق کے ہم پلہ نہیں سمجھتا اور پھر اس کا ذکر تو میں نے اپنے تکبیر کے سابقہ مضمون میں صرف اشارۃً اس لئے کیا تھا کہ خانوادۂ نبوت پر چارٹ مرتب کرنے والے صاحب کو یہ کہنے کے لئے کہ زبیر بن عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کی تربیت و کفالت کی بلاذری کی انساب الاشراف کے سوا پورے ذخیرۂ سیرت و تاریخ میں کوئی حوالہ نہیں ملا، اور اس کو بھی قصداً یا عربی زبان سے سرسری واقفیت کے سبب غلط معنی پہنائے گئے، وہ محدثین اور قدیم سیرت نگاروں کی طرح ثقہ نہیں اور اس لئے میں نے ابو طالب کی سرپرستیِ رسول اللہ ﷺ سے متعلق صحیح بخاری کی حدیث بھی لکھ دی تھی لیکن بلیغ الدین صاحب نے ابن اسحاق پر یہ ناپاک حملہ شروع کر دیا۔ اب ثابت کر دیا گیا کہ وہ ابو جعفر منصور عباسی کے دست گرفتہ نہ تھے کیونکہ ان کا تعلق صرف چند سال منصور سے رہا۔

اس موقعہ پر بلیغ الدین صاحب نے محمد بن عمر الواقدی کا ذکر چھیڑتے ہوئے اس کے خلاف اور بھی پست الفاظ استعمال کئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ الفاظ کی نزاکت سے واقف نہیں اور جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''واقدی مامون رشید کا زلہ بردار تھا'' میں نے واقدی کا اپنے مضمون میں کہیں ذکر نہیں کیا تھا۔ نہ معلوم ان کو واقدی پر برسنے کا خیال کیوں آ گیا، وہ میرا مضمون دوبارہ پڑھ لیں اس میں جن گیارہ کتابوں کا حوالہ میں نے دیا تھا وہ بیشتر کتب حدیث و تفسیر و فتاویٰ ہیں میں نے احتیاطاً اس میں کتب تاریخ کا نام نہیں لیا تھا مگر جس مکتب فکر کی ترجمانی بلیغ الدین صاحب کرتے ہیں اس میں واقدی پر زبان درازی کی جاتی ہے اس لئے انہوں نے اس موقعہ کو بھلا جانا اور اپنی نام نہاد علمیت کا اظہار کر دیا۔ اب بہتر ہے کہ جب موصوف نے ان کے خلاف یہ جارحانہ

جملہ لکھا ہے اور ان کو بعض دوسرے نام نہاد محققین کی طرح چند محدثین کے اقوال مختصر درج کر کے کذاب اور متروک الحدیث لکھا ہے تو اس کی بھی تھوڑی توضیح ہو جائے تفصیل کی افسوس کہ گنجائش نہیں ورنہ بہت کچھ لکھا جا سکتا تھا۔

واقدی بھی ابن اسحاق کی طرح مدنی ہیں۔ وہ انتہائی وسیع العلم عالم تھے جن کا سب نے اعتراف کیا ہے حدیث کے ساتھ تاریخ وسیرت نبوی اور خاص طور سے غزوات پر ان کی انتہائی گہری نظر تھی اور یہی ان کا اصلی مقام تھا جس کی بنا پر وہ مغازی کے امام مانے جاتے ہیں۔ اگر کچھ محدثین نے متروک الحدیث اور کذاب کہا ہے تو دوسرے محدثین اور ناقدین حدیث نے ان کو ثقہ بھی قرار دیا ہے جن میں حافظ دراوردی، یزید بن ہارون، ابو عبید القاسم بن سلام اور خاص طور پر اسماء الرجال کے قدیم ماہر ابراہیم الحربی شامل ہیں۔ ان کو کذاب کہنے کی حقیقت سے بہت سے لوگ بے خبر ہیں اور جو باخبر ہیں وہ غالباً تجاہل سے کام لیتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل سے صراحت ہے کہ وہ ان کو اس لئے کذاب (جھوٹا) کہتے تھے کہ ایک متن حدیث (Text) کے بیان میں جو مختلف رواۃ کی اسانید پائی جاتی ہیں وہ ان کو ایک جگہ جمع کر دیتے تھے۔ جس کو قدیم محدثین صحیح تسلیم نہیں کرتے اس لئے ان کو کذاب کہا گیا۔ مگر یہی وہ طریقہ ہے جو بعد کی تمام کتب تاریخ میں پایا جاتا ہے اور جن پر واقدی کو کذاب کہنے والوں کا اعتماد ہے۔ آج بھی یہی طریقہ رائج ومقبول ہے۔ ابراہیم بن الحربی اس کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ امام ابن شہاب الزہری بھی ایسا کرتے تھے۔

اور پھر امام احمد بن حنبل تو واقدی کی کتابوں کے بڑے قدر دان تھے اور ان کے صاحب زادے عبداللہ کے بقول ہر ہفتہ واقدی کے شاگرد رشید محمد بن سعد سے الطبقات الکبریٰ منگوا کر پڑھتے تھے اور انہیں واپس کر کے دوسری کتابیں منگواتے تھے۔ غزوات رسول اللہ ﷺ کی جگہوں اور ان کی تفاصیل کے بارے میں وہ تحقیق کے جس انتہائی اعلیٰ طریقہ پر عمل پیرا تھے وہ آج بھی بہترین اور مطلوب ومقبول ترین طریقہ سمجھا جاتا ہے، یعنی وہ بذاتِ خود ان کے جگہوں کا جا کر معائنہ کرتے تھے جہاں یہ غزوات پیش آئے۔ اس سلسلہ

میں ایک چھوٹے سے غزوہ المریسیع کی جگہ کا معائنہ کرنے کا خود ذکر کیا ہے اور ایک چشم دید شاہد نے ان کو مکہ میں آج کل کے علم الآثار کے ماہرین کی طرح حنین جاتے ہوئے دیکھا ہے جہاں مشہور غزوۂ حنین پیش آیا تھا (یہ مدینہ سے کافی دور مکہ مکرمہ کے شمال مشرق میں کافی فاصلہ پر واقع ہے)۔

یہاں بھی بلیغ الدین صاحب اور ان کے ہمنواؤں سے عرض کروں گا کہ اگر واقعی تحقیق کا شوق ہے تو اس مذکورہ کتاب المغازی کے فاضل و منصف مستشرق مارسدن جونز کا مقدمہ اس کتاب کے نئے ایڈیشن (۱۹۶۶ء القاہرہ) میں پڑھیں۔ شاید ان کے شکوک و شبہات دور ہو جائیں۔ مولانا شبلی کے سامنے یہ کتاب "**عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر**" نہیں تھی (اس وقت تک یہ طبع نہیں ہوئی تھی اور انہوں نے کلکتہ کے قلمی نسخہ کا ہی ذکر کیا ہے) ورنہ وہ غالباً ایک طرفہ طور پر واقدی کو متہم نہ کرتے۔

جہاں تک اس ناپاک اتہام "زلہ بردار مامون بن الرشید" کا تعلق ہے تو عرض ہے کہ بغداد علم وثقافت کا مرکز بن چکا تھا تمام دنیا سے اہل علم وہاں پہنچے تھے واقدی بھی پچاس سال کی عمر میں وہاں ہارون رشید کے عہد میں پہنچے کہ وہ ان کی قدر و منزلت سیرت نبوی ﷺ کے موضوع پر جان چکا تھا، برامکہ اور ہارون الرشید نے ان کی قدردانی کی اور ان کو مشرقی بغداد کا قاضی مقرر کر دیا۔ امین ابن الرشید کا زمانہ عیش وعشرت اور مغنین و مطربین کا زمانہ تھا وہ غالباً اس منصب سے علیحدہ ہوگئے اور جب مشہور "فتنۂ امین و مامون" کے بعد المامون خراسان سے ۲۰۴ھ میں بغداد واپس ہوا، جو اہل علم کا بہت قدردان تھا تو اس نے دوبارہ واقدی کو مشرقی بغداد کا قاضی مقرر کر دیا اور اس دفعہ المامون کے عہد میں وہ صرف تین سال مشرقی بغداد کے قاضی رہے کیونکہ ۲۰۷ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔

اب میں بلیغ الدین صاحب سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ اس کو واقدی کی مامون بن ہارون الرشید کی "زلہ برادری" کہتے ہیں؟ اگر منصب قضاء پر مامور ہونا زلہ برداری ہے تو مشہور حنفی قاضی اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد قاضی ابو یوسف بھی زلہ ربا تھے

کیونکہ وہ ہارون الرشید کے عہد میں بغداد کے قاضی اور پھر قاضی القضاۃ تھے اور پھر پاکستان میں ہائی کورٹس کے تمام جج بھی زلہ ربا ہیں، مگر معلوم نہیں کس وزیراعظم یا صدر کے؟ جن لوگوں کو اسلامی تاریخ کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ اس اولین عہد عباسی میں بغداد کے اس عالم کو المامون کا ''زلہ بردار'' یا زیادہ صحیح ''زلہ ربا'' آج تک کسی نے نہیں کہا سوائے بلیغ الدین صاحب کے۔ یہ ایک انتہائی تحقیر کا لفظ ہے یعنی خوشہ چین، دسترخوان کا بچا کھچا کھانے کے لئے لے جانے والا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ اسی واقدی کے شاگرد رشید محمد بن سعد کی الطبقات الکبریٰ سے وہ اپنی بعض آراء پر استدلال بھی کرتے ہیں' جب کے طبقات میں زیادہ تر روایات واقدی ہی کی مرویات ہیں، ابن سعد طبقات کے مصنف کو کاتب الواقدی کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سفر شام کے بارے میں ''عدم اختلاف'' پر تنقید کرتے ہوئے اور اس رائے کو میری طرف منسوب کرتے ہوئے (یہ میری رائے نہ تھی بلکہ بلاذری کی ہے جس کا قول میں نے یہاں نقل کیا تھا) اور اس کو ''معنی خیز' قرار دیتے ہوئے مجھے گول مول الفاظ میں مطعون کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہاں مولانا شبلی کے تتبع میں یہ بھی کہا ہے کہ مستشرقین نے بحیریٰ راہب کے واقعہ سے جو فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے، وہی منافقین کا شیوہ بھی رہا ہے۔ یہ آخر میں ''منافقین کے شیوہ'' کا اضافہ بلیغ الدین صاحب کا ہے شبلی نے ان کا نام یہاں نہیں لیا ہے۔

انہوں نے رواۃ وغیرہ کے بارے میں جو باتیں نقل کی ہیں وہ تمام کی تمام مولانا شبلی سے نقل کی ہیں ان کا اضافہ یہ ہے کہ ''یہ روائت (صحیح لفظ روایت ہے) ایک مخصوص گروہ کی تخیل آرائی کا نتیجہ ہے۔'' مخصوص گروہ سے ان کا مطلب شیعہ حضراتؒ ہیں (نہ معلوم موصوف تقیہ کیوں کرتے ہیں صاف بات کیوں نہیں کہتے! یہ تو ایک علمی بحث ہے)۔

سب سے پہلے تو میں بلیغ الدین صاحب سے یہ عرض کروں گا کہ وہی بلاذری جس کو وہ ابن اسحاق اور واقدی پر ترجیح دے چکے ہیں کیا اب وہ اس موضوع پر قابل اعتماد

نہیں رہا؟ چلئے وہ اس کو یہاں قابل اعتماد نہیں سمجھتے ہیں کوئی بات نہیں۔ اگر وہ مولانا شبلی ہی کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں تو انہوں نے تو سیرۃ النبی کی اسی جلد میں ابو طالب کو ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کا ذمہ دار کہا ہے۔ زبیر بن عبدالمطلب کو نہیں پھر ان کی اس بات کو وہ کیوں تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ انہوں نے شعب ابی طالب لکھا ہے بلیغ الدین صاحب شعب بنی ہاشم کہنے پر مصر ہیں ابو طالب کے نام سے انہیں چڑھ ہے!

بلیغ الدین صاحب کو یاد آنا چاہئے کہ جس زمانہ میں شبلی نے سیرۃ النبی لکھی تھی انگریزوں اور انگریز مستشرقین کی کتابوں کا غلغلہ تھا اس لئے اس موقع پر ان کا انداز فکر اعتذارانہ (Apologetic) ہے۔ بحیرٰی سے بعض اسلامی تعلیمات اخذ کرنے کا افسانہ مستشرقین نے تراشا ہے اسلامی روایت میں یہ کہیں نہیں ہے، بجائے اس کے کہ وہ اس افسانہ پر ضرب کاری لگاتے انہوں نے سفر شام کی روایت ہی کو رد کر دیا۔ جو درست نہیں ان کے سامنے حافظ ابن کثیر کی عظیم کتاب البدایۃ والنہایۃ (۱۴ جلدیں) نہیں تھی اور نہ یہ مرحوم سید سلیمان ندوی کے سامنے تھی ورنہ اس روایت کو بہ تمام وکمال رد نہیں کرتے۔ وہ اس موقعہ پر ساری بحث ترمذی کی روایت سے کرتے ہیں جس میں حضرت ابوبکرؓ وبلالؓ کا ذکر ہے اس وجہ سے اور عبدالرحمٰن بن غزوان (اس حدیث کے ایک راوی) کے ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کو رد کرتے ہیں۔ مگر ان کے بارے میں حافظ ابن کثیر (البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۸۵) کہتے ہیں کہ بخاری نے ان سے روایت کی ہے اور حافظ حدیث وائمہ کے ایک گروہ نے ان کی توثیق کی ہے اور کسی نے ان کو مجروح قرار نہیں دیا ہے۔

مگر افسوس کہ مولانا شبلی نے اس موقعہ پر ابن اسحاق کی سیرۃ رسول اللہ ﷺ (پورا نام کتاب التاریخ والمبعث والمغازی) کو نہیں دیکھا جو مہیانہ تھی اور جو حافظ ابن کثیر کے سامنے تھی البدایۃ والنہایۃ میں انہوں نے سب سے پہلے سفر شام اور بحیرٰی سے ملاقات کے بارے میں ابن اسحاق کی طویل روایت نقل کی ہے۔ وہی ابن اسحاق جن کو مولانا شبلی نے تابعی اور اساطین علم حدیث میں شمار کیا ہے۔ (مقدمہ سیرۃ النبی) ابن اسحاق

کی روایت میں آنحضرت ﷺ کے ابوطالب کے ساتھ سفر شام کے قصّے میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت بلالؓ کا کوئی ذکر نہیں (ملاحظہ ہو البدایة والنهایة جلد۲ ص ۲۸۳/۲۸۴)

ابن اسحاق نے کوئی سلسلہ اسناد بھی پیش نہیں کیا ہے (وہ ترمذی سے ایک صدی قبل گزرے ہیں) کہ وہ عہد صحابہ سے بہت قریب اور مدینہ منورہ کے باشندے تھے بخلاف ترمذی کے جن کا سلسلہ اسناد طویل ہے۔

یہاں ابن اسحاق کی روایت ہی قابل اعتماد ہے جس پر سارے قدیم سیرت نگاروں نے اعتماد کیا ہے اور اس لئے بلاذری نے لکھا ہے کہ "آنحضرت ﷺ کے ابوطالب کے ساتھ اس سفر شام میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے" یہ مستشرقین کی حماقت وعداوت اور افتراء پردازی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بارہ سال کے بچے (حضور ﷺ) کو بحیریٰ نے اسلام کی بنیادی تعلیمات یعنی توحید، معرفت خداوندی وغیرہ ایک نشست میں ازبر کرادیں۔

اپنی بیان کردہ روایت پر تفصیل سے گفتگو کرنے سے قبل شبلی کا ایک مختصر بیان بڑا معنی خیز اور حقیقت پسندانہ ہے اور جس پر بلیغ الدین صاحب نے غور نہیں کیا۔ وہ یہ ہے:

> "عیسائی مصنفین اگر روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اس طرح ماننا چاہئے جس طرح روایت میں مذکور ہے اس میں بحیریٰ کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں قیاس میں بھی نہیں آتا کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام دقائق سکھا دیئے جائیں اور اگر یہ کوئی خرق عادت تھا تو بحیریٰ کے تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

کاش کہ مولانا شبلی اس پر اکتفا کرتے یا ان کے سامنے سیرت ابن اسحاق ہوتی۔

حرب فجار کے موقعہ پر زبیر بن عبدالمطلب کے سرگروہِ بنی ہاشم ہونے کا میں نے انکار نہیں کیا لیکن اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی کفالت بھی کی تھی، یہ عہد جاہلیت کی باتیں ہیں ان سے خانوادۂ نبوت کے چارٹ یا شجرہ کا کیا تعلق ہے؟

جی ہاں! شبلی نعمانی اور قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی ان زبیر کے حرب فجار

میں آل ہاشم کے علم بردار ہونے کا ذکر کیا ہے مگر ان دونوں حضرات نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سرپرستی کی۔ میں نے اسی ذیل میں ان کا نام لیا تھا اس کے برخلاف دونوں علماء کرام نے یہی لکھا ہے کہ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کی کفالت کی۔ چارٹ میں بلیغ الدین صاحب نے اس طرح ان کا حوالہ دے کر مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۴۔ اس اعتراض کے جواب میں عرض ہے کہ یہ چارٹ بنو ہاشم کا نہیں ہے بلکہ خانوادۂ رسول اللہ ﷺ کا ہے چارٹ کے تیار کرنے والے صاحب یا صاحبان نے اس میں ابولہب کا نام لے کر کوئی اچھا کام نہیں کیا ہے اور انہوں نے سرپرستِ سرکار دوجہاں کی جلی سرخی کے تحت پہلے نمبر (۱) اور (۲) کے آگے عبدالمطلب اور زبیر بن عبدالمطلب کا نام لکھا ہے اور یہاں پر یہ تحریر کیا ہے کہ آنحضورؐ کے سب سے بڑے چچا نے ۲۰ سال کی عمر تک پرورش کی اور اس موقعہ پر پورے شجرہ میں ایک حوالہ اور وہ بھی بلاذری کی انساب الاشرف کا دیا گیا ہے جس کے بارے میں سابقہ صفحات میں لکھ چکا ہوں کہ عربی کی عبارت دے کر قصداً یا عربی سے کماحقہ ناواقفیت کی بنا پر غلط معنی لئے گئے ہیں اور یہی ایک کام ان صاحب نے کیا ہے جنہوں نے سیرت نبوی ﷺ پر ایک ہیجان انگیز اور اہل سنت کے نقطہ نظر سے ہٹ کر انگریزی میں ایک کتاب لکھی ہے یعنی ضیاء الدین کرمانی صاحب۔

پھر اہم بات یہ ہے کہ ابو طالب کو تو آنحضرت ﷺ کا سرپرست نہیں مانا گیا ہے مگر ان کا اور ابولہب کا نام "غیر مسلم" کی ذیلی سرخی کے تحت لکھا گیا ہے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آیا عبدالمطلب اور زبیر مسلم تھے؟ ان کے ناموں کے ساتھ غیر مسلم کیوں نہیں لکھا گیا؟ یا پھر ابو طالب سے کینہ و عداوت کے لئے ایسا کیا گیا ہے یہ غالباً اس لئے لکھا گیا ہو کہ ایک خاص فرقہ (یعنی شیعہ) ان کو مسلمان کہتا ہے، ان کا ذکر غیر مسلم کی تصریح کے ساتھ زبیر بن عبدالمطلب کی جگہ ہونا چاہئے جس پر ساری امت اسلامیہ کا اتفاق ہے۔

پھر جہاں تک رسول اکرم ﷺ کی تربیت وکفالت کا تعلق ہے وہ صرف دادا عبدالمطلب اور سگے چچا ابو طالب نے کی۔ دو مسلمان چچاؤں کا سرپرستیِ سرکارِ دو جہاں سے کوئی تعلق نہیں حضرت حمزہؓ تو عمر میں تقریباً آنحضرت ﷺ کے برابر ہی تھے کہ عبدالمطلب کے بڑھاپے کی اولاد تھے اور حضرت عباسؓ بھی تھوڑے بڑے تھے ان کا ذکر یہاں غلط ہے۔ دشمنِ رسول و دشمنِ اسلام عبدالعزیٰ یعنی ابولہب کے ساتھ ابو طالب کا ذکر ایک خاص نوع کی کینہ پروری ہے۔

پھر یہ بات بھی صحیح نہیں کہ ابو طالب کے بعد بنو ہاشم کا سربراہ ابولہب تھا۔ طبقات ابن سعد جلد اول میں عبدالمطلب کے ذکر میں تصریح ہے کہ عبدالمطلب نے اس سربراہی کی وصیت ابو طالب کے لئے اور اس کے بعد عباس کیلئے کی، ابولہب کا ذکر یہاں نہیں ہے۔

۱۵۔ اس اعتراض وتنقید میں بلیغ الدین صاحب نے امیر معاویہؓ کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے

یہ ایک مستقل موضوع کا طالب ہے موصوف کا بیان یہاں کافی خطیبانہ ہے اور یہاں انہوں نے امیر معاویہ کے عہد میں اسلامی فتوحات کا ذکر بھی کیا ہے۔

میں نے حدیث اور امام ابن تیمیہ کے حوالے سے جو کچھ لکھا تھا اس کو انہوں نے ''سبائی رجحان'' قرار دیا ہے اس کے جواب میں پھر عرض ہے کہ الزامات اور طنز و تشنیع علمی طریقہ نہیں تاریخی حقائق و براہین ہی اہل علم کے نزدیک مقبول اور صحیح طریقہ ہے۔

خود موصوف کی بات میں بڑا تضاد ہے وہ خود ہی کہتے ہیں کہ ''حضرت سفیان ثوری عمر بن عبدالعزیز کو پانچواں خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں'' تو پھر سوال یہ ہے کہ انہوں نے امیر معاویہؓ کو پانچواں خلیفہ راشد کیوں نہیں قرار دیا؟ کیا وہ بھی ''سبائی'' تھے؟ اور پھر سفیان ثوری ہی کیا امام شافعی بھی عمر بن عبدالعزیز کو پانچواں خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں۔ (آداب الشافعی و مناقبہ تالیف ابن حاتم الرازی ص ۱۸۹ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۳ء)

ان کی یہ انوکھی منطق ہے کہ تمام صحابہ جو یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے سربراہ یا حاکم بنے۔ سب خلفائے راشدین تھے'' تمام امت اسلامیہ تو صرف چار ''خلفاء'' ہی کو ''خلفاء راشدین'' مانتی ہے۔ یا پھر پانچویں خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ۔

حضرت معاویہؓ کو بادشاہ کسی "مخصوص فرقہ" نے کہنا شروع نہیں کیا ہے میں نے تو مخصوص فرقہ کے سب سے بڑے مخالف و دشمن منہاج السنہ کے مصنف شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول ان کے فتاویٰ سے نقل کیا تھا اور میں نے پورے انصاف کے ساتھ امام ابن تیمیہ کی پوری عبارت نقل کردی تھی جس میں یہ بھی ہے کہ ان کی بادشاہت رحمت تھی جبر و استبداد نہیں جو ان کے فوراً بعد امام ابن تیمیہ کے مطابق شروع ہوا۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں فتوحات تو ضرور ہوئیں لیکن وہ اگر سیدنا علی کے خلاف نبرد آزمانہ ہوتے تو یہ فتوحات ان کے عہد میں بھی ہوتیں، بلکہ بالفعل ان کے عہد میں بلاذری کے بقول سن ۳۸ھ کے آخر اور سن ۳۹ھ کے اول میں حارث بن مرۃ العبدی کی قیادت میں سندھ کی سرحد پر خشکی سے پہلا کامیاب حملہ ہوا اور وہ تین سال تک قیقان (گنڈاوا بلوچستان) پر قابض رہے اور پھر وہیں سن ۴۲ھ میں شہید ہوئے (فتوح البلدان ۵۳۱ طبع مصر)، اس کا کوئی ذکر نہیں کرتا، پھر یہ فتوح کوئی معیارِ حق نہیں کہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں مشرق و مغرب میں کہیں زیادہ فتوحات ہوئیں، پھر غزنویوں اور ان کے بعد عثمانی اتراک نے اپنے اپنے عہود میں بڑی فتوحات کیں اور بہت وسیع علاقے مشرق و مغرب میں اسلامی حکومت میں داخل کئے، مگر یہ سب کچھ معیار فضیلت نہیں، فتوحات تو دوسری غیر مسلم اقوام نے بھی کیں اور انہوں نے دنیا کے بہت وسیع رقبے پر حکومت کی، یہ سب موضوع زیر بحث سے متعلق نہیں۔

بحر ظلمات میں عقبہ بن نافع کے گھوڑے دوڑا دینے کے متعلق بھی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ مگر جن لوگوں نے شمالی افریقہ میں اسلامی فتوحات کی تاریخ پڑھی اور پڑھائی ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہاں اسی طرح طوفانی حملوں کے سبب کتنے مصائب کا سامان کرنا پڑا اور کیسی اندوہناک شکستیں ان کو بعض مراحل میں ہوئیں، کیونکہ مبلغین اور علماءِ حق کے ذریعہ اشاعت اسلام کا کام منتظم طریقہ پر نہیں کیا گیا۔ یہ کام سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں ہوا اور جبھی وہاں اسلام نے پوری طرح جڑ پکڑی۔ عقبہ بن نافع کے بہت بعد ولید بن عبدالملک کے عہد میں موسیٰ بن نصیر کے ہاتھوں مغرب عربی کی فتوحات مکمل

ہوئیں مگر بر سرِ جب ہی چین سے بیٹھے جب ان کو عمر بن عبدالعزیز کے شمالی افریقہ کے گورنروں نے اور ان کے ساتھ مبلغین اسلام نے اسلامی مساوات اور عدل و احسان کا پیغام سنایا اور اس پر عمل کیا۔

جہاں تک بادشاہ کے لفظ کا تعلق ہے میں ذاتی طور پر اس کو معیوب نہیں سمجھتا گو ہمارے اس دور جمہوریت میں غالباً اس کو انتہائی معیوب بلکہ ایک گالی سمجھا جاتا ہے۔ اصل میں اسلام کے اصول سیاست پر عمل، صالح کردار اور دولت و ثروت کی صحیح تقسیم معیار ہے جو عہد خلفائے راشدین میں قائم تھا، پھر حضرت معاویہ کی حکومت مخصوص حالات میں حضرت حسنؓ کے تنازل کے بعد قائم ہوئی اور اس کے بعد انہوں نے افسوس کہ اس کو وراثتی بنا دیا جو ٹھیک نہیں ہوا کیونکہ اس کے بعد پھر اچھے برے سب ہی قسم کے بادشاہ یا خلیفہ بنے۔

''شاہ است و بادشاہ ہست حسینؑ'' سے استدلال بے محل ہے۔ محققین اہل سنت اس کو صحیح نہیں سمجھتے میں نے کبھی اس کو شیخ معین الدین اجمیری کا شعر نہیں سمجھا بلیغ الدین صاحب نے بھی غلط کہا ہے کہ وہ ایک ایرانی معین الدین کاشانی کا شعر ہے بلکہ وہ ایک شیعی ایرانی معین الدین ہروی المعروف مُلّا مسکین کی رباعی ہے، آغا بزرگ تہرانی کی کتاب اعیان الشیعہ میں اس کے دیوان کا ذکر ہے۔ اور پھر اس کا آخری مصرعہ جس کو عام طور پر لوگ دہراتے ہیں حقائق تاریخ کے بالکل ہی برخلاف اور مہمل ہے کیونکہ سیدنا حسینؓ اور یزید کے درمیان جنگ کفر و ایمان کی لڑائی نہ تھی۔

''طلقاء اسلام'' کو جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور جن کو صرف دو سال رسول اکرمؐ کی صحبت حاصل رہی مناصب اور عہدوں کی وجہ سے افضل قرار نہیں دیا جا سکتا یہ عہدے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتہائی قریبی رفقاء اور جاں نثاروں کو جن کا شمار ''السابقون الاولون'' میں ہے ان کو بھی نہیں دیئے تو کیا ان مناصب کی وجہ سے یہ اموی اصحابِ مناصب عشرہ مبشرہ بالجنۃ'' سے افضل قرار دیئے جاسکتے ہیں! جن میں خلفائے اربعہ کے علاوہ حضرت زبیر بن العوام، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ وغیرہ جلیل الشان صحابہ آتے ہیں لہٰذا یہ ساری گفتگو بیکار ہے۔

حضرت معاویہؓ کے جنتی ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ بھی میں نے نہیں اٹھایا تھا یقیناً وہ جنتی ہیں نہ "اول ملوک الاسلام" کی عبارت سے ذم کا پہلو نکالنا مقصود تھا ورنہ میں وہ ٹکڑا نہیں لکھتا جس میں ہے کہ "ان کا ملک رحمت ہوگا" صرف خلافت راشدہ اور ملوکیت کا فرق دکھانا تھا۔

حدیث سفینہؓ (س پر زبر کے ساتھ، پیش کے ساتھ نہیں، بلیغ الدین صاحب نے اپنے قلم سے پیش سے لکھا ہے) "خلافت تیس سال رہے گی اور اس کے بعد ملوکیت ہوگی" کو صرف میں ہی صحیح قرار نہیں دیتا ہوں بلکہ وہ محدث عظیم صحیح قرار دیتے ہیں جن کی ساری عمر حدیث کی خدمت میں گزر گئی ہے اور اس موقعہ پر امام ابن تیمیہ کا حوالہ ایک دوسرے ثقہ معاصر محدث کی کتاب سے دے کر میں نے "قارئین کو دھوکہ دینے" کی کوشش نہیں کی تھی اتہامات لگانے کی موصوف کی عادت ہے۔ "مجلّہ تکبیر" کے اس مختصر مضمون میں زیادہ علمی حوالوں کی کہاں گنجائش تھی لیجئے اب اصل فتاویٰ ابن تیمیہ سے بھی حوالہ دیتا ہوں۔ جس کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ بلیغ الدین صاحب نے اس کی شکل بھی نہیں دیکھی ہوگی۔ اصل عربی عبارت ملاحظہ ہو۔ یہ کہنے کے بعد کہ امیر معاویہؓ اول الملوک تھے وہ لکھتے ہیں۔

"فانه قد ثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال "تکون خلافته النبوة ثلاثین سنه ثم تصیر ملکا" وکان ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی الله عنهم هم الخلفاء الراشدون و الائمة المهدیّون الذین قال النبی ﷺ علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیّین من بعدی" (فتاوی ابن تیمیه ج ۴ ص ۴۷۸) نشر الرئاسة العامّة لشؤن الحرمین الشریفین بامر الملک فهد بن عبدالعزیز (طبع مصر ۱۴۰۴ھ ۳۷ مجلدات)۔

شیخ محمد ناصر الدین الالبانی کے بارے میں جو گھٹیا الفاظ بلیغ الدین صاحب نے استعمال کئے ہیں یہ خود لوٹ کر انہیں کی طرف آتے ہیں، جی حضرت! وہ غیر معروف نہیں اور نہ کسی "مخصوص گروہ" کے ترجمان ہیں یعنی شیعہ نہیں جو آپ کا مقصد ہے۔ وہ مراکش سے

لے کر کویت تک بلکہ ہندو پاکستان کے بھی ان حلقوں میں جن کو حدیث نبوی اور اس کی صحت سے شغف ہے بخوبی معروف ہیں، صرف جہال کے نزدیک وہ غیر معروف ہیں۔ ان کی کتابیں ہزاروں کی تعداد میں چھپتی ہیں، میں نے ایک مختصر جملہ میں ان کا تعارف کرا دیا تھا کہ وہ پچاس سال سے حدیث نبوی کی خدمت کررہے ہیں، اب کہتا ہوں کہ وہ اس دور کے ابن حجر عسقلانی ہیں۔ تمام عرب محققین ان کو ایسا مانتے ہیں۔ ان کی جس کتاب کا حوالہ میں نے دیا تھا وہ پانچ بڑی جلدوں میں (۳۶، ۳۸) صفحات پر مشتمل ہے اور مشہور وغیر مشہور احادیث کی متون اور اسماء الرجال کی تحقیق پر ایک شاہ کار ہے پھر ان کو دو کتابیں **الاحادیث الضعیفه** کے نام سے (۱۰۸۲) صفحات پر مشتمل ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے اور اس کے علاوہ ان کی تیس کتابیں اور ہیں جو مختلف اسلامی موضوعات پر ہیں ان میں حافظ جلال الدین السیوطی کی کتاب کی تنقید وتصحیح بھی شامل ہے جو "صحیح الجامع الصغیر و زیادته" اور ضعیف الجامع الصغیر و زیادته کے نام سے دو جلدوں میں چھپی ہے اور اسی طرح الحافظ المنذری کی کتاب "الترغیب والترهیب" پر تنقیدی نظر کے بعد اس کو اسی طرح صحیح الترغیب و الترهیب کے نام سے شائع کیا ہے ان کی بیشتر کتابیں دمشق کے "المکتب الاسلامی" کی طرف سے شائع ہوئی ہیں۔ بعض اردن اور ریاض میں بھی چھپی ہیں وہ مدینہ کی اسلامی یونیورسٹی میں حدیث کے پروفیسر بھی رہے ہیں۔

اصلا البانی ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اس نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث وسنت کی خدمت کے لئے ایک غیر اسلامی یورپ کے ملک کے باشندے کو چنا۔ البانی مسلمان مہاجروں کے ساتھ جب وہاں مسلمانوں کے خلاف تحریک چلی تو وہ اپنے والدین کے ساتھ شام آگئے تھے میں نے ان کو ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۰ء تک دمشق میں اپنی تعلیم کے دوران دیکھا ہے۔ انتہائی نورانی شکل، گھڑیاں سنبھال کر اس زمانہ میں اپنی روزی کماتے تھے، عصر کے بعد سے تمام وقت روزانہ کئی گھنٹے دمشق کے مشہور مکتبہ ظاہریہ (یعنی قدیم الملک ظاہری کی لائبریری میں کتب حدیث کے مابین گزارتے تھے اور اس علمی جلالت شان کے باوجود انتہائی متواضع اور خلیق ہیں۔ یہ ہیں وہ علامۂ جلیل جن کے بارے میں بلیغ الدین

صاحب کہتے ہیں کہ ''ان غیر معروف کی کتاب کسی گنتی وشمار میں نہیں'' یہ خود موصوف کے جہل کا بین ثبوت ہے۔ خود ان کی کون سی کتاب حدیث پر عالم اسلام میں معروف ہے؟ خود بلیغ الدین صاحب کراچی سے باہر اور وہ بھی ایک مخصوص حلقے کے علاوہ کسی گنتی وشمار میں ہیں؟''

اسی حدیث (یعنی خلافت تیں سال رہے گی اور اس کے بعد ملوکیت ہو گی) پر اعتراض کرتے ہوئے جو ترمذی، ابو داؤد، مستدرک الحاکم، صحیح ابن حبان، مسند الامام ابن حنبل وغیرہ میں ہے بلیغ الدین صاحب نے صحابی رسول اکرم حضرت سفینہؓ سے اس کو روایت کرنے والے تابعی سعید بن جمہان کے بارے میں فرمایا کہ "ابن تیمیہ سعید بن جمہان کی حیثیت سے خوب واقف ہیں یہ شخص قابل اعتبار ہی نہیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ''ابن تیمیہ نے اسے رد کیا ہے'' یعنی اس حدیث کو، سب سے پہلے تو بتایا جائے کہ میں نے امام ابن تیمیہ کے ایک مشہور عصر حاضر کے شارح یعنی شیخ ناصر الدین البانی کی کتاب سے ان کے قول کا حوالہ دیا تھا جس پر آپ نے مجھ کو ''دھوکہ وہی'' کا الزام دیا ہے اب آپ کا ابن تیمیہ کے قول کا حوالہ کہاں ہے؟ بتایئے کون دھوکہ دے رہا ہے آپ کو تو ابن تیمیہ کی تمام کتابوں کے ناموں کا بھی علم نہیں جب کہ میری ذاتی لائبریری میں ان کی بیشتر اہم کتابیں موجود ہیں جو سب عربی میں ہیں اب میں عرض کرتا ہوں کہ امام ابن تیمیہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابن تیمیہ جیسا کہ سب جانتے ہیں شام کے رہنے والے تھے ان کی بیشتر کتابیں جن میں سے بعض اب تک غیر مطبوع ہیں دمشق کے مشہور کتابخانہ مکتبۂ ظاہریہ میں جو جامع اموی کے قریب ہے موجود ہیں۔ میں نے اس عظیم کتابخانہ سے جو اپنی قلمی کتابوں کے لئے دنیا میں مشہور ہے دوران تعلیم فائدہ اٹھایا تھا اس کتابخانہ میں امام ابن تیمیہ کے مسودات ہیں ان میں ایک رسالہ بعنوان ''قاعدۃ'' ہے جو خاص اس حدیث پر ہے اور اس قلمی کتاب کا نمبر ۲/۸۴۵ ہے۔ اس کے شروع میں وہ لکھتے ہیں۔

وھو حدیث مشھور من روایۃ حماد بن سلمہ وعبدالوارث بن سعید والعوام ابن حوشب عن سعید بن جمھان عن

سفينة مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم رواه اهل السنة كابى داؤد وغيره واعتمد عليه الامام احمد وغيره فى تقرير خلافة الخلفاء الراشدين الاربعة، وثبته احمد واستدل به على من توقف فى خلافة علیؓ من اجل افتراق الناس عليه

ترجمہ: یہ (یعنی حدیث سفینہ) مشہور حدیث ہے جس کو حماد بن سلمه عبدالوارث بن سعيد اور العوام بن حوشب نے سعید بن جمہان سے اور انہوں نے سفینہ (رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام وخادم) سے روایت کیا ہے اور اس کو اہل السنن (یعنی محدثین) ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کو امام احمد وغیرہ نے چاروں خلفاء راشدین کی خلافت کو ثابت کرنے کے لئے مستند ٹھہرایا ہے۔ امام احمد نے اس کو حدیث مستند کہا ہے اور اس سے ان لوگوں کے خلاف استدلال کیا ہے جو سیدنا علی کی خلافت کے بارے میں لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے توقف کرتے ہیں۔" یعنی ان کی خلافت کو ماننے میں تامل کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو الا حاديث الصحيحه تاليف الشيخ محمد ناصر الدين البانی المجلد الاول ص ۴۴۷)۔

یہاں یہ عرض کردوں کہ شیخ ناصر البانی جن کی تعریف یا شناخت میں اوپر کرا چکا ہوں امام ابن تیمیہ کی کتابوں کے حافظ اور ان کی بعض کتابوں کے محقق ہیں متقی اور نہایت ثقہ ہیں۔

اب بلیغ الدین صاحب بتائیں کہ انہوں نے کہاں امام ابن تیمیہ کا یہ قول پڑھا ہے کہ یہ حدیث جو ابو داؤد، ترمذی، مستدرک الحاکم، صحیح ابن حبان وغیرہ میں آئی ہے۔ غلط ہے؟

جہاں تک سعید بن جمہان کا تعلق ہے امام ابن تیمیہ نے تو ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے نہ قاضی ابوبکر بن العربی نے اپنے ایک چھوٹے سے رسالہ "العواصم من القواصم" میں کچھ کہا ہے بلکہ اس کتاب پر طویل حواشی لکھنے والے مرحوم شیخ محبّ الدین الخطیب نے کہا ہے۔ ابو بکر بن العربی نے تو صرف اتنا لکھا ہے۔ "وھذا حدیث لا یصح" (یہ حدیث صحیح نہیں ہے) العواصم ۲۰۱ طبع الریاض ۱۹۸۳ء محب الدین الخطیب نے تاویل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث کا راوی سعید بن جمہان ہے جس کے بارے میں اختلاف ہے بعض لوگوں نے کہا وہ ٹھیک ہیں بعض نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے ابو حاتم نے کہا ہے کہ "وہ ایک ایسے شیخ ہیں جن سے استدلال نہیں کیا جا سکتا" العواصم حاشیہ نمبر (۴) اس کے بعد اب قارئین بلیغ الدین صاحب کا حدیث سفینہ کے راوی سعید بن جمہان کے بارے میں یہ جملہ یاد کریں۔ "یہ شخص قابل اعتبار ہی نہیں ہے" غلط بیانی کی کوئی حد ہے!

مزید توضیح یہ ہے کہ سعید بن جمہان کو امام احمد یحییٰ بن معین اور ابو داؤد نے ثقہ قرار دیا ہے جہاں تک اس حدیث سفینہ کا تعلق ہے اس کے راوی صرف وہی نہیں بلکہ یہ دو اور اسناد سے بھی مروی ہے ایک حضرت ابوبکرۃ الثقفی سے یعنی علی ابن زید عن عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ عن ابیہٗ" اور دوسری حضرت جابر بن عبداللہ سے حدثنا محمد ابن الصباح حدثنا ھشیم بن بشیر عن ابی الزبیر عنہٗ. پہلی روایت بیہقی کی "دلائل النبوۃ" میں ہے اور دوسری واحدی کی الوسیط میں۔ اس طرح یہ حدیث صرف حضرت سفینہ سے ہی روایت نہیں ہے بلکہ دوسرے دو صحابہ سے بھی جن کے سلسلۂ اسناد میں سعید بن جمہان شامل نہیں۔ ابوبکر بن العربی کے مقابلے میں اس حدیث کو نو مشہور محدثین نے صحیح کہا ہے امام احمد، امام ترمذی، ابن جریر طبری، ابن حبان، ابن ابی عاصم، الحاکم، ابن تیمیہ، الذہبی، ابن حجر العسقلانی۔ چونکہ قاضی ابوبکر بن العربی کی کتاب العواصم من القواصم اردو میں ترجمہ ہو گئی ہے جس میں دلائل و براہین کے بغیر اس حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہے اور

بلیغ الدین صاحب اور ان کے ہمنوا دوسرے حضرات کا مبلغ علم یہی ہے اس لئے خطیبانہ انداز میں اپنے مخصوص ناصبی افکار کو ثابت کرنے کے لئے خلافت سے متعلق اس مشہور حدیث کو غلط کہتے ہیں۔

جن ائمہ کرام کا میں نے ذکر کیا ہے وہ ''تاریخ کو مسخ کرنے والے'' نہیں اسلامی تاریخ بنانے والے ہیں اور وہ مستشرقین کو خوب مواد فراہم کرنے والے'' نہیں۔ بلکہ مستشرقین کا دل جلانے والے ہیں۔

اس حدیث میں بنی امیہ کے خلفاء یا ملوک کے لئے ''بنو الزرقاء'' کے تحقیری لفظ کی بات رہ گئی جو بلیغ الدین صاحب نے اٹھائی ہے اور کہا ہے کہ ''امیر المومنین معاویہؓ اور ان کے بعد خلفاء کو بدنام کرنے کے لئے یہ روائت (وہ ایسا ہی لکھتے ہے صحیح روایت ہے) گھڑی گئی ہے۔'' حقیقت یہ ہے کہ روایت ترمذی کا یہ ٹکڑا سعید بن جمہان سے روایت کرنے والے راوی حشرج بن نباتہ کا ہے جو ایک ضعیف راوی ہے، اور وہ صحیح نہیں، اسی لئے میں نے امام ابن تیمیہ کے واسطہ سے جو حدیث گزشتہ صفحات میں نقل کی ہے اس میں یہ ٹکڑا نہیں ہے اور نہ اس کی وجہ سے سعید بن جمہان کو نا قابل اعتبار کہا جا سکتا ہے اور نہ اصل حدیث سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ میں اس ساری بحث کے لئے شیخ ناصر البانی کا شکر گزار ہوں انہوں نے الاحادیث الصحیحہ (مجلد۴) میں اس پر سات صفحوں میں بحث کی ہے۔ ۴۴۷ تا ۴۹۹ اسے ضرور دیکھا جائے، لاجواب ہے۔

اس کے ساتھ اس سلسلہ میں انہوں نے شاہ ولی اللہ صاحب کی ''ازالۃ الخفاء'' کا نام لے کر جو بات ان سے منسوب کی ہے اس کی کوئی قیمت نہیں جب تک وہ پورا حوالہ نہ دیں۔ جس طرح میں نے سابقہ صفحات میں دیئے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ہرگز وہ نہیں کہا جو ان کی طرف بلیغ الدین صاحب نے منسوب کیا ہے۔ انہوں نے اجماع امت کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں کہی ہے اس کے برخلاف وہ تفہیمات الٰہیہ جزء اول کی تفہیم نمبر (۶۵) میں تفصیل سے اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ونشهد بالجنّة والخير للعشرة وفاطمه وخديجه وعائشه والحسن والحسين رضی الله عنهم ونوقرهم ونعترف بعظم محلهم فی الاسلام وکذالک اهل البر واهل بیعة الرضوان وابوبکر اصدق امام حق بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله عنهم، ثم تمّت الخلافته وبعده ملک عضوض. (التفهیمات، تصحیح غلام مصطفیٰ القاسمی ج ۱ ص ۲۰۱)

(ترجمہ) (اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ صحابہ عشرہ مبشرہ بالجنۃ اور فاطمہ اور خدیجہ حسن حسین رضی اللہ عنہم جنتی اور خیر پر تھے۔ خیر کے مستحق ہیں، اور ابوبکر صدیق رسول ﷺ کے بعد امام حق ہیں (یعنی خلیفہ) پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم، پھر خلافت ختم ہوگئی اور اس کے بعد زبردستی کی ملوکیت قائم ہوگئی)۔

کہیے اب کیا کہتے ہیں بلیغ الدین صاحب، ''واہ رے امانت علمی!'' اپنے خلاف انہیں کا جملہ دہرایا ہے۔ اس کے علاوہ جابجا انہوں نے اپنی اس آخری اہم کتاب میں (جو دو حصوں میں شاہ ولی اللہ اکاڈمی حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے) سیدنا علی کو خلیفہ چہارم کہا گیا ہے بلکہ ایک جگہ تو لکھا ہے کہ میں عقیدہ تو خلفائے راشدین کے بارے میں اسی ترتیب سے رکھتا ہوں جو اہل سنت والجماعت کا ہے لیکن دل چاہتا ہے کہ حضرت علی کو افضل سمجھوں۔

اس موقعہ پر سیدنا حسن کے خلافت سے تنازل کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب کج بحثی ہے اور اس میں کوئی بات اس حدیث سے متعلق نہیں ہے جو تیس سالہ دور ''خلافت علی منہاج النبوۃ'' کے بارے میں ہے اور اس کے بعد ہی حدیث سفینہ سے متعلق جو بات اکثریت صحابہ کی گنہگاری کی ہے وہ قطعاً غلط ہے یہ بات ابوبکر بن العربی نے العواصم من القواصم میں بالکل نہیں کہی ہے یہ ان پر ایک بہتان ہے بلکہ اس کے برعکس یہ کہا ہے

ویحتمل ان تکون مراتب فی الولایة خلافة ثم ملکاً فتکون
ولایة الخلافة لاربعة وتکون ولایة الملک لا بتداء معاویة
(العواصم مذکورہ ایڈیشن ص ۱۰۷).

(ترجمہ) اس کا احتمال ہے کہ حکومت کے مرتبے ہوں۔ خلافت پھر ملوکیت اس لئے خلافت والی حکومت تو چار خلفائے راشدین کی ہے اور ملوکیت والی حکومت معاویہ کی ابتداء سے ہے)۔

اب قارئین کے سامنے شاہ ولی اللہ صاحب اور قاضی ابوبکر بن العربی دونوں کی بات انہیں کے الفاظ میں حوالے کے ساتھ آ گئی وہ دونوں ہی حضرت معاویہ کو خلافت کے بجائے ملوکیت کا علمبردار کہتے ہیں۔ اب بتایا جائے کہ قارئین کو دھوکہ کون دے رہا ہے؟

شاہ ولی اللہ صاحبؒ پر جو بہتان بلیغ الدین صاحب نے باندھا ہے کہ حضرت علی کے ہاتھ پر صحابہ کرام کی عظیم اکثریت نے بیعت نہیں کی اور شرپسندوں نے ان کو کوفہ منتقل ہونے پر مجبور کیا بالکل لغو اور بے بنیاد بات ہے کسی تاریخ میں یہ نہیں لکھا ہے، بلیغ الدین صاحب حضرت علیؓ سے عداوت اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جتنے شواہد ان کے خلاف اس بحث میں دیئے گئے ہیں وہ کافی ہیں۔ بس یہاں امام احمد بن حنبل کا اس سلسلہ میں فیصلہ نقل کر کے بات ختم کرتا ہوں۔ جو امام ابن تیمیہ نے اپنی پختہ رائے کے بعد نقل کیا ہے۔

والصحیح الذی علیه الائمه ان علیا رضی الله عنه من الخلفاء
الراشدین فزمان علی کان یسمی نفسه امیر المومنین، والصحابة
تسمیه بذالک. قال الامام احمد ان حنبل من لم یربع بعلی
رضی الله فی الخلافة فهو اضل من حمار اهله.

(فتاویٰ ابن تیمیہ مذکورہ ایڈیشن ج ۴ ص ۴۷۹)

(ترجمہ) (صحیح بات جس پر ائمہ متفق ہیں وہ یہ ہے کہ علیؓ خلفاء راشدین میں سے

ہیں حضرت علیؓ اپنے سارے زمانۂ خلافت میں خود کو امیر المومنین کہتے
تھے اور صحابہ ان کو یہی نام دیتے تھے امام احمد ابن حنبل نے کہا ہے کہ جو
کوئی علی کو چوتھا خلیفہ نہ کہے وہ اپنے گھریلو گدھے سے بھی بدتر ہے)۔

اس کے بعد بلیغ الدین صاحب نے جو کچھ حضرت سفینہ کی حدیث اور ذات سے متعلق لکھا ہے اس کی کوئی قیمت نہیں رہتی، اور نہ وہ خود درخور اعتناء ہیں۔ ہاں یہاں جو حوالہ جنگ جمل وصفین کا دیا گیا ہے اور اس کے بعد ہی قاضی عیاض کا قول نقل کرتے ہوئے حضرت معاویہ کو دین کا خدمت گزار اور متقی قرار دیا ہے تو ان اوصاف میں حضرت علی کے لئے قاضی عیاض سے برتر صحابہ اور تابعین اور علماء کے اقوال گنائے جا سکتے ہیں یہ سب جانتے ہیں کہ حضرت معاویہ کی دین کے لئے خدمت بہت دیر میں یعنی ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد شروع ہوئی۔ جب وہ اسلام لائے جہاں تک جنگ صفین کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں انتہائی ثقہ محدث مفسر اور مؤرخ ابن کثیر کا قول ان کی تاریخ البداية والنهاية (ج ۸ ص ۱۲۷) میں دیکھا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے اس جنگ پر کافی کچھ لکھنے کے بعد فیصلہ دیا ہے کہ "وكان الحق والصواب فيها مع عليؓ" (یعنی اس میں حضرت علی حق پر تھے)۔

جہاں تک حدیث سفینہ کا (جو تیس سالہ خلافت اور اس کے بعد ملوکیت کے بارے میں ہے) تعلق ہے۔ اُس کو بلیغ الدین صاحب نے ترمذی کے حوالے سے حسن، (اچھی) لکھا ہے تو اس کے بعد تو کوئی مسئلہ نہیں رہتا، کیونکہ ایسی تمام احادیث معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام ترمذی کی اصولِ حدیث سے متعلق مصطلحات کو نہیں جانتے۔ یہ کوئی تفریق نہیں بلکہ انہوں نے تو حدیث کو "حسن" کہہ کر اس کی توثیق کر دی ہے۔ مصطلحات علم اصول حدیث سمجھنے کے لئے بلیغ الدین صاحب کو کوئی معتبر اور مستند کتاب پڑھنا چاہئے جیسے "مقدمة ابن الصلاح في علوم الحديث" جو اس باب میں بہت اہم قدیم کتاب سمجھی جاتی ہے یا "نخبة الفكر"۔

حافظ ابو عمر عثمان المشهور بابن الصلاح متوفی ۶۴۲ھ اپنی مذکورہ کتاب کے باب "النوع الثانی. معرفة الحسن من الحدیث" میں کہتے ہیں۔ یعنی حسن وہ ہے جس کی اصل معلوم ہو اور اس کے رجال یعنی رواۃ مشہور ہوں" یہ سنن ابی داؤد کے مشہور شارح محدث خطابی کا قول ہے اس کے بعد وہ خود امام ترمذی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک حدیث حسن وہ ہے جس کے سلسلۂ روایت میں کوئی ایسا آدمی نہ ہو جس کو جھوٹا کہا جاتا ہو اور نہ وہ حدیث شاذ (یعنی منفرد) ہو بلکہ دوسرے سلسلۂ روایت سے بھی اس کو بیان گیا ہے" (مقدمة ابن الصلاح بیروت ۱۹۷۸ء صفحہ ۱۵)

اسی حدیث زیر بحث پر تنقید کرتے ہوئے بلیغ الدین صاحب نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے جو صحیح مسلم میں بارہ خلفاء کے بارے میں ہے اور جس کو انہوں نے مرحوم سید سلیمان ندوی کے حوالے سے اشارۃً ذکر کیا ہے اور ان کی عبارت کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ یہ بڑا اہم مسئلہ ہے اور اس پر سید صاحب مرحوم نے مختلف عنوانات کے تحت (دارالاشاعت ایڈیشن ۱۹۸۵ء صفحہ ۲۸۸) بحث کی ہے بلیغ الدین صاحب نے اپنے مطلب کی بات نقل کی ہے یا اس کے بالکل برعکس بات ان سے منسوب کی ہے اس میں مندرجہ ذیل نقاط قابل غور ہیں۔

۱۔ حافظ عیسیٰ یعنی امام ترمذی کے حوالے سے طرف بارہ خلفاء کے ناموں کا سید صاحب نے ذکر نہیں کیا ہے اور ترمذی میں بارہ خلفاء کی حدیث کو "غریب" کہا ہے۔

۲۔ یہاں انہوں نے قاضی عیاض کی اس حدیث کا وہ مطلب نہیں لکھا ہے جو سید صاحب مرحوم نے ذکر کیا ہے جو یہ ہے "قاضی عیاض اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے۔"

۳۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے حافظ ابن حجر کی بارہ خلفاء کے ناموں کی فہرست براہِ راست ان کی کتاب فتح الباری فی شرح البخاری سے نہیں دی ہے سیوطی کے مختصر

کتاب تاریخ الخلفاء کے مقدمہ سے دی ہے۔

۴۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس بارہ خلفاء کی فہرست میں سے ایک خلیفہ یعنی یزید بن معاویہ کی خلافت کے بارے میں وہ اسی ایڈیشن کے صفحہ ۳۹۲ پر ایک ذیلی عنوان ''یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر'' کے تحت لکھتے ہیں۔

> ''امیر معاویہؓ نے ۶۰ھ میں وفات پائی اور ان کے بجائے یزید تخت نشین ہوا اور یہی اسلام کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور روحانی ادبار و نکبت کی اولین شب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے متعدد روایتیں اس بارے میں ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ۶۰ھ کے شروع ہونے سے اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگا کرو۔''

اس کی تائید میں سید سلیمان ندوی مرحوم نے بیہقی کی ایک حدیث نقل کی ہے اور ایک دوسری حدیث اسی موضوع کی حاکم کتاب المستدرک سے نقل ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابو ہریرہ کی یہ دعا کہ ''اے اللہ! مجھے اس وقت سے پہلے دنیا سے اٹھا لے'' قبول فرمائی اور ۵۹ھ میں ان کی وفات ہوگئی۔ یہاں میں حافظ ابن حجر کی کتاب (فتح الباری ۱۳، ص ۱۰) سے اس کی تائید میں ابن ابی شیبہ کی ایک اور روایت کا اضافہ کرتا ہوں جو یہ ہے کہ ''اے اللہ مجھے ۶۰ھ سے پہلے اس دنیا سے اٹھا لے اور مجھ کم عمر نوجوانوں کی حکومت دیکھنا نہ پڑے اور ایسا ہی ہوا کہ یزید بن معاویہ کی خلافت ہوئی جو ۶۴ھ میں دنیا سے چل بسا۔''

اب بلیغ الدین صاحب اپنے اس تضاد کو ملاحظہ فرمائیں کہ اس یزید کو وہ ان بارہ خلفاء میں سے سمجھتے ہیں کہ جن کے عہد میں ''اسلامی حکومت اچھی رہے گی'' اس کے بارے میں خود علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے تفصیل سے جو کچھ لکھا ہے وہ قارئین نے پڑھ لیا ہوتا تو یہ چاہئے تھا کہ بلیغ الدین صاحب مصنف مرحوم کی بیان کردہ ان متضاد روایات کو بیان کرنے کے بعد عقلی اور نقلی (یعنی روایتی) استدلال سے اس تضاد کو دور کرکے اپنا نقطۂ

نظر ثابت کرتے، مگر انہوں نے ایسا کرنے کے بجائے سید سلیمان ندوی کا صرف ایک قول یا ان کی بیان کردہ صرف ایک روایت نقل کردی اور یزید کی حکومت کے بارے میں ان کا اپنا نقطۂ نظر جوان بارہ خلفاء میں سے ایک ہے ذکر نہیں کیا۔ کیا اس کو علمی دیانت کہتے ہیں؟

علمی تحقیق کا جو تقاضا ہے اس کے تحت میں نے مرحوم مولانا سید سلیمان ندوی کا حوالہ یعنی سیوطی کی کتاب ''تاریخ الخلفاء'' کا مقدمہ دیکھا مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مرحوم نے حافظ ابن حجر کی صرف ایک روایت اس ''مقدمہ'' سے درج کی ہے سیوطی نے اس روایت کے بعد ابن حجر ہی کی ایک دوسری روایت نقل کی ہے جو زیادہ قرین قیاس ہے اور جس سے وہ تعارض و تضاد دور ہو جاتا ہے جو اس موضوع پر بعض علماء کے یہاں پایا جاتا ہے اور جو درجہ ذیل ہے۔

> ''اور کہا گیا ہے کہ بارہ خلفاء سے مراد وہ ہیں جو پوری مدت اسلام میں قیامت تک ہوں گے اگر چہ یہ تسلسل کے ساتھ نہ ہوں اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو محدث مسدد نے اپنی ''مسند کبیر'' میں ابی الخلد سے روایت کی ہے کہ یہ امت اس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک اس میں باہ خلیفہ نہ ہوجائیں اور جو سب ہدایت الٰہی اور دین حق پر عمل پیرا ہوں گے ان میں سے دو محمد ﷺ کے اہل بیت میں سے ہوں گے۔''

(تاریخ الخلفاء طبقہ رابعہ ۱۹۶۹ء ص ۱۲)

اور پھر اس بارہ خلفاء کے موضوع پر تفصیلی بحث کے بعد امام سیوطی نے اپنی رائے میں جن کو بارہ خلیفہ قرار دیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔ ''چاروں خلفائے راشدین'' (یعنی ابوبکر، عمر، عثمان، علی) (۵) حسن (۶) معاویہ (۷) ابن الزبیر (۸) عمر بن عبدالعزیز یہ آٹھ ہیں ان کے ساتھ خلفائے بنی عباس میں سے ''المهتدی'' کے نام کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ بنی امیہ کے عمر بن عبدالعزیز کی طرح تھے دو باقی رہ گئے جن میں سے ایک مہدی

منتظر ہیں جو آل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہوں گے۔'' (تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۱۲)

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ امام سیوطی کی اس فہرست خلفاء میں امیر معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز کے علاوہ کسی اموی خلیفہ کا نام نہیں ہے مگر ان سے گنتی میں سہو ہوا ہے ان کی تفصیل کے مطابق یہ صرف گیارہ خلفاء بنتے ہیں غالباً وہ اس میں عبدالملک بن مروان کا نام بھول گئے جو امیر معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز کے درمیان سب سے بہتر خلیفہ سمجھا گیا ہے اس نے مدینہ منورہ میں تربیت پائی تھی اور اس کا شمار مدینہ کے عبادت گزار وسیع العلم فقہاء میں ہوتا ہے بعض نے اس کو خلافت سے قبل مدینہ منورہ کے فقہاء میں سعید بن المسیب اور عروۃ بن الزبیر وغیرہ تابعین کے ساتھ شمار کیا ہے۔

یہاں یہ اشارہ کرنا ضروری ہے کہ قارئین جناب بلیغ الدین صاحب کی فراہم کردہ بارہ خلفاء کی فہرست پر غور سے نظر ڈالیں تو اس میں ان کو صرف گیارہ خلفاء نظر آئیں گے بارھویں اہم خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو انہوں نے بھلا دیا جن کو بہت سے علماء پانچواں خلیفہ راشد سمجھتے ہیں (اور میں بھی ان کو سو فیصد سیدنا عمر کی روش تقوی زہد، عدل و احسان اور انابت الی اللہ کی وجہ سے ایسا ہی سمجھتا ہوں) جو حدیث نبوی۔ ''**علیکم بسنتی وسنته الخلفاء الراشدین المهدیین**'' کے عین مطابق ہے المہتدی عباسی کے بارے میں جو کچھ امام سیوطی نے لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ وہ تقویٰ زہد، خشیت الٰہی اور حکمرانی کی صحیح اسلامی ذمہ داری کے سبب عمر بن عبدالعزیز کے نقش قدم پر تھا اور اسی لئے شہید کر دیا گیا جس طرح عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن عبدالملک نے اموی خاندان پر شدت اور لوٹ کھسوٹ کی گزشتہ شاہی روش کو بند کرنے کی وجہ سے زہر دے کر شہید کرا دیا تھا۔ اس یزید بن عبدالملک یا یزید ثانی کے ظلم اور عیش پسندی سے تمام قدیم عربی تواریخ کے صفحات پر ہیں وہی تواریخ جن میں عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، ولید اور سلیمان بن عبدالملک کی کافی تعریف کی گئی ہے۔

اور پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس بارہ خلفاء والی صحیح مسلم کی حدیث میں نہ تو اموی خلفاء کی تصریح ہے اور نہ یہ کہ سب خلفاء تسلسل کے ساتھ ہوں گے اس موضوع پر جو

دیگر احادیث امام سیوطی نے اپنی مذکورہ کتاب تاریخ الخلفاء کے صفحہ (۱۰) پر ذکر کی ہیں ان میں سے بعض احادیث میں ہے کہ یہ سب قریش میں سے ہوں گے تو اس میں خلفاء بنی عباس بھی آتے ہیں اور خلفاء راشدین و امیر معاویہؓ اور عمر بن عبدالعزیز کے بعد اموی اور عباسی خلفاء (جن کا اصطلاحاً یہی نام لیا جاتا ہے) میں سے ایسے نام گنائے جا سکتے ہیں جو اپنے کردار وسیرت کی وجہ سے اس حدیث کے مصداق ہوتے ہیں، بلکہ خود امام مسلم کی زیر بحث حدیث میں ان بارہ خلفاء کے بارے میں "الائمة من قریش" (خلفاء سب قبیلۂ قریش سے ہوں گے) کے الفاظ موجود ہیں اس کی تشریح میں ناصر الدین البانی نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ یہ کہ حدیث ایک دوسری حدیث "الائمة من قریش" (یعنی امام یا خلفاء قریش سے ہوں گے) کی طرح ایک حکم نبوی کی حیثیت رکھتی ہے صرف ایک خبر نہیں یعنی ایسا ہونا چاہیے، صفحات کی تنگ دامانی اجازت نہیں دیتی کہ مزید کچھ لکھوں۔

گماں مبر کہ بپایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

اپنی تنقید کے آخر میں ایک انتہائی اہم جملہ بلیغ الدین صاحب نے لکھا ہے جس سے ان کے میرے بارے میں سوءظن اور حقیقت حال کا اندازہ ہوا۔ ان کے الفاظ ہیں۔ "رضوان علی صاحب کا رویہ گمراہ کن ہے۔ ان کا مسلک رکھنے والوں نے جو چارٹ چھاپے ہیں ان پر وہ توجہ کریں" اس دل شکن الزام کا کیا جواب دوں۔ قارئین یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد میرے رویہ کے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہیں کہ میرا رویہ گمراہ کن ہے یا وہ ہے جس پر تمام اہل سنت والجماعت ساری دنیائے اسلام میں عقیدہ رکھتے ہیں۔ جن ائمہ کرام اور محدثینِ عظام کے اقوال کی روشنی میں، میں نے اپنے افکار پیش کئے ہیں اگر ان کا رویہ گمراہ کن تھا تو میرا رویہ بھی گمراہ کن کہلائے گا۔ یعنی امام بخاری، ابن سعد، ابن ہشام، امام ابن تیمیہ، ابن کثیر، حافظ ابن حجر العسقلانی، امام سیوطی، شاہ ولی اللہ محدث کبیر، شیخ ناصر الدین البانی، استاد مکرم مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی، الشہید الاستاذ سید قطب، مرحوم محدث

شاہ حلیم عطا ندوی وغیرہ جن کی کتابوں سے میں نے ہمیشہ بہت کچھ سیکھا ہے اور اگر حجاز، شام اور مصر کے میرے پرانے اساتذۂ کبار، مرحوم ڈاکٹر مصطفیٰ اسباعی، مرحوم استاذ محمد المبارک، الاستاذ الفقیہ شیخ مصطفیٰ الزرقاء، ڈاکٹر محمد معروف الدوالیبی، ڈاکٹر زکی شعبان الازہری، مکۂ مکرمہ کے السید علوی مالکی، الشیخ حسن مشاط، الشیخ عبدالرزاق حمزہ، مدینۂ منورہ کے مفسّر قرآن الشیخ محمد امین الشنقیطی اور محدث الشیخ عبدالرحمٰن افریقی یہ سب گمراہی کے رویہ پر تھے تو میرے رویہ کو بھی گمراہ کن کہا جا سکتا ہے۔

اور جہاں تک مسلک کا تعلق ہے، نہ معلوم کس خفیہ ایجنسی سے بلیغ الدین صاحب نے میرے مسلک کا پتہ چلا لیا، جس سے ان کا مطلب شیعہ مسلک ہے۔ بہرحال اس کا فیصلہ تو خدائے ذوالجلال کے سامنے روزِ حساب ہوگا، جس نے ہدایت فرمائی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ

(سورۃ الحجرات)

(اے اہلِ ایمان گمان کرنے سے بچو کیونکہ یقیناً بعض گمان گناہ ہیں)

اور میں اپنے پرودگار سے جس کے حرم میں کتنے ہی سال میں نے گزارے ہیں روزِ محشر کہوں گا کہ اپنے اس بندے سے میرے خلاف بدگمانی و اتہام کا حساب لے۔

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ طویل عرصہ تک میں عرب ممالک اور انگلستان میں رہ چکا ہوں مجھے برصغیر کی فرقہ بندیوں کا کوئی علم نہیں۔ اب ایک دو سال سے کچھ کچھ معلوم ہو رہا ہے اور نہ میں نے شیعہ مسلک رکھنے والوں کا کوئی ''شجرۂ اہل بیت'' کہیں دیکھا ہے۔ ہاں چند ماہ قبل ایک مرتبہ ''جنگ'' میں دو شیعہ علماء کا جن میں سے ایک صاحب جو پروفیسر کہلاتے ہیں (دیگر ممالک میں تو صرف یونیورسٹیوں کے اعلیٰ اساتذہ کے لئے یہ لقب استعمال ہوتا ہے) یہ مختصر بے ہودہ انکشاف پڑھا تھا کہ سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیاں نہیں تھیں بلکہ سیدہ خدیجہ کی اپنے پہلے شوہر سے تھیں۔ اس جاہلانہ و ظالمانہ بیان پر بہت تاؤ آیا تھا اور روزنامہ جنگ میں ایک تصحیحی نوٹ لکھ کر خود

دے آیا تھا مگر اس اخبار کے بعض مخصوص ذہنیت کے مدیران نے شیعوں کے خوف سے اس کو شائع نہیں کیا۔ میں نے کثیر الاشاعت ہفتہ وار رسالہ ''تکبیر'' میں لکھنا چاہا مگر اسی دوران کسی صحیح العقیدہ صاحب کا مضمون اس بیان کے رد میں تکبیر میں چھپ گیا اور فرض کفایہ پورا ہوگیا۔ اس وقت میں نے شاہ بلیغ الدین کا کوئی ردعمل اس صریحی گمراہ رویہ پر ''جنگ'' میں نہیں دیکھا۔ وہ تو مشہور آدمی ہیں ان کی تنقید و تصحیح تو غالباً اس اخبار کے ذمہ دار حضرات چھاپنے سے انکار نہیں کرتے۔

مجھے جاننے والے پاکستانی بزرگ واحباب جانتے ہیں کہ میں برسوں ایسے ممالک میں رہا ہوں جہاں اس خاص مسلک کے ماننے والے نظر ہی نہیں آتے جنہوں نے ''شجرۂ خاندان نبوت'' کی طرح کوئی دوسرا شجرہ شائع کیا ہو۔ جس کی طرف بلیغ الدین صاحب نے اشارہ کیا ہے یعنی شام، لیبیا، حجاز ونجد (سعودی عرب) جہاں یہ پتہ چلتا ہی نہیں کہ وہ ماہ محرم کب آیا جو پاکستان میں آتا ہے۔ ہاں یہ بہت نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ میں مسلمانوں کا نیا سال شروع ہوگیا ہے، سو مجھے کسی ایسے غلط اور گمراہ کن شجرۂ خاندان نبوت کا قطعی علم نہیں اور یقیناً وہ باطل ہے اگر اس میں سیدہ فاطمہ کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی دوسری صاحب زادیوں اور حضرات حسنین کے علاوہ آپ کے دوسرے نواسوں اور نواسی کا ذکر نہیں جو ثقہ مؤرخین ومحدثین کے بیانات کے مطابق بچپن ہی میں وفات پاگئے۔ جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی) اور سیدنا علی کے علاوہ آپ کے دوسرے دامادوں کا تذکرہ نہیں جن میں سے ایک ذی النورین کے لقب کے حامل ہیں تو ایسا شجرہ یا چارٹ یقیناً باطل اور فرقہ وارانہ تعصب پر مبنی ہے قدیم عرب شیعہ مورخین یعقوبی ومسعودی وغیرہ بھی ایسا نہیں کہتے۔

لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس ''مخصوص فرقہ'' سے عناد کی وجہ سے ہم ان اہل بیت نبوت کی تنقیص کریں۔ جن کی فضیلت بکثرت اور بتواتر صحیح احادیث نبویۃ میں آئی ہے اور جن پر قرآن کریم بھی شاہد ہے۔ تاریخ کو اگر ایک گروہ مسخ کرتا ہے تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہم ایک دوسری انتہا پر پہنچ کر ضد وعصبیت میں کسی اور انداز سے اس کو مسخ

کریں کیونکہ ارشاد خداوندی ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین للّٰہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی. (سورۃ المائدۃ)

ترجمہ۔ اے ایمان لانے والو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تم کو اس طرف مائل نہ کردے کہ تم انصاف کی بات نہ کرو انصاف کرو کہ یہی خدا ترسی سے قریب تر بات ہے۔

اب سب سے آخر میں ایک اہم سوال یہ ہے۔ کہ اس ساری علمی بحث و تمحیص کا عام مسلمانوں کو کیا فائدہ ہے؟ اس کو میں ایک بہت واضح حقیقت سے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں جو یہ ہے کہ وہ مخصوص گروہ جس کو بلیغ الدین صاحب ''سبائی'' کے نام سے یاد کرتے ہیں اپنی مجالس میں صرف (اللھم صلی سیدنا محمد وعلی ال محمد) پڑھتے ہیں جب کہ تمام اہل سنت والجماعت اللھم صلّ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم پڑھتے ہیں یہ کہتے ہوئے وہ لفظ ''آل'' میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اولاد اسباط (نواسے نواسیاں) خاندان نبوت کے مسلمان افراد یعنی چچاؤں پھوپھیوں اور ان کی اولاد کو شامل سمجھتے ہیں اور اسی لئے آل ''محمدؐ'' کے ساتھ ساتھ اس درود شریف یا صحیح الفاظ میں صلوٰۃ و سلام میں آنحضرت ﷺ کے تمام صحابہ کرام علیحدہ سے شامل کرتے ہیں جن کے مختلف درجات اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب یعنی قرآن کریم میں اور رسول اللہ ﷺ نے احادیث صحیحہ میں بیان فرما دیئے ہیں اور عربی کی کہاوت ہے کہ و آتوا کل ذی حق حقہ (یعنی ہر صاحب حق کو اس کا حق دو) اور میں نے اس پر سلف صالحین کے عقیدہ کے مطابق عمل کیا۔ اسی لئے میں نے سابقہ صفحات میں اہل بیت اور آل اولاد کی اس تقسیم کو غلط قرار دیا ہے۔ جس کے لئے نہ تو زبان عربی سے کوئی دلیل ہے نہ احادیث رسول سے۔
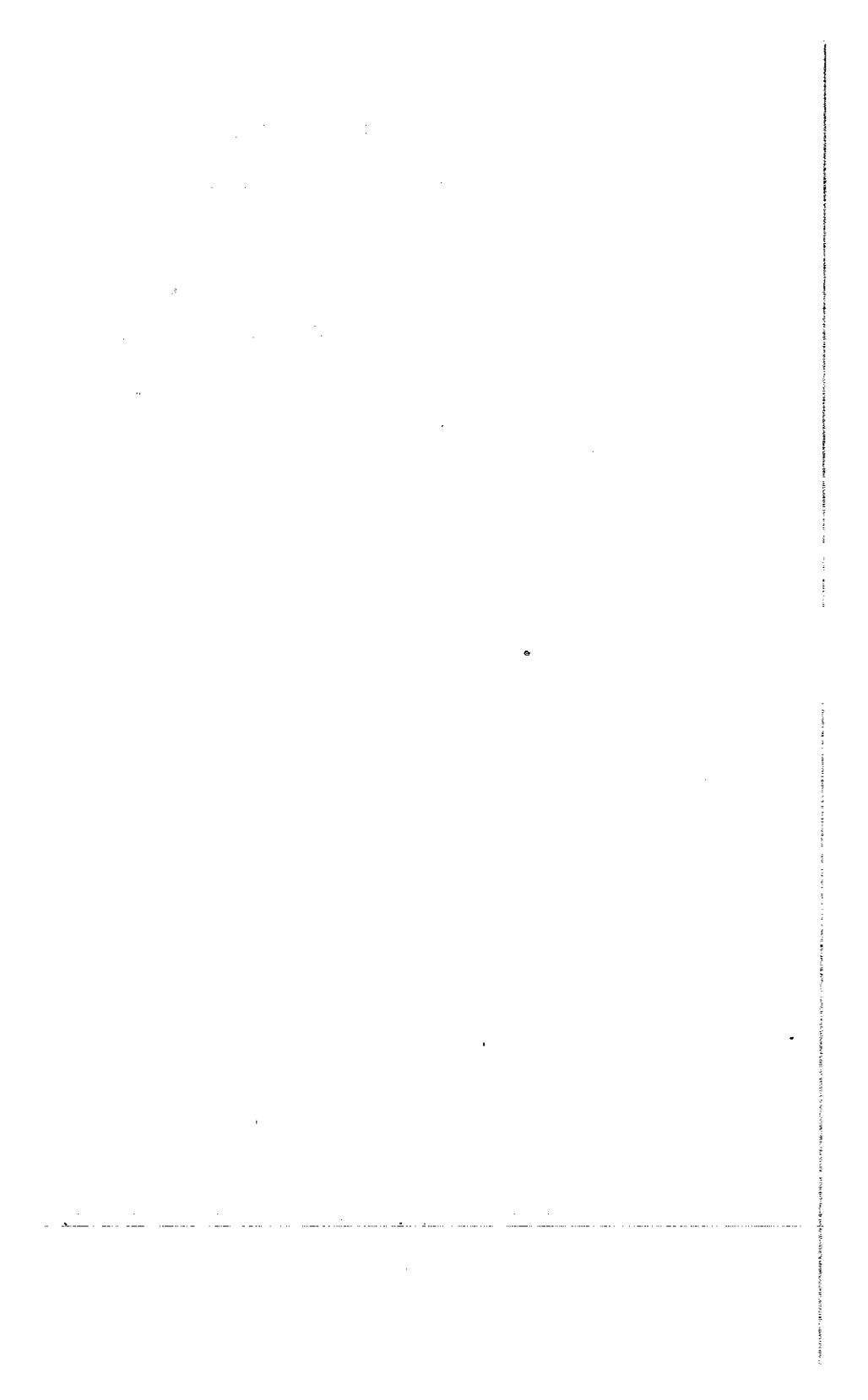
بلکہ میں نے اس تقسیم کی مخالفت کرتے ہوئے جس کا سبب بلیغ الدین صاحب کے مضمون کے آخری الفاظ پڑھ کر معلوم ہوا ''آل'' کے وسیع تر مفہوم کا ذکر بھی قرآنی شواہد سے کر دیا تھا یعنی تمام امت محمدیہ، کیونکہ وہ درود شریف جس کو ہم نماز میں پڑھتے ہیں اس سے یہی معنی مراد ہیں ورنہ اگر ہم اس کو اس محدود معنی میں لیں جو اس ''چارٹ'' میں ذکر کیے گئے ہیں تو اس سے صحابہ کرام پر بڑا ظلم ہوگا اور ہم نادانستہ اس گروہ کے ہمنوا ہو جائیں گے جو ''آل'' سے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد و اسباط مراد لیتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کر دوں کہ اس بحث کا محرک نہ تو گروہی عصبیت ہے اور نہ اظہار علمیت بلکہ صرف احقاق حق ہے۔

"اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لِذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ" (سورہ ق ۳۷)

ترجمہ: اس میں ہر اس شخص کے لیے خیر خواہی ہے جس کے پہلو میں دل ہے اور جو پوری توجہ سے بات سنے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

(۴) بنی اُمیہ و یزید کی وکالت و دیگر افتراءات (ناصبی نقطۂ نظر)

پہلا مغالطہ:

سب سے پہلے میرے مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے جو آیت تطہیر سے متعلق ہے۔ "زید ابن ارقم کی روایت ہو یا کوئی اور۔ ان روایات میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اس مین صرف ایک بیٹی ایک داماد اور ان کے دو صاحبزادے کیوں شامل ہیں؟ آخر حضرت فاطمہ کی اولاد میں حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب بھی شامل تھیں۔ رضوان علی صاحب کا جواب یہ ہے۔ "یہاں بلیغ الدین صاحب نے جو اعتراضات اس حدیث پر اٹھائے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت (تطہیر) کے نزول کا زمانہ ۵ ہجری نہیں بلکہ ۹ھ ہے (فتح الباری ج ۸ ص ۵۳۲) اس وقت سیدہ زینبؓ اور سیدہ ام کلثومؓ وفات پا چکی تھیں۔" جب اس اعتراض کا جواب ان سے نہ بن پڑا تو انہوں نے ناموں کی مناسبت سے بات بدل دی۔ حضرت فاطمہ کی صاحبزادیوں یعنی حضرت ام کلثوم کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی اور حضرت زینب کی وفات ۶۲ھ میں (زینب کبریٰ ۱۲۲ جعفر واقدی) عام قاری کو متاثر کرنے کے لئے سیاق وسباق کو توڑ کر فتح الباری کا حوالہ دے دیا۔ زمانۂ نزول میں بھی اختلاف ہے۔ میں ایک آسان حوالے پر اکتفا کرونگا۔ تفہیم القرآن میں سورہ احزاب کے زمانہ نزول کے بارے میں مودودی صاحب ۵ھ کو فوقیت دیتے ہیں۔ رضوان علی صاحب کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر یہاں یہ الجھن نہ ڈال دی گئی تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ اور ابو العاصؓ اور حضرت ام کلثومؓ اور حضرت عثمانؓ کو بھی چادر میں کیوں نہ ڈھانپا دونوں اعتراضات کا جواب کوئی نہیں؟

دوسرا مغالطہ:

رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ ''حدیث نمبر ۸۵۳ کا جو اہم ٹکڑا ہے اس کو موصوف (بلیغ الدین) نے کمال ہوشیاری سے حذف کر دیا ہے اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ ترجیح یہاں بھی کوئی نہیں'' پوری حدیث یہ ہے کہ ''سیدہ فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہیں جس نے ان کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ اب بتایا جائے کہ کیا اس میں کوئی ترجیح نہیں!'' یہاں صرف اس حدیث کا روئے سخن کس کی طرف ہے۔ یہ معلوم ہو جائے تو رضوان علی صاحب کا اعتراض باطل ہو جاتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ کو کس نے ناراض کیا؟ صحیح بخاری میں دامادوں سے متعلق جو بات ہے اس میں لکھا ہے کہ فاطمہؓ میرا ایک ٹکڑا ہے اس کو جو بات بری لگے اسے میں ناپسند کرتا ہوں اللہ کی قسم یہ تو ہونے والا نہیں کہ اللہ کے رسولؐ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن (ابوجہل) کی بیٹی دونوں ایک شخص کے نکاح میں رہیں۔ قارئین خود یہاں فیصلہ کریں کہ حدیث کا جو حصہ میں نے چھوڑا وہ ایک ناخوشگوار واقعہ سے متعلق ہے۔ جس کا میری بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ اصل فضیلت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر کا ٹکڑا ہونے میں ہے۔ یہ جملہ میں نے دے دیا ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا اس حدیث میں اپنی بہنوں یا امہات المؤمنین پر سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت کا کوئی پہلو نکلتا ہے؟ پھر اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ سب بیٹیاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر ہی کے ٹکڑے ہیں۔ یہاں فضیلت ابوجہل کی بیٹی پر ثابت ہوتی ہے جس کی کوئی اہمیت نہیں۔ چارٹ میں سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کا نام لکھنے سے اس کا کیا تعلق، جو اعتراض مجھ پر کیا گیا غلط ہے۔

اعتراض برائے اعتراض کی ایک اور مثال حضرت امامہ کے تعلق سے ہے۔ لکھتے ہیں کہ ''بلیغ الدین صاحب نے اردو کی دائرۃ المعارف یونیورسٹی آف پنجاب کا حوالہ دیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ علمی طریقے کے متعلق مقالہ نگار کا نام دینا چاہیئے۔'' دوسری بات یہ ہے کہ ان کو اس اہم موضوع پر کسی قدیم عرب مؤرخ کا حوالہ دینا چاہیئے۔ میں نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ..... دیکھیئے جلد سوم دائرۃ المعارف طبع اول ۲۹۶۸ دانش گاہ پنجاب۔

یہ بہت واضح حوالہ ہے۔ اعتراض کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ کسی عرب مؤرخ کا حوالہ دیجئے۔ میں اس مقالے کا حوالہ دے رہا ہوں جس میں کئی عرب مورخوں کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ لفظ ''امامہ'' سے حوالہ ڈھونڈنا ہے۔ دائرۃ المعارف کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ میں نے جلد سوم کا بھی ذکر کیا ہے حوالہ آسانی سے نکل سکتا تھا۔

چارٹ بنانے والے نے سورۃ الاحزاب کی آیتوں کے علاوہ درود شریف بھی دیا ہے جس میں آل کا مطلب متبعین بھی آجاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔ اغرقنا آل فرعون سرور کائناتﷺ کا اسم گرامی اس چارٹ کا عنوان نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ پہلے آپ کے والدین کے نام کو جلی قلم سے لکھا گیا ہے۔ پہلی سرخی جو کالی پٹی میں ہے اہل بیت رسول اکرمﷺ کی ہے یہی چارٹ کی سرخی ہے جس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا عنوان ہے ازواج مطہرات پھر ہر حصہ کا الگ الگ عنوان ہے۔ یہ عنوانات کاتب نے کالی پٹی میں لکھے ہیں جس سے آپ فائدہ اٹھا کر بلاوجہ اعتراض کر رہے ہیں۔ عام قاری کی سہولت کے لئے امت کی ماؤں پھر ان کی اولاد پھر نواسوں نواسیوں کا الگ الگ ذکر آیا ہے۔ پھر اس میں سرپرست حضرات اور صحابہ کرام جو خلفاء بنے ان کے نام ہیں اور اہل بیت کے وسیع تر مفہوم کو واضح کیا گیا ہے۔ جو بڑی خوشی کی بات ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بقول مولانا مودودی (تفہیم جلد ۴، الاحزاب) جو لوگ اہل بیت کو صرف حضرت علیؓ اور ان کے دو صاحبزادوں تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ چارٹ اس سے ہٹا ہوا ہے اور سلف صالحین اور بہت سے اکابرین کی رائے کے مطابق وہ سب نام چارٹ میں ہیں جو کسی اعتبار سے بھی اہل بیت کے زمرے میں ضرور آسکتے ہیں۔ اگر یہ بات غلط ہو تو میرا مشورہ رضوان علی صاحب کو یہ ہوگا کہ وہ اس چارٹ کو شریعت کورٹ میں پیش کر کے اس پر کورٹ کا فیصلہ لے لیں۔

تیسرا مغالطہ:

رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ صاحب نے (ایک نامعلوم نقاد کی طرف اشارہ کیا ہے) اہل بیت سے صرف ازواج مطہرات کے معنی لئے ہیں انہوں نے دیدہ

یہ بہت واضح حوالہ ہے۔ اعتراض کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ کسی عرب مؤرخ کا حوالہ دیجیے۔ میں اس مقالے کا حوالہ دے رہا ہوں جس میں کئی عرب مورخوں کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ لفظ ''امامہ'' سے حوالہ ڈھونڈنا ہے۔ دائرۃ المعارف کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ میں نے جلد سوم کا بھی ذکر کیا ہے حوالہ آسانی سے نکل سکتا تھا۔

چارٹ بنانے والے نے سورۃ الاحزاب کی آیتوں کے علاوہ درود شریف بھی دیا ہے جس میں آل کا مطلب متبعین بھی آ جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔ اغرقنا آل فرعون

سرور کائنات ﷺ کا اسم گرامی اس چارٹ کا عنوان نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ پہلے آپ کے والدین کے نام کو جلی قلم سے لکھا گیا ہے۔ پہلی سرخی جو کالی پٹی میں ہے اہل بیت رسول اکرم ﷺ کی ہے یہی چارٹ کی سرخی ہے جس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا عنوان ہے ازواج مطہرات پھر ہر حصہ کا الگ الگ عنوان ہے۔ یہ عنوانات کاتب نے کالی پٹی میں لکھے ہیں جس سے آپ فائدہ اٹھا کر بلاوجہ اعتراض کر رہے ہیں۔ عام قاری کی سہولت کے لئے امت کی ماؤں پھر ان کی اولاد پھر نواسوں نواسیوں کا الگ الگ ذکر آیا ہے۔ پھر اس میں سرپرست حضرات اور صحابہ کرام جو خلفاء بنے ان کے نام ہیں اور اہل بیت کے وسیع تر مفہوم کو واضح کیا گیا ہے۔ جو بڑی خوشی کی بات ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بقول مولانا مودودی (تفہیم جلد ۴، الاحزاب) جو لوگ اہل بیت کو صرف حضرت علیؓ اور ان کے دو صاحبزادوں تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ چارٹ اس سے ہٹا ہوا ہے اور سلف صالحین اور بہت سے اکابرین کی رائے کے مطابق وہ سب نام چارٹ میں ہیں جو کسی اعتبار سے بھی اہل بیت کے زمرے میں ضرور آ سکتے ہیں۔ اگر یہ بات غلط ہو تو میرا مشورہ رضوان علی صاحب کو یہ ہوگا کہ وہ اس چارٹ کو شریعت کورٹ میں پیش کر کے اس پر کورٹ کا فیصلہ لے لیں۔

تیسرا مغالطہ:

رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ صاحب نے (ایک نامعلوم نقاد کی طرف اشارہ کیا ہے) اہل بیت سے صرف ازواج مطہرات کے معنی لیے ہیں انہوں نے دیدہ

دلیری اور علمی بددیانتی کے ساتھ مولانا مودودی مرحوم کی تفہیم القرآن کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ مرحوم نے ''ہرگز ایسا نہیں لکھا'' تفہیم کی جلد۴، ص۹۳ کا انہوں نے حوالہ دیا ہے اسی جلد کے ص ۹۲ پر لکھا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آیت کا اصل خطاب ازواج سے ہے اور اولاد مفہوم لفظ کے اعتبار سے اس میں شامل قرار پائی'' اب ارشاد فرمایئے کہ وہ ایک نامعلوم نقاد جھوٹ بولتا اور دیدہ دلیری سے آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے یا آپ خود اس کے مرتکب ہیں! قارئین فیصلہ کریں۔ یہاں دو اہم باتیں ہیں ایک یہ کہ چارٹ بنانے والے غریب نے تو صرف ازواج مطہرات کا نام نہیں لکھا ہے۔ اس نے تو مجازی معنوں میں اسے پھیلا بھی دیا پھر بھی آپ چراغ پا ہیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ صرف امہات المومنین کے اہل بیت ہونے کا صاف لفظوں میں اعلان تو خیر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کیا ہے۔ ابو عبداللہ عروہ بن زبیرؓ جیسا عظیم عالم حدیث یہی بات کہتا ہے۔ عظیم مفسر عکرمہ مولی ابن عباس اسی کے دعویدار ہیں وہ تو مدینۃ النبی کی گلیوں میں جگہ جگہ اس کا اعلان فرماتے تھے۔

چوتھا مغالطہ:

رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ راغب اصفہانی شیعہ تھا'' آپ کے ہمنواؤں نے تو یہی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ امام فخر الدین رازی اس کے صحیح العقیدہ اور اہل بیت ہونے کی تصدیق کی ہے۔ (دیکھئے اساس التقدیس) علامہ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ (ص ۳۹۶) میں امام رازی ہی سے استفادہ کر کے اپنی بدظنی کو دور کیا ہے آپ نے آغا بزرگ طہرانی کا معروف حوالہ دے کر راغب اصفہانی کے مقام کو گرانے کی کوشش کی ہے۔ معجم الادباء میں ہے کہ وہ تفسیر، حدیث، لغت، ادب اور شعر میں کوہ گراں تھے۔

ساری کوشش یہ ہے کہ خانوادۂ نبوی کے پورے ارکان کا تذکرہ آپ کو گوارہ نہیں۔ امام اصفہانی نے ''فصل الھا'' میں اہل الرجل کی تشریح میں لکھا ہے کہ ''اصل میں تو وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو ایک مکان میں ساتھ رہتے ہیں پھر مجازاً آدمی کے قریبی رشتہ

داروں کے لئے یہ لفظ بولا جانے لگا ہے اور عرف عام میں اہل بیت سے خاص کر آنحضرت ﷺ کا خاندان مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ انما یرید اللہ. کہ (اے پیغمبر) کے اہل بیت، اللہ چاہتا ہے کہ تم سے رجس کو دور کر دے اور کبھی اھل الرجل سے مراد اس کی بیوی ہوتی ہے۔"

یہاں لسان العرب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "مگر بلیغ الدین صاحب نے کمال ہوشیاری سے اس کو بھلا دیا اور دوسری باتوں کا ذکر چھیڑ دیا" آپ محض کج بحثی اور الزامات کے خوگر ہیں۔ اوپر میں آل فرعون کی بات لکھ چکا ہوں۔ آپ صاف صاف لکھئے کہ آپ ہود، احزاب اور قصص کی آیتوں کے مفہوم کو ماننے کے لئے تیار نہیں تو آپ کا یہ مؤقف سمجھ میں آسکتا ہے آپ کیسے کیسے جلیل القدر علماء کو جھٹلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ابن عباسؓ عروۃ بن زبیر کے علاوہ اجماع صحابہؓ سے آپ کو اختلاف ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ راغب اصفہانی کی کتاب محاضرات الادباء مطبوع اور مشہور ہے آپ کہیں سیوطی کی "محاضرات الادباء ومحاورات الشعراء والبلغاء کی بات تو نہیں کرتے" اگر آپ نے سنی علماء کے بارے میں ان کے تاثرات اور ان کے تائیدی بیانات پڑھے ہوتے تو آغا بزرگ طہرانی کے حوالے پر اکتفانہ کرتے جس کا مسلک نام سے ظاہر ہے۔

اہل بیت:

سلف صالحین کے مسلک کا نام لے کر آپ قارئین کو غلط فہمی میں کیوں مبتلا کرتے ہیں۔ ان کا مسلک وہی ہے جو اجماع امت ہے کہ آیہ تطہیر امہات المؤمنین کے بارے میں نازل ہوئی یہی اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا۔ بے شک تفسیر کا حق سب سے پہلے معلم کتاب وحکمت کا ہے لیکن یہ وعید آپ کو معلوم ہے کہ جو جھوٹی باتوں کو اللہ کے رسولؐ سے نسبت دے وہ جہنمی ہے۔ کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ آیت سے کوئی روایت متضاد ہو تو وہ باطل ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ تھوک کے بھاؤ دشمنان قرآن نے روایتیں گھڑی ہیں۔ ان بات سے ہٹ کر خوب اچھی طرح یہ بات سن لیجئے کہ رب العزت کی قسم ہم اہل سنت

سیدنا حضرت علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ اور ان کے خانوادے کے ایک ایک فرد کی جلالت علمی، زہد، اخلاص اسلام کے لئے ان کی محبت اور جو بھی ان کے صحیح کارنامے ہیں ان کو مانتے اور انہیں اپنی محبت کا محور و مرکز سمجھتے ہیں لیکن انہیں ''دیومالائی'' شخصیتیں ماننے کے لئے ایک لمحے کے لئے بھی تیار نہیں اور خود ان عظیم المرتبت شخصیات کو ان خرافات سے کوئی تعلق نہیں جو ان کے بارے میں سبائیوں نے تخلیق کیں حتیٰ کہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا بھی اعلان کر دیا ہم نبی اکرم ﷺ کو خاتم النبیین اور خاتم المعصومین مانتے ہیں۔

حضرت عائشہ کی فضیلت کا مسئلہ بھی آپ پر گراں ہے۔ قرآن نے امہات المومنین کو جو فضیلت دی ہے اسکے بعد کوئی ایسی روایت جس میں کسی بیٹی کو امہات المومنین پر فضیلت دی جائے یا نص صحیح سے ٹکرانے والی ہو غلط ہے۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ کے بارے میں جو کچھ اپنی صحیح اور اپنی تاریخ میں لکھا ہے وہ درست ہے۔ کیا امام بخاری آپ کی رائے میں سلف صالحین میں داخل نہیں؟

پانچواں مغالطہ:

محسن کا نام بھول جانے کے غلطی چارٹ والے سے ہوئی ہے۔ میں تو خدا لگتی بات کہہ رہا تھا خانوادۂ نبوی کا کوئی فرد زندہ رہا یا جلد مر گیا اس کا اسم گرامی شجرے میں آئے گا۔ یہی بات آپ نہیں سمجھ پا رہے۔

آپ غدیر خم، آل علی، آل عقیل، آل عباس، آل جعفر کا بھی تذکرہ لے آئے ہیں اور حوالہ ابن کثیر سے دیا ہے تفسیروں میں جو اسرائیلی روایات اور موضوع روایات آگئی ہیں ان کے بارے میں آپ کا علم کیسا ہے مجھے نہیں معلوم لیکن آپ کا رجحان طبع ان حوالوں سے معلوم ہو گیا ہے۔ شاعر کیا پتے کی بات کہہ گیا۔

شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

جوامع السیرۃ کے حوالے سے جو بات میں ثابت کرنا چاہتا تھا اس کے اندراج کو آپ نے تسلیم کر لیا۔ میں نے اس پر ''اصرار'' نہیں کیا۔ کوئی یہ بات ثابت کر دے تو میں مانوں،

میں نے صاف لکھا ہے کہ" اس بارے میں (یعنی عبداللہ کے القاب میں) مؤرخین میں اختلاف ہے۔"

یہاں آپ کا یہ ارشاد کہ طیب و طاہر کے بارے میں ابن حزم کا حوالہ دیا تو اس کی دوسری باتیں بھی مانیں! واہ کیا شان تحقیق ہے! ہاں طیب طاہر کے عبداللہ سے الگ ہونے کا ایک حوالہ اسد الغابہ میں بھی ہے (دیکھئے اولاد رسولؐ) اب یہ بتایئے کہ اسد الغابہ کی ساری ضخیم جلدوں کو مان لیا جائے؟ اگر کسی مورخ اور محدث کی کوئی بات مانی جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی ہر بات آنکھ بند کر کے مان لی جائے۔ ابن حزم بے شک عظیم شخصیت تھے الملل والنحل، ہو کہ جمهرة الانساب یا تواریخ الخلفاء اس کا بڑا مقام ہے۔

زاد المعاد اصل میں سیرت کی نہیں فقہ کی کتاب ہے۔ یہاں وہاں کچھ سیرت کی باتیں آنا لازم ہے۔ عبداللہ (حضرت رقیہؓ اور حضرت عثمانؓ) کے صاحبزادے کے بارے میں یہ بات طے ہے جس پر اجماع ہے کہ وہ ان کے صاحبزادے تھے۔ بس یہی بات "چارٹ" کی ضروریات کے لئے کافی ہے۔ آپ یہ ثابت کر دیجئے کہ وہ ان کے صاحبزادے نہیں تھے۔ مرغ کے ٹھونگ مارنے والی روایت بڑی تفصیل چاہتی ہے۔ اس لئے جو کچھ میں نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سو برس بعد کی روایت ہے یہ میری بحث کے لئے کافی ہے۔

عجیب بیتی:

مروج الذہب کی روایت کے بارے میں ایک تو آپ نے مسعودی کی پوزیشن گرانے کی بات کی ہے۔ دوسرے حضرت عثمان کے صاحبزادے کے کثیر الطلاق ہونے کی بات آپ نے بڑی خوشی سے لکھی ہے۔ ایسی کوئی روایت حضرت حسنؓ کے بارے میں بھی سنی ہوگی اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ کی دوسری اولاد کے بارے میں جن باتوں کی تفصیل آپ نے لکھی ہے اللہ کو حاضر جان کر بتایئے کہ اس کا چارٹ کے اندراجات سے کیا تعلق ہے؟ تاریخ بھری پڑی ہے کہ اس دور میں کس کس نے مسجد نبوی میں کیا کیا کمالات کے مظاہرے

دکھائے ہیں رہا مسعودی تو اولاد عثمان کی تنقیص میں اس کا بیان جھوٹ اور مبالغے پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ویلُ لکُلّ ھمزۃ لمزہ.. ہر شخص جو عیب بینی کرتا اور آوازے کستا ہے اس کی بڑی خرابی ہے۔

مسعودی کو آپ بڑا مؤرخ بھی مانتے ہیں اور اس میں آپ کو کوئی شک نہیں دوسری طرف طبری کے مقابلے میں مسعودی کی روایت کہ عبداللہ ضعیف العمری کو پہنچے، اور امام ابن تیمیہ کے اس ارشاد کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ حضرت زین العابدین ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ ایک عام قاری کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن آپ کو تو اپنی ریت کی عمارت متزلزل ہوتی معلوم ہو گی۔ لطف یہ کہ مسعودی بڑا مؤرخ ہو کر بھی مقہور اور واقدی محبوب و مطلوب! امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسے سلف صالحین اس کی حدیث لکھنے کے لئے تیار نہیں۔ مغازی کی حد تک کہیں کہیں اسے چھوٹ دی گئی ہے واقدی کی تائید آپ کا مؤقف واضح کر دیتی ہے۔

حضرت عثمان کی اولاد اگر کشمیر ملتان اور حبشہ وجبوتی وغیرہ کے علاقوں میں پائی جاتی ہے تو اس میں تعجب کیا ہے۔ اگر صدیقی، فاروقی، علوی ہندوستان و پاکستان میں آباد ہیں تو عثمانیوں پر کیا پابندی ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شبیر احمد عثمانی، تاریخ دیوبند کے مطابق حضرت عثمان کے دوسرے صاحبزادے کی اولاد ہیں۔ مولانا محمود الحسن کے علاوہ عثمانیوں میں ایک اور بڑی شخصیت مولانا ظفر احمد عثمانی کی ہے۔

حضرت عبداللہ کی اولاد آج بھی مکہ میں ہے۔ قرطبہ اندلس اور اشبیلیہ میں بھی تھی جبوتی کے حکمران کا دعویٰ آپ کی نظر سے کہاں گزرا ہوگا اور مظفر آباد کے نواب مظفر کے جس شجرے پر علامہ شبیر احمد عثمانی اور علامہ انور شاہ کاشمیری کی تصدیق ہے وہ کہاں آپ نے دیکھی ہو گی۔ شاہ رکن عالم کے نانا حضرت جمال فرغانی کا تعلق بھی حضرت رقیہ کی نسل سے تھا سادات رقیہ کا جو مشہور شجرہ مولانا شبیر احمد کی تصدیق سے شائع ہوا ہے اس میں امام کاشف کا نام موجود ہے جن کے کشمیر میں وارد ہونے اور تبلیغ کرنے کی تاریخوں میں شہادت

موجود ہے یہ شجرہ راولپنڈی میں ۲۸ر ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کو شائع ہوا پھر اسے ایوب صدیقی نے ملتان سے شائع کیا۔ یہ شجرہ مفصل طور پر کتابی صورت میں خدا بخش صاحب نقشہ نویس نے جو خود آل رقیہ سے ہیں چھاپا تھا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن راولپنڈی ملتان سے چھپا۔ جس کی تصدیق کر کے مولانا عثمانی نے حکماً ایوب صدیقی اپنے شاگرد سے دوبارہ ملتان سے چھپوایا۔ اس میں شیخ جمال فرغانی اور بی بی پاکدامن زوجہ شیخ صدر الدین عارف بن شیخ بہاء الدین کے نام ہیں۔ کراچی کی نامور لائبریریوں میں سے کسی میں یہ مل جائے گا یا پھر دیکھیے۔

(ص ۱۴۵ سادات رقیہ)

حقائق:

فقرات ۹ تا ۱۳ میں لوٹ پھیر کے وہی باتیں کی گئی ہیں اور جگہ جگہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لئے اہم نکات کی مختصر تشریحات یہاں دی جارہی ہیں تاکہ ریکارڈ درست رہے۔

قبائلی نسبت پہلے بھی تھی۔ آنحضرت کے زمانے میں بھی تھی آج بھی ہے اگر نیت اور عمل برا نہ ہو تو یہ بری نہیں۔ آپ نے مستشرقین کی دہائی دی کہ قبیلہ پرستی کا نتیجہ تھا کہ جنگ جمل اور صفین ہوئی۔ اول تو مستشرقین کی یہ بات ہی غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ مستشرقین سے کون مراد ہیں؟ نام کتاب کا حوالہ جو بات میرے لئے جائز نہیں آپ کو اس میں کھلی چھوٹ ہے؟ تحقیق کا یہ انداز بھی خوب ہے مستشرقین کے نام اور ان کی کتابوں کے حوالے دیتے تو میں ایک ایک پر تبصرہ کرتا۔ اب یہ سن لیجئے کہ جمل اور صفین سبائیوں کی فتنہ پردازی کے واقعات ہیں۔ جمل میں تو ان دشمنانِ اسلام نے شب خون مار کر صلح کو لڑائی میں بدل دیا۔ صفین میں حضرت علیؓ صلح چاہتے تھے سبائیوں نے حملہ کر دیا۔ ان دونوں موقعوں پر ایران اور شام کے مختلف قبائل شریک تھے۔ یہ صرف بنی امیہ اور بنو ہاشم کی لڑائی کسی طرح نہیں تھی۔

خاندانی نسبت سے اللہ کے رسولؐ نے کبھی انکار نہیں کیا۔ آپ اپنے قریشی ہونے کا ذکر فرماتے تھے۔ سلف صالحین آپ کو عربی ہاشمی مطلبی اور امی (سلسلہ امین سے) لکھتے

چلے آئے ہیں اس جواز کے بعد کسی اور سند یا کسی مستشرقین کی ہرزہ سرائی کی اہمیت نہیں۔ اصل میں جمل اور صفین کے بارے میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کی لڑائی کا پروپیگنڈہ سبائیوں کا ہے۔خون سبائیوں نے بہایا۔

آپ حضرات زینبؓ اور حضرت رقیہ کے صاحبزادوں کی اہمیت و فضیلت کے لئے یہ بات یاد رکھیں کہ نواسوں میں وہی صحیح معنوں میں صحابیؓ کی تعریف میں آتے ہیں کیونکہ کوئی اور نواسے وصال نبویؐ سے پہلے بالغ نہیں تھے۔ ہم تو سب کو محترم سمجھتے ہیں۔اعتراض آپ کو ہے۔اس لئے نشاندہی کر دی گئی۔

ابن عساکر کے بارے میں تفصیل دے کر آپ قاری کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ میں نے ابن عساکر کا حوالہ یوں ہی دے دیا۔ اب سے سولہ سترہ برس پہلے چھپنے والی میری کتاب رزم حق و باطل میں ابن عساکر کے حوالے بھی ہیں، اور یہ نوٹ بھی جو آپ کے اعتراض کی تردید کرتا ہے کہ مجھے اس کی کتابوں کے بارے میں تفصیل معلوم نہیں۔ شخصیات کے تحت میری کتاب میں نوٹ ہے ابن عساکر نے تاریخ دمشق کی اسی جلدیں لکھی تھیں۔ اب ان میں صرف چند ملتی ہیں۔لیکن ان کے اقتباسات عام ہیں۔ایک خلاصہ تاریخ میں بھی ملتا ہے۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ قاری یہ سمجھ لے کہ ابن عساکر کا حوالہ علی بن ابوالعاص کے بارے میں قابل اعتبار نہیں کیونکہ اس کی کتابیں بازار میں عام نہیں بکتیں تو پھر ابن اسحاق کا ہر حوالہ باطل کہ اس کی کتاب بھی ناپید ہے۔ پروفیسر گیوم کی کوشش ایک بالکل الگ چیز ہے۔ ابن الندیم کی الفہرست میں پچاسوں کتابوں کے نام اور حوالے ہیں جو ناپید ہیں۔ احقاق حق کے لئے اللہ تعالیٰ آثار محفوظ کر دیتا ہے، حوالے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

احد کے معرکے میں ابو دجانہؓ کو آپؐ نے وہ فضیلت دے دی جو صحابہؓ کرام میں صرف اور صرف حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح ایران کی خصوصیت ہے (بخاری غزوہ اُحد) ابو دجانہؓ نے تو اس تلوار کا حق ادا کیا جو حضورؐ نے انہیں دی۔ ماں باپ فدا کرنے والی بات کو آپ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے چھین کیوں رہے ہیں وہ ہم سمجھتے ہیں! انہوں نے ایران جو فتح کیا تھا!

ہر دامادِ رسولؐ کی اپنی فضیلت ہے۔ ابوالعاص کے بارے میں رسول اکرمؐ کے ارشادات صحاح میں ہیں۔ حضرت زینب پر سوکن نہ لانے کا وعدہ انہوں نے ایفا کر کے دکھایا۔ اس کا تذکرہ صحیح بخاری (باب فضائل) سیرت ابن ہشام بروایت ابن اسحاق۔ البدایہ والنہایہ میں ہے۔ حضرت زینب کی واپسی کا وعدہ بھی انہوں نے پورا کیا۔ اپنے بھائی کنانہ کے ذریعے انہیں مدینہ بھیجنا چاہا تو ذی طوی کے مقام پر ہبیرۃ (شوہر اُم ہانی) اور اس کے بھائی ہبار بن سود نے سیدہ پر نیزے سے حملہ کر کے اونٹ سے گرایا جس سے ان کا حمل ساقط ہوا۔ ابوسفیان آڑے آئے اور صحت یابی کے بعد پھر انہیں لے کر زرقانی کے قول کے مطابق کنانہ بطن یاجج تک گئے اور مکے سے آٹھ میل دور جناب زید بن حارثہ کے حوالہ کیا۔ طحاوی، حاکم اور زرقانی کا کہنا ہے کہ یہی وہ واقعہ ہے جس کی وجہ سے اللہ کے رسول نے سیدہ زینبؓ کو افضل بیٹی فرمایا۔ حضرت رقیہؓ کو دو ہجرتوں کی فضیلت حاصل ہے۔ وہ صاجبزادیوں میں سب سے خوبصورت بھی تھیں۔ ان کے اور حضرت عثمانؓ کے جوڑے کی خصوصی تعریف کی گئی ہے اور پیمبروں کے جوڑے سے حضور نے تشبیہ دی، ام کلثومؓ کو دوسرا نور فرمایا۔ حضرت فاطمہ آخر تک زندہ رہیں اور بہت محبوب رہیں۔

بت شکن:

فتح مکہ کے موقع پر علیؓ بن ابو العاص کے بارے میں پھر حوالے لیجئے۔ علیؓ بن ابوالعاص کو حضور نے پرورش کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر وہ حضور اکرمﷺ کے ردیف تھے۔ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر بت شکنی کی۔ حوالے الاصابہٗ جلد نمبر۲، ص نمبر ۵۰۳۔ سنن ابوداؤد۔ الاستیعاب، اسد الغابہ (جلد ہفتم تحت علی، رحمتہ للعالمین ج دوئم۔ سیر الصحابیات (دارالمصنفین) ابن حزم جوامع السیرۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ ابن ابی طالب اس موقع پر حضورﷺ کے ساتھ خانہ کعبہ کے اندر نہیں گئے۔ قسطلانی کی روایت میں علیؓ کا ذکر ہے اور وہ علیؓ بن ابوالعاص ہیں۔

آنحضرتؐ کے کندھوں پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں کعبے کی چھت سے

ایک بت گرانے کا واقعہ جس کا جناب رضوان علیؒ صاحب نے ذکر کیا۔ بقول ان کے ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو کس سنہ کا واقعہ ہے۔ اس وقت حضرت علیؓ بن ابو طالب کی عمرؓ کیا تھی؟ یہ خفیہ کاروائی کیوں کی گئی؟ میں تو علیؓ بن ابوالعاص کے تعلق سے فتح مکہ کی بات کر رہا ہوں۔ جناب مؤرخ! کیا ہجرت سے پہلے بت شکنی ہے؟ کہاں کی بات کہاں ملا دی۔

مزید حوالے:

محمد الاوسط کے بارے میں تمہید میں کچھ تفصیل ہو چکی ہے۔ مغیرہ سے حضرت امامہ کا صاحب اولاد ہونا بھی ثابت ہے۔ ابن تیمیہ کی تاریخ الانساب، کتاب المعارف دیکھئے، صاف لکھا ہے کہ امامہ کے بطن سے مغیرہ کا ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا۔ ابن سعد کی طبقات جلد سوم میں بھی یہ حوالہ موجود ہے۔ رضوان علیؒ صاحب یہ کہیئے کہ یہ دونوں کتابیں مستند ہیں یا آپ کا قیاس!۔ دائرۃ المعارف کے حوالے میں المحبّر کا حوالہ بھی ہے۔ امام نووی کی تہذیب الاسماء کا ذکر بھی ہے۔ کتنے مستند حوالے اور آپ کو درکار ہیں؟ انساب الاشراف میں بھی یہ حوالہ موجود ہے جو چارٹ میں آپ نے دیکھ لیا۔ میں نے شاہ معین الدین صاحب کی خلفائے راشدین (ص ۳۷۵) کا حوالہ بھی دیا تھا۔ اپنے اساتذہ کو تو آپ خاطر ہی میں نہیں لاتے۔ چارٹ کے حوالے کے باوجود انساب الاشراف کے بارے میں آپ قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ صرف آپ ہی کو اس کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ کس بنا پر ہے؟ اور کونسے نسخے کا آپ نے مطالعہ کیا ہے؟ ڈاکٹر حمید اللہ نے جسے مدون کیا ہے؟ یہ تو حالیہ بات ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید جلدوں پر کام کرنا چھوڑ دیا لیکن تدوین کا کام جاری ہے۔ آپ کی بیجا تعلّی کے جواب میں صرف یہاں یہ اشارہ کر دوں کہ ۱۹۷۳ء میں چھپنے والی میری کتاب ''رزم حق و باطل'' میں اس کے حوالے اور بلاذری پر شخصیات کے تحت نوٹ موجود ہیں۔ آپ مجھے کیا بلاذری سے متعارف کرائیں گے۔ انساب الاشراف کی پہلی چھپی ہوئی کچھ جلدیں کتب خانہ آصفیہ اور دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں بھی تھیں، اور دائرۃ المعارف حیدر

آباد کی طرف سے شائع کرنے کے لئے اس کی تالیف بھی کی جارہی تھی۔ اب رہا یہ سوال کہ علیؓ اور امامہ کے صاحبزادے محمد الاوسط کا نام علی میاں نے اپنی المرتضٰی میں نہیں دیا تو یہ آپ ان سے پوچھئے عربی ماخذوں کے مقابلے میں ان کا کیا مقام ہے، آپ خود بتائیں!

ام الفضلؓ زوجہ عباسؓ کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ بالکل ابتداء میں مسلمان ہوئیں۔ ابن سعد کے پاس ابو رافع کے قول کے باوجود آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عباس بھی ان کے ساتھ اسلام نہیں لائے۔ فتح مکہ کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ سقیا سے مر الظہران کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ذی الحلیفہ کے قریب حضرت عباسؓ اپنے خاندان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے آن ملے تو ارشاد ہوا میں آخر الانبیا ہوں اور تم آخر المہاجرین۔ مسلمان نہ ہوتے تو آخر المہاجرین کا خطاب کس طرح پاتے؟ حضور ﷺ ان کے اسلام کے بارے میں جانتے تھے۔ ابن سعد کا قول ہے کہ بدر کے موقع پر صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ مسلمان ہیں قتل نہ کریں۔ اسد الغابہ میں ہے، کئی بار ان کی ہجرت کرنے کی استدعا کو حضور نے روکا۔ ابو العاص، اگر ابتدائی مسلمان نہ ہوتے تو ان کے پہلے نکاح ہی کو برقرار نہ رکھا جاتا۔ اگر ان کا دوسری بار نکاح پڑھایا جاتا تو یہ کام حضور اکرام ﷺ کے سوا اور کوئی نہ کرتا۔ ایسا ہوتا تو دس جگہ اس کی تفصیل ملتی۔ ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس کی صاف روایت موجود ہے کہ تجدید نکاح کے بغیر حضرت زینب ان کی زوجیت میں رہیں۔ حکیم بن حزام، عکرمہ اور ابوسفیان کو بھی بغیر تجدید نکاح کے اجازت دی گئی تھی۔ رہا جہاد کا مسئلہ تو ابو العاص دورِ صدیقی میں برابر جہاد میں شریک رہے۔ جنگ یرموک میں اپنے لخت جگر کے ساتھ تھے۔ آپ نے یہ سوال اٹھایا تو یہاں یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ عہد نبوی کے بعد سیدنا علیؓ نے چوبیس برس جہاد میں کیوں حصہ نہیں لیا سیدنا عمرؓ ان کو ایران کی فتح پر روانہ کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے ایک بات ابو العاص کے تعلق سے کہی ہے کہ رشتوں سے کوئی فضیلت درجات کا فیصلہ نہیں کرتا آپ نے یہ بات سمجھ لی تو بتائیے کہ اہل بیت کے بارے میں آپ کا کیا مؤقف رہ گیا؟

چھٹا مغالطہ:

رضوان علی صاحب کا کہنا ہے کہ حضرت فاطمہؓ سے میں نے حضرت ابو العاصؓ کا تقابل کیا ہے ۔ کہاں؟ کس جگہ؟ کن الفاظ میں ؟ میری تحریر قارئین کے سامنے ہے۔

عورت اور مرد کا کیا تقابل؟ گفتگو حدیث پر ہو رہی ہے۔ اگر حدیث میں تقابل ہے تو خود اللہ کے رسولؐ کے ارشاد میں ہے اور یہ دامادوں کے درمیان ہے پھر یہ تقابل بھی صرف ایک شرط کے تعلق سے ہے۔

طحاوی کی حدیث فضیلت کے بارے میں فقہ کا کوئی مسئلہ بیان نہیں ہوا ہے حضرت ابو العاصؓ کے تعلق سے تو آپ اپنے ترکش کا ہر تیر آزما رہے ہیں لیکن ہر تیر ضائع کیا جا رہا ہے کیونکہ حضرت فاطمہؓ سے ان کا تقابل سرے سے کہیں نہیں ہوا! چارٹ سے اس بحث کا کیا تعلق؟

شعب بنو ہاشم:

بلاوجہ کی بحث اور ژولیدہ بیانی کا ایک نمونہ، جسے چارٹ کے اندراجات سے کوئی تعلق نہیں، یہ ہے کہ "شعب بنو ہاشم صحیح نام ہے۔ تاریخ کو مسخ کرنے والوں نے یہ چال بھی چلی ہے۔ ازرقی نے تاریخ مکہ (جلد نمبر ۲، ص ۱۸۸) پر لکھا ہے کہ یہاں بنی ہاشم کے مکانات تھے اور یہ ہاشم بن عبدالمطلب کا علاقہ کہلاتا تھا۔ اس کا پرانا نام شعب ابی یوسف تھا۔ معجم البلدان میں یاقوت حموی نے لکھا ہے (جلد ۵، ص ۲۷۰) کہ اس کا نام شعب ابی یوسف تھا۔ یہ وہ گھاٹی ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے کفار مکہ کے جور و ستم سے تنگ آکر بنو ہاشم سمیت پناہ لی تھی۔ عبدالمطلب نے اس گھاٹی کی زمین اپنی تمام اولاد میں تقسیم کر دی۔ اس کا ایک حصہ اللہ کے رسول ﷺ کے والد محترم کو بھی ملا تھا۔ دیکھئے شعب بنو ہاشم (مواهب اللدنیة اول قسطلانی اور معجم البلدان) ہاشم مکہ کی بہت قد آور شخصیت تھے اور یہ گھاٹی اس دور میں اور مابعد شعب بنو ہاشم ہی کہلاتی تھی۔ فن روایت کی رو سے بھی

اس میں ہاشم کی اولاد رہتی تھی... ابو طالب کے پاس تو گھاٹی میں زمین کا ایک ٹکڑا تھا پوری گھاٹی ان کی نہیں تھی۔ حضور اکرم ﷺ یہاں بنو ہاشم کے ساتھ اسیر ہوئے تھے جس کی تائید ہر مؤرخ محدث کرتا ہے۔

اسد اللہ و اسدِ رسول اللہ:

سیدنا حضرت امیر حمزہ کے بارے میں رضوان علی صاحب کہتے ہیں کہ وہ اسد اللہ اور اسد الرسول کے خطاب کے مالک نہیں تھے۔ بلکہ حضرت علی تھے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

حوالہ نمبر (۱) طبقات ابن سعد اول (اولاد عبدالمطلب کی تفصیل کے تحت) (۲) طبقات ابن سعد حصہ سوم (۳) تاریخ الانساب کی کتاب المعارف ابن قتیبہ (نام) حمزہ کے تحت، (۴) اسد الغابہ جلد اول (چچاؤں کا بیان) اب ابن ہشام کا اقتباس بھی پڑھئے ''فرمایا جبرائیل میرے پاس آئے اور بتایا کہ ساتوں آسمانوں کے لوگوں میں حمزہ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ ''حمزہ بن عبدالمطلب اسد اللہ اور اسد رسول ہیں'' سید الشہداء بھی ان کی کا خطاب ہے۔ اس پر بھی آپ حضرات نے چھاپا مارا۔ مزید حوالہ دیکھئے (اسد الغابہ جلد سوم تحت حمزہ) زاد المعاد حصہ اول تحت بزرگ رشتہ دار۔ اب بتائیے کہ دوسروں سے آپ حوالے مانگتے ہیں ورنہ اپنے زعم میں الزام لگا دیتے ہیں، سیدنا حضرت علیؓ کو معرکۂ خیبر میں کامیابی کے بعد خطاب دینے کا ایک حوالہ تو آپ کسی مستند عربی تاریخ سے دیتے۔ آپ نے تو لے دے کر انحصار علی میاں پر کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ، مسند احمد، طبری اور ابن ہشام نے مرحب کے خلاف محمد بن مسلمہ اور یاسر کے خلاف زبیر بن العوام کی شجاعت کا تذکرہ کیا ہے۔ طبری کے پاس عوف اور میمون کی روایتیں بعد میں آئیں ہیں۔ میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ عوف اور واقدی رافضی اور شیطان تھے۔ یحییٰ بن معین میمون کو

ناقابل بھروسہ کہتے ہیں آپ خود دیکھئے کہ ظالموں نے تاریخ کو کہاں سے کہاں مسخ کیا ہے۔ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں الواقدی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''ان کی حدیث ترک کرنے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے (تذکرۃ الحفاظ واقدی) آپ ہم پر احسان کریں گے اگر مستند تاریخی حوالوں سے خیبر کے موقع پر حضرت علی کے خطاب پانے کی تفصیل قارئین کو بتائیں۔ یاد رکھئے کہ آپ کے استاد الاساتذہ علامہ شبلی درۂ خیبر کے تعلق سے واقدی کے بیان کو سخاوی کے حوالے سے لغو بیان سمجھتے ہیں۔ سیدنا علیؓ کی فضیلتیں ہمارے سر آنکھوں پر لیکن اللہ کی میزان پر سچ کا دامن نہیں چھوڑا جا سکتا۔

شیر بطحاء:

رضوان علی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت ابوالعاص کے لقب کے لئے کوئی حوالہ نہیں ہے۔ اس لقب کے لئے میرے حوالے دیکھئے۔ ابن حجر عسقلانی۔ الاصابہ جلد ۴ ص ۱۲۱۔ الاستیعاب (اصابہ کی جلد ۴ کا حاشیہ ص ۱۲۶، مطبوعہ السعادۃ، قاہرہ ۱۳۲۸ھ) ہمارے علماء کی اردو تحریریں تو آپ کو سمجھ میں نہیں آتیں سوائے علی میاں کے، اس لئے علامہ قاضی سلیمان منصور پوری کے حوالے کی تفصیل یہاں نہیں دی گئی۔

ابوالعاص کے نام پر ابھی آپ کا رونا کم نہیں ہوا۔ انہوں نے حضرت زینب کی وفات کے بعد شادی کر لی۔ کیا یہ شرع میں منع ہے یا حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد کئی عقد نہیں کئے تھے؟ حضرت عثمانؓ نے عقد نہیں کئے، کیا کوئی حوالہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے انھیں (ابوالعاص کو) منع فرمایا پھر بھی انہوں نے جرأت کی؟

کفالت:

رضوان علی صاحب نے صحیح بخاری باب قصۂ ابو طالب کا حوالہ دیا ہے۔ بخاری میں چار اور صحیح مسلم میں کتاب الایمان میں باب ۷۷ میں کل آٹھ روایتیں ہیں۔ ابتدائی تین یعنی ۴۱۸، ۴۱۹ اور ۴۲۰ میں حضرت عباس کی بات اور آں حضرت ﷺ کا جواب بسلسلہ

ابوطالب دیا گیا ہے۔ باقی پانچ میں اللہ کے رسول کی بدولت ہلکی آگ میں رہنے کا ذکر ہے۔ کفالت کا کہیں ذکر نہیں۔ رہا سربراہی کا مسئلہ تو جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے، حضرت عبدالمطلب کی وفات سے لے کر ہجرت تک یعنی سرکارِ دوعالم ﷺ کی آٹھ سالہ عمر سے ۵۳ سال تک، ۴۵ سال کے زمانے میں خاندان کے تین سربراہ مقرر ہوئے۔ زبیر سب سے پہلے تھے پھر ابو طالب ہوئے پھر ابولہب کو آخر زمانے میں یہ منصب ملا۔ یہ تینوں بھائیوں کا سلسلہ سینیارٹی کے عین مطابق ہوا۔ باب کفالت جلد اول اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ زبیر نے اپنے بھتیجے کی پہلے کفالت کی وہ مرے تو ابوطالب کو یہ سعادت ملی۔ یہ قول واضح طور پر آیا ہے پھر بحیرا راہب کے جھوٹے واقعے کی دلیل ہے جس کا جھوٹا ہونا ثابت ہے۔ یہ تاریخی قول نہیں ابن اثیر کی ذاتی رائے ہے۔ زبیر کے بارے میں کچھ اور حوالے، ابن سعد، یعقوبی۔ روض الانف (سہیلی) سرسید کے خطبات (انگریزی) رحمتہ للعالمین اور وہ حوالے جو ان کے علاوہ پہلے دیئے جا چکے ہیں۔ اس طرح چارٹ کے اندراجات درست ہیں۔ ابوطالب کی وفات اسی برس کی عمر میں ہوئی۔ ۷۰ برس کی عمر میں وہ سربراہ خاندان بنے جس حد تک ان تین وفود کا تعلق ہے جو شکایتاً ابوطالب کے پاس آئے اس کے سلسلے میں حضور ﷺ کا صرف یہ ارشاد وضاحت کے لئے کافی ہے کہ ایک ہاتھ میں چاند ایک میں سورج رکھ دیا جائے پھر بھی تبلیغ آپ نہیں چھوڑیں گے۔ آپ کو یہ ارشاد فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی اگر ستر برس کی عمر کے باوجود ذہنی طور پر اسلام سے ابوطالب کی وابستگی ہوتی۔ یہ اصل میں ان وفود کو منہ توڑ جواب تھا جن کو ابوطالب مطمئن نہ کر سکے تھے۔ حضرت عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید مشرکین پر غصہ کیا کرتے تھے یا دل میں کڑھتے تھے۔ جسمانی طور پر وہ تندرست نہیں تھے۔

کفالت کے سلسلے میں واضح طور پر یہ بات پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ جس نبی کی تعلیم ''الرحمٰن'' نے اپنے ذمے لی اور کسی فرد بشر کے آگے نبی اکرم ﷺ کو زانوئے تلمذ طے نہیں کرنے دیا اس کی حمیت، کیا اسے گوارا کرتی کہ فخر الرسل سرورِ کشورِ رسالت روٹی کپڑے

مکان کے لئے کسی کا مرہون منت ہوتا۔ حضور اکرم ﷺ اپنے دادا کے پاس رہے یا چچاؤں کی سرپرستی میں، کھاتے پیتے تھے اپنے والد محترم کی چھوڑی ہوئی جائیداد سے! یہ بحث یہاں تشنہ ہے۔ سورۃ الضحیٰ کی ایک آیت کی تفسیر پر تبصرہ کرنا ہے مگر گنجائش کا سوال ہے۔ اس مضمون پر طویل تقریروں میں ہر پہلو سے روشنی ڈال چکا ہوں۔ خاندان نبوی پر میرا کیسٹ عام ملتا ہے۔ میری کتاب طوبیٰ میں بھی اس موضوع پر مضامین ہیں۔ ابو طالب سرپرست رہے مگر زبیر کے بعد۔ اس سلسلے میں بہت سی موضوع روایتیں انتشار پیدا کرتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے چچا کی حیثیت سے وہ ہمارے لئے قابل احترام ہیں لیکن تاریخ کے معاملے میں دھونس اور دھمکی نہیں چلتی۔

بحیرا راہب:

اب طویل اور غیر متعلق بحث کرتے ہوئے رضوان علی صاحب ایک اور سبائی روایت کے دفاع پر آ گئے۔ وہ بحیرہ راہب کے واقعہ سے متعلق ہے۔ پچھلے مضمون میں اس بارے میں جو کچھ لکھ چکا ہوں اس میں بس صرف اتنا اضافہ کروں گا کہ ابو الحسن علی میاں مصنف المرتضیٰ بھی اپنی سیرت کے حصہ اول میں اسے رد کرتے ہیں۔ نبی رحمت ﷺ کے ص ۱۰۷ پر وہ لکھتے ہیں کہ یہ بات صرف وہی شخص کرسکتا ہے جسے تعصب نے اندھا کر دیا ہو یا خیال آرائی اور فرضی اور وہمی باتوں کی اس کو عادت پڑ چکی ہو۔ اگر یہ قصہ سیرت کی کتابوں میں نہ ہوتا تو اس کے ذکر کی بھی یہاں ضرورت نہ تھی۔

ایک اور اعتراض:

حضرت زبیر پر رضوان علی صاحب کا پھر ایک وار! ان کے اعتراضات اور میرے جواب سنئے۔

۱ زبیر شاعر تھے ابو طالب بھی شاعر تھے۔

۲ شاعروں کو وادی خیال میں بھٹکنے والا کہا گیا۔ زبیر بعثت سے پہلے کے شاعر ہیں انہوں

نے آں حضرت ﷺ کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ لہٰذا زمرے میں نہیں آتے بلکہ وہ بامقصد شاعری کرتے تھے۔

۳ شاعر کیسے نبی کا سربراہ ہوسکتا ہے۔ تو پھر ابو طالب بھی نہیں ہو سکتے۔

۴ زبیر کو بلیغ الدین صاحب نے شریف شاعر لکھا، عربی میں شریف کا مطلب معزز ہے۔ ترجمہ میرا نہیں جامعہ عثمانیہ کے دار الترجمہ کے رکن علامہ عبداللہ العمادی کا ہے جو مانے ہوئے عربی داں تھے۔ اگر شریف کے وہی معنی لئے جائیں جو رضوان علی صاحب کہتے ہیں تو بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ ممتاز اور معزز حیثیت کے حامل سردار تھے، اور قادر الکلام شاعر تھے، چلئے آپ نے خود ہی ثابت کر دیا۔ شکریہ!

۵ زبیر فحش گو شاعر تھے بعثت سے پہلے صحابہ کی زندگی بھی مختلف تھی۔ کوئی نمونہ ان کی فحش شاعری کا؟

آپ کے علم میں ہے کہ سعدی جیسا شاعر بھی فحش و ہزل گو تھا۔ آلوسی کا حوالہ دے کر قارئین کے آگے زبیر کی کردار کشی کی کوشش ایک سعی ناکام ہے۔ الحمدللہ میں بھی اس حوالے سے واقف ہوں۔ اب سنئے کہ آلوسی کا حوالہ ۷۳ء میں چھپنے والی میری کتاب رزم حق و باطل میں ہے۔ شخصیات کے تحت اس پر نوٹ بھی ہے۔ آلوسی نے اپنی کتاب بلوغ الادب میں ایک باب دیا ہے جس کا عنوان ہے۔ وہ شعراء جو اپنے قبائل کی مدافعت کرتے تھے۔ اس کے ضمن میں فرزدق شاعر اہل بیت کی ہجو گوئی کا بھی ذکر ہے۔ ایک اور شاعر نے حضرت زبیرؓ کے ڈر سے اسے عتبہ بن ربیعہ کی طرف پھیر دیا۔ اس ڈر سے کہ زبیر اس کی ہجو نہ کہہ ڈالیں۔ آلوسی تو لکھتا ہے کہ زبیر فصیح و بلیغ شاعر تھا سخت مقابلہ کرنے والا اور فحش ہجو گو شخص تھا۔ آلوسی نے آگے لکھا ہے قبیلے کی حفاظت کا مطلب عورتوں کی حفاظت سے ہے وہ صرف فحش گو شاعر نہیں تھے اور پھر آلوسی کا یہ بیان ناقص ہے۔ اس نے زبیرؓ فحش شاعری کا کوئی نمونہ نہیں دیا۔ ہزل گوئی اس زمانے کا مذاق بھی تھا۔ ہجو گوئی میں ہزل تو آتی ہے۔ اہمیت دو باتوں کی ہے کہ ایک تو یہ کہ سب کچھ اپنے قبیلے کی حفاظت کے لئے تھا۔ دوسرے

یہ حقیقت ہے کہ وہ قادر الکلام شاعر اور بہادر سردار تھے۔ آلوسی نے نمونے کے ان کے جو شعر دیئے ہیں وہ ثقہ اور اچھے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت پڑتی تو وہ ہزل کا مورچہ بھی سنبھال لیتے تھے۔ آلوسی نے نمونے کے جو اشعار دیئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موحد تھے۔ ان کے بہادر جنگجو ہونے کا اندازہ حرب فجار میں ان کی تیراندازی سے بھی ہوتا ہے۔ آلوسی کے الفاظ میں وہ مقابلہ کرنے والے آدمی تھے۔ عرب کی جس سوسائٹی میں اللہ کا آخری پیغمبر مبعوث ہوا وہ تو اخلاقی نقطۂ نظر سے بدترین سوسائٹی تھی۔ زبیر کی شاعری پر اعتراض ہے تو پھر ابوطالب کے کفر پر شدید اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ زبیر نے تو بعثت کا زمانہ نہیں پایا۔ رضوان علی صاحب نے کچھ شعراء کے نام دئے ہیں، اس کا چارٹ کے اندارج سے کیا تعلق؟ ان میں کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ اور جمیل کے نام نہیں ہیں جنہوں نے اپنی شاعری سے اسلام کی بڑی خدمت کی۔

ساتواں مغالطہ:

رضوان علی صاحب زبیر کی پوزیشن کم کرنے کے لئے لکھتے ہیں کہ سیرت کی تمام کتابوں میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے عبداللہ بن جدعان کی تعریف کی ہے اور زبیر کی نہیں۔ ابن سعد **حلف الفضول** کے تحت لکھتے ہیں جتنے عہد و پیمان ہو چکے تھے **حلف الفضول** کا معاہدہ سب میں معزز تھا۔ پہلے زبیر بن عبدالمطلب نے اس کی دعوت دی تھی۔ بنی ہاشم بنی تیم سب لوگ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے۔ زبیر نے ان کے کھانے کا انتظام کیا۔ آنخضرت ﷺ کی تعریف کا رخ تو زبیر کی طرف ہے حلف کی تجویز ان کی، جمع کرنے والے وہ۔ عبداللہ بن جدعان کا تو صرف گھر استعمال ہوا۔

اب ایک اور واضح بات سنئے۔ ابن سعد اسی حوالے میں لکھتے ہیں کہ ”ہم کو معلوم نہیں کہ اس حلف میں بنی ہاشم سے کوئی سبقت لے گیا ہو، یعنی جہاں تک علم کی رسائی ہے سب سے پہلے بنی ہاشم ہی نے اس کار خیر کی بنیاد ڈالی اور ایسے بابرکت عہد و پیمان کے

آثار استوار کئے۔" کسی سیرت کی کتاب میں حلف الفضول کے تعلق سے آں حضرت ﷺ کے فرمان کے بعد زبیر کے سوا کسی اور کی تعریف بددیانتی ہے۔

ابو طالب کے افلاس کی بات سب مورخین نے کی ہے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے والد محترم حضرت عبداللہ کے دست نگر تھے۔ ابن سعد نے ان کے افلاس کا تذکرہ کیا ہے۔

ابن اسحٰق، واقدی، بلاذری:

ابن اسحٰق کی بھی تعریف کرتے ہیں حالانکہ ان کے ہاں موضوع روایات کی بھر مار ہے۔ صاحبان علم کی نظر میں سیرت کے تعلق سے موسیٰ بن عقبہ، یحییٰ بن معین اور ابن سعد کا مقام بہت اونچا ہے۔ ابن سید الناس کی کتاب کا جس طرح طعن سے آپ نے ذکر چھیڑا ہے اس کے حوالے بھی رزم حق و باطل مطبوعہ ۱۹۷۳ء میں دیکھ لیجئے۔

آپ کا یہ کہنا کہ ابن اسحاق پر ناپاک حملہ کیا ہے۔ کیا الفاظ ہیں جو ناپاک ہیں؟ ابن اسحاق صد فیصد ابوجعفر کا دست گرفتہ تھا۔ یہ جملہ شاید آپ کو ناگوار گذرا ہے۔ ابن اسحاق شیعہ مؤرخ ہے۔ علامہ سیوطی کی رائے اس کے بارے میں سنئے جہاں تک مغازی کا تعلق ہے مشہور محمد بن اسحاق کی کتاب ہے اور وہ اہل کتاب سے نقل کرتا ہے! (حوالہ ملا علی قاری موضوعات کبیر، شبلی جنگ خیبر) مالک بن انس ان کو شیعی اور ان کو متعدد قصوں اور نظموں کا مخترع بتاتے تھے، جن کی ابن اسحاق نے روایت کی۔ اس پر ابن اسحاق کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ (دائرۃ المعارف، ج اول، ابن اسحاق) ابن اسحاق پیغمبر تھے۔ یا صحابی تھے؟ مؤرخ اور محدث کو تو جانچا پرکھا جائے گا۔

رضوان علی صاحب ابن اسحاق کے بعد واقدی کا دفاع کرتے ہیں۔ جو بات واقدی کے بارے میں میرے پہلے مضمون میں ہے، وہ سلف صالحین کا نقطۂ نظر ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ واقدی کی کتابیں جھوٹی ہیں اور مغازی میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کے علاوہ کوئی کتاب صحیح نہیں۔ (موضوعات کبیر حدیث ۱۹ کے بعد کی پہلی فصل)۔

رضوان علی صاحب کا کہنا ہے کہ امام احمد بن حنبل واقدی کی کتابیں منگوا کر پڑھتے تھے۔ حوالہ کوئی نہیں۔ احمد بن حنبل کی افتادِ طبع اور محدث ہونے کی وجہ سے رضوان علی صاحب کی بات کا یقین کرنا مشکل ہے۔ موضوعات کبیر ہی کے اس حوالے سے احمد بن حنبل کا تبصرہ پڑھئے۔ تین قسم کی کتابوں کا کوئی اصول نہیں (۱) مغازی (۲) ملاحم (۳) تفسیر۔ خطیب اپنی جامع میں فرماتے ہیں کہ یہ ان مضامین کی ان خاص کتب کے بارے میں ہے۔ جن پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ناقل صاحب عدالت نہ تھے اور ان میں قصوں کی بھرمار تھی۔ ملاحم کا جہاں تک تعلق ہے تو اس مضمون کی تمام کتب اس صفت کے ساتھ متصف ہیں اور آئندہ آنے والے فتنوں کے بارے میں چند احادیث کے علاوہ کوئی صحیح نہیں، اور جہاں تک کتب تفسیر کا تعلق ہے تو اس میں سب سے زیادہ مشہور کلبی اور مقاتل بن سلیمان کی کتابیں ہیں۔ امام احمد بن حنبل تفسیر کلبی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ از اول تا آخر جھوٹ ہے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ اسے دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا نہیں نہیں! زرکشی فرماتے ہیں کہ مقاتل کی تفسیر اس کے قریب قریب ہے۔''

ابن سعد کاتب واقدی رہے ہیں، لیکن اہل علم کی نظر میں ان کا مقام معتبر ہے۔ میں نے بلاذری، ابن اسحاق اور واقدی کا کوئی تقابل نہیں کیا۔ شام کے سفر کے بارے میں علامہ شبلی کے اس قول کا تو کوئی جواب آپ سے نہ بن پڑا کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے افسوس کے طالب علم نے شبلی کو بھی قابل اعتماد نہ جانا۔

فقرہ نمبر ۱۲، حیرت ہے کہ آپ یہ سنی سنائی بات لکھ جاتے ہیں یعنی الزامات، طنز، تشنیع علمی طریقہ نہیں۔ تاریخی حقائق اور براہین، اہل علم کے نزدیک مقبول اور صحیح طریقہ ہے! کاش آپ نے خود اس پر عمل کیا ہوتا۔

حدیث مغفور:

(فقرہ ۱۳) آپ امیر المومنین معاویہ کے بعد جبر و استبداد کی باتیں پر بھی آ گئے۔ گویا اب مصائب کا دفتر کھلا۔ یہ بڑی طویل اور اس جگہ قطعی غیر متعلقہ بحث ہے۔ جواب سنئے

یہ امیر معاویہ کا پوتا ہی تھا، جس نے علمی مشاغل اور سائنسی تجربات کی خاطر اقتدار کو لات مار دی تھی جب کہ علوی بار بار اس کے لئے خروج کر رہے تھے۔

حضرت امیر معاویہ صحابی تھے۔ قرآن ان کے راشد ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ شامیو! میں نے کوئی آدمی نہیں دیکھا جس کی نماز رسول اللہؐ کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو۔ تمھارے امام یعنی امیر معاویہ کے علاوہ (منہاج السنۃ جلد۳، ص ۱۸۵) امیر معاویہ اور امیر یزید کو سمجھنا ہو تو ابن کثیر کی البدایۃ والنھایۃ کو غور سے پڑھیئے۔ ان کے بارے میں صرف اتنی بات کافی ہے کہ باپ نے قبرص فتح کر کے حضور اکرم ﷺ کی پیش گوئی پوری کی اور بیٹے نے قسطنطنیہ پر حملہ کر کے حضرت ام حرام کے گھر دیکھے ہوئے رسول اکرم ﷺ کے خواب کی دوسری پیشین گوئی پوری کی، دونوں کو رسول اکرم ﷺ نے جنت کی بشارت دی، اسماعیل مینائی کو آپ جانتے ہیں۔ ان سے فاران کا وہ پرچہ مانگ لیجئے جس میں حدیث مغفور کے سلسلے میں میں نے چوالیس حوالے دیئے ہیں۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ قسطنطنیہ سے لوٹ کر یزید بن معاویہ نے مسلمانوں کو حج کرایا یعنی امیر حج بنے اس سے پہلے بھی امیر حج رہے، معاویہ اور ان کے فرزند کے دور میں جہاد کا احیاء ہوا، امیر یزید کے بارے میں حضرت زین العابدین اور حضرت محمد بن حنفیہ کی روایتوں کا لب لباب یہ ہے کہ جو البدایۃ والنھایۃ اور العواصم من القواصم اور منہاج السنۃ میں ہے کہ فسق وفجور کی روایتیں محض پروپیگنڈہ ہیں ورنہ صحابۂ کرام ایک فاسق وجابر کو نہ امیر حج تسلیم کرتے نہ جہاد قسطنطنیہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھتے۔ تمام مؤرخین متفق ہیں کہ حضرت حسین اس جہاد میں شریک ہوئے اور عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرؓو بن العاص اس جہاد میں امیر یزید کے ساتھ شریک تھے اور محمود بن ربیع کی حدیث کتاب الجہاد باب النوافل بخاری میں ہے کہ ابو ایوب انصاری بھی اس جہاد میں شریک تھے، جس کے سپہ سالار یزید بن معاویہ تھے۔ ان سب نے یزید بن معاویہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ ۱۹۰ صحابہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، جن میں عشرۂ مبشرہ، بدری

صحابہ اور بیعت رضوان کے صحابہ شامل ہیں۔ ابن حجر اور امام عینی ہی نہیں ابو داؤد بھی کہتے ہیں کہ ان کی بیعت پر اجماع امت ہے۔

غیر معروف:

ناصر الدین البانی صاحب اس دور کے محقق ہیں۔ یہ خود ہجرت کرے یورپ سے نہیں آئے۔ ان کے والد آئے تھے۔ پہلے مقلد اور اب غیر مقلد ہیں۔ ان کی ایک آدھ کتاب کراچی کی ایک دو معروف لائبریریوں میں ہے۔ میں نے ان کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ غیر معروف ہیں۔ آپ خود اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ورنہ آپ کو لفظ ''بلکہ'' کا سہارا لے کر انہیں ہندوستان پاکستان میں معروف نہ بنانا پڑتا۔ میں نے کیا غلط لکھا تھا ایک مخصوص گروہ کے نظریات ان کے پاس مل جاتے ہیں۔ حضرت سفینہ کی روایت کو ان کا صحیح کہنا خود اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ شیخ ناصر الدین صاحب کی شہرت یہ ہے کہ انہوں نے بہت سی صحیح احادیث کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے ان کو ملا علی قاری، ابن حجر اور امام عینی کی صف میں بٹھانا چاہتے ہیں تو کون اسے تسلیم کرے گا۔ ابھی تو وقت گذرے گا ان کے لکھے پر جرح وتعدیل ہوگی پھر ان کا مقام متعین ہوگا۔ ان سے بڑے مرتبے کا عالم مولانا ظفر عثمانی اعلاء السنن (۲۰ جلدیں) کے مصنف عرب ملکوں میں غیر معروف، مولانا یوسف بنوری اکثر مقامات پر غیر معروف، ہمارے اکابرین میں شاہ ولی اللہ، شیخ احمد سرہندی، شاہ عبدالحق محدث جیسی شخصیتیں عرب ممالک میں غیر معروف ہیں۔ جو پڑھا لکھا شخص بھی وہاں جائے اسے اس کا احساس ہوتا ہے۔

حوالے نہیں ملتے تو آپ کروٹ بدل کر مطبوع اور موثق کتابوں کے بجائے مخطوطات کا سہارا لینے پر اتر آئے ہیں؟ جناب تحقیق کے لحاظ سے ان کی اہمیت اس وقت تک مسلم نہیں، جب تک آپ اس کی میکروفلم نہ منگوائیں یا اس کے حوالے کثرت سے دوسرے محققین بھی نہ دیں ''رسالہ قاعدہ'' سے آپ نے کیا نقل کیا اس کی کوئی ضمانت نہیں اسی طرح آپ سیاق وسباق توڑ کر ابن تیمیہ کا حوالہ دیتے ہیں۔'' آپ وہ سوال بھی تو لکھتے

جس پر ابن تیمیہ نے فتوٰی دیا۔ موجودہ صورت میں آپ کا بیان نا معتبر ہے۔ اس لئے ابن تیمیہ منہاج السنۃ اول، ص ۳۵۷ پر واضح طور پر لکھتے ہیں کہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی خلافت، خلافت نبوت ہے'' آپ نے ان کے جس فتوے کا حوالہ دیا ہے اس میں حضرت علی کا نام ہے؟ ابن تیمیہ صاف کہتے ہیں کہ لوگ ان پر جمع نہیں ہوئے وہ نہ خلافت نبوت کے منتظم بنے، نہ ملک کے'' انہوں نے یہ بھی تشریح کی ہے کہ خلافت مدینے میں ہوگی۔ مدینے کے باہر نہیں۔ تیس سالہ مدت کی روایت میں ایک سقم یہ ہے کہ تنبیہ الاشراف (کتاب کا صحیح نام التنبیہ والاشراف ہے جو معترض صاحب کو معلوم نہیں) میں مسعودی نے حضرت ابو بکرؓ سے حضرت حسن تک ہر ایک کی مدت خلافت لکھی ہے اسے جوڑا جائے حضرت حسن کی خلافت تیس سالہ مدت سے باہر ہو جاتی ہے۔ دوسری روایتیں کچھ اور صورت حال پیش کرتی ہیں۔ مدت خلافت کی روایتوں کو بھی مسخ کیا گیا ہے۔

سفینہؓ کی روایت:

حضرت سفینہ کی روایت کو ناصر الدین الالبانی صاحب چاہے کچھ کہیں امام ترمذی صحیح نہیں مانتے۔ حضرت ابو بکرؓ کی روایت میں زرقاء اور اس روایت میں استعمال ہونے والے لچر محاورے (''گ'' سے بولنا) کا کوئی ذکر نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہے اقتدار دے لکھا ہے۔ امام ابوداؤد نے سفینہ کی روایت کا لچر جز و دیا ہے۔ سیوطی، ابو حاتم، ابن العربی، محبّ الدین خطیب، سعید بن جمہان کو واقدی کی طرح نامعتبر سمجھتے ہیں۔ الحافظ الکبیر امام ابو حاتم صاف کہتے ہیں کہ اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا، پھر بھی آپ ناصر الدین الالبانی صاحب سے چمٹے ہوئے ہیں۔ ۳۰ سالہ روایت صحابہ میں کسی اور طرح سے نہیں ملتی نہ صحیحین میں ملتی ہے عبداللہ بن مسعود کی روائت پچیس سالہ عرصہ کی ہے بشمول عہد نبوی ۳۵ سال اور صحیحین میں تین خلافتوں کی اور روائتیں بھی ملتی ہیں۔ ایک اور دلیل پیش ہے۔ حضرت سفینہ نے امیر معاویہ اور امیر یزید کے ہاتھ بیعت کیوں کی؟ جمل اور صفین میں شرکت کیوں نہیں کی۔ جب کوئی محدث اپنی بیان کردہ حدیث کے خلاف عمل کرتا ہے تو روایت باطل ہو جاتی ہے، سفینہ

۷ے ھ میں مر گئے۔ سعید بن جمہان کی سماعت حدیث ثابت نہیں، سفینہ مدینے میں فوت ہوئے۔ سعید بصرے ہی میں اس طرح یہ حدیث ضعیف منقطع ہے۔ ایک اور دلیل جو دے چکا ہوں کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر صحابۂ کرام کی جس عظیم اکثریت نے بیعت نہیں کی وہ اس حدیث کی رو سے گنہگار ہو جاتی ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ سعید بن جمہان کو بعض نے ثقہ کہا ہے؟ آپ کھل کے نام دیجئے اور ان کے حوالے بھی دیجئے۔ آپ کے بیان کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہاں ناصرالدین صاحب کا نام دیجئے، سفینہ کی روایت میں حشرج بن نباتہ کا نام بھی آتا ہے جو سعید بن جمہان سے روایت کرتا ہے۔ یہ ضعیف الحدیث ہے، نامعتبر اور منکر الحدیث ہے، حجت کے قابل ہے ہی نہیں۔ ہم تک سفینہ کی یہ روایت دو نامعتبر رابطوں سے پہنچی ہے۔

آٹھویں غلط بیانی:

ازالتہ الخفاء کی پہلی جلد میں ص ۱۴۱ پر فارسی متن اور اردو ترجمے کے ساتھ حدیث سفینہ کے تحت وہ اقتباس ہے، جسے رضوان علی صاحب فرضی تصور کر کے الزام تراشی کرتے ہیں۔ "حدیث سفینہ سے مدت خلافت تیس سال ظاہر ہوتی ہے اور حدیث ابن مسعود سے پچیس سال معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت کوئی تناقض نہیں ہے کیونکہ اگر حضرت مرتضیٰ کو (ان کی اسلامی خدمات کی قوت پر نظر کر کے اور اُن کے زمانہ خلافت میں ان کے افضل الناس ہونے پر نظر کر کے) خلفاء راشدین میں شمار کریں تو خلافت کی مدت (موافق حدیث سفینہ کے) تیس سال ہوتی ہے اور اگر اس بات پر نظر کر کے کہ حضرت علیؓ کی خلافت نے نظام (کامل) نہ پایا اور ان کو خلفاء میں شمار نہ کریں تو حضرت عثمانؓ کی موت سے خلافت خاصہ منقطع ہو گئی (جبکہ موافق حدیث ابن مسعود کے خلافت کی مدت پچیس سال ہوتی ہے) اکثر حدیثیں اس مضمون کی وارد ہوئی ہیں اور (تعین مقام خلافت) ابو ہریرہؓ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ (آں حضرت ﷺ نے فرمایا) خلافت مدینے میں ہو گی اور سلطنت شام میں "تشریح اس کی یہ ہے کہ خلافت ماننے کے دو حصے ہیں، ایک خلافتِ خاصہ اور دوسری

خلافتِ راشدہ جو مدینے سے باہر ہوگی۔ خلافت کے بارے میں اور بھی حدیثیں ہیں، جو حضرتِ عثمانؓ کے عہد پر آ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً بخاری، مسلم اور ترمذی میں حضور اکرم ﷺ کے فجر سے پہلے خواب دیکھنے کی حدیث جس میں ترازو کے ایک پلّے میں آپ ﷺ پھر حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ ملت کے مقابلے میں تلتے رہے اور بھاری نکلے، اس کے بعد وہ ترازو آسمان پر اُٹھالی گئی۔ ابوداؤد میں اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابوبکرؓ سے منقول ہے۔ ابوداؤد نے حضرت جابرؓ سے وہ روایت بیان کی ہے، جس میں رسول اکرم ﷺ کے دامن سے حضرت ابوبکرؓ، ان کے دامن سے حضرت عمرؓ اور ان کے دامن سے حضرت عثمانؓ لٹک رہے ہیں۔ ایک کا دوسرے کے دامن سے لٹکنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ یکے بعد دیگرے 'والی' ہوں گے۔ خلافتِ خاصہ یہاں ختم ہوگئی۔

چند اور ثبوت:

حاکم نے سفینہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مسجد اقدس کی بنیاد ڈالی تو پہلے آپ نے ایک پتھر رکھا پھر ابوبکرؓ سے فرمایا کہ پتھر رکھیں اس کے بعد پہلو میں عمرؓ سے پتھر رکھوایا اور آخر میں عثمانؓ سے اور ارشاد فرمایا، یہ لوگ میرے بعد خلیفہ ہیں۔ بزاز اور طبرانی نے (المعجم الاوسط) اور بیہقی نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک روز نبی ﷺ تنہا بیٹھے تھے کہ ابوذر وہاں پہنچے، پھر ابوبکر، عمر اور عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ رسول اکرم ﷺ کے سامنے سات کنکریاں پڑی ہوئیں تھیں۔ آپ ﷺ نے کنکریاں ہتھیلی پر رکھیں تو وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ آپ ﷺ نے انہیں اُٹھا کر ابوبکرؓ کے ہاتھ پر رکھا وہ پھر تسبیح پڑھنے لگیں۔ زمین پر رکھا تو خاموش ہوگئیں۔ آپ ﷺ نے عمرؓ کے ہاتھ پر رکھیں، پھر تسبیح پڑھنے لگیں، زمین پر رکھا تو پھر خاموش ہوگئیں، اسی طرح حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر تسبیح پڑھتی رہیں، اور زمین پر رکھتے ہی خاموش ہوگئیں۔ فرمایا یہ علامت خلافتِ نبوت کی ہے۔ یہ سب احادیث میں نے ازالتہ الخفاء ہی سے لی ہیں۔ صرف اس لئے کہ قارئین کو خلافت کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب کا نقطۂ نظر اچھی طرح معلوم ہو

جائے (جلد اول، فصل سوئم، تفسیر آیات خلافت)۔ رضوان علی صاحب نے لکھا ہے ''مجھے یقین ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ہرگز وہ نہیں کہا ہوگا جو ان کی طرف بلیغ الدین صاحب نے منسوب کیا ہے۔'' اب قارئین خود انصاف کریں۔ ابوبکر بن العربی نے بھی ان احادیث کے حوالے **العواصم من القواصم** میں دیئے ہیں۔ محبّ الدین خطیب نے بھی ان پر حاشیہ آرائی کی ہے۔ ''تفہیم ۶۵، تفیمات الٰہیہ کا حوالہ، جس کی تصحیح کے لئے غلام مصطفیٰ قاسمی کا نام لکھا گیا ہے، اس میں یہ شہادت کہ کون کون جنت اور خیر کے مستحق ہیں، وہ تو ہر مسلمان کا نظریہ ہے۔ بعد کا ٹکڑا جس میں زبردستی کی ملوکیت کی بات ہے اور شائبہ خوبی تحریف کا مظہر ہے۔ ایک طرف تو رضوان علی صاحب ملوک رحمت کی ابن تیمیہ کے حوالے سے بات کرتے ہیں دوسری طرف انہیں زبردستی کی ملوکیت کا بانی بنا دیتے ہیں۔ سچ کیا ہے؟ اسی جگہ شاہ ولی اللہ کا نام لے کر انہوں نے تمام خلفاء پر حضرت علی کی فضیلت کی بات چھیڑی ہے۔ یہ تفضیلی گروہ کا نعرہ ہے۔ رہی شاہ ولی اللہ صاحب کی بات اسے رضوان علی صاحب سمجھ نہیں سکے۔ انہوں نے پہلا گروہ نبوت کا بنایا ہے' اس میں پہلا حضرت ابوبکر کا، خلفاء راشدین میں پہلا نام حضرت علی کا ہے۔ صرف خلفاء کا سلسلہ شمار ہو تو حضرت علی چہارم امیر معاویہ پنجم ہیں یہی سلف صالحین کا نظریہ ہے۔

سال اتحاد:

حکومتِ معاویہ کے بارے میں حضرت حسن کا فیصلہ امیر معاویہ کو سب سے بڑا خراج تحسین ہے۔ شاہ ولی اللہ انہیں حضرت عثمانؓ کا عہدِ حکومت ختم ہونے کے بعد شروع ہونے والی خلافت راشدہ میں شمار کرتے ہیں۔ یہی ابن تیمیہ کہتے ہیں، صرف سبائی اسے جبر و زبردستی کی ملوکیت کا نام دیتے ہیں، حالانکہ امیر معاویہ پر اجماع امت ہے۔ اسی لئے تاریخ میں یہ سال ہی ''سال اتحادِ ملت'' کہلاتا ہے (**عام الجماعة**) رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ ''حدیث سفینہ کے بارے میں جو بات اکثریت صحابہ کی گنہگاروں کی ہے وہ قطعاً غلط ہے۔ یہ ابوبکر ابن العربی نے **العواصم من القواصم** میں بالکل نہیں فرمائی ہے بلکہ

اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ ''اور یہ احتمال بھی ہے کہ ولایت کے مدارج مختلف ہوں (آخر تک)''

سب سے پہلے تو یہ بات نوٹ کیجئے کہ جس بات کا سہارا آپ نے لینا چاہا وہ بات شروع ''احتمال'' سے ہوئی ہے، جو شک اور قیاس پر مبنی ہے۔ جو بات ص ۱۰۷ پر انہوں نے کہی ہے۔ اس سے پہلے ''عاصمہ'' کے تحت بحث کرتے ہوئے واضح الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں۔ (۱) معاویہ اور حسن کی صلح کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے (۲) حضرت معاویہ خلیفہ راشد تھے اور پھر صفحہ ۱۰۲ پر حدیث سفینہ صحیح نہیں ہے۔ اگر صحیح ہو بھی تو اس صلح کے مخالف ہے، جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہوا، پھر اس طرف رجوع لازم ہے'' یہ بات اس لئے کہی گئی ہے کہ حضرت حسن اس شہادت کو پورا کرتے ہیں، جو اللہ کے رسول نے دی، اس لئے جو روایت اس سے ٹکرائے غلط ہے کیونکہ حدیث بشارت صحیح ہے اور کئی طرق سے آئی ہے۔

صحیح اور حسن کی جو بحث آپ نے کی ہے اسے سوائے کج بحثی کے اور کیا کہا جائے۔ عدل و ضبط صحیح کے لئے ضروری ہے، حسن کے لئے نہیں۔ حسن کا درجہ دوسرا ہے۔ ایک حوالہ اور مختصر حوالہ۔ مشکوٰۃ کے مقدمے میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ حدیث کی اصل قسمیں تین ہیں۔ (۱) صحیح (۲) حسن (۳) ضعیف۔ صحیح سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔ حسن متوسط درجہ ہے۔ صحیح حدیث وہ ہے جس کا نقل کرنے والا **عادل تام الضبط** ہو جو نہ معلل ہو نہ شاذ اگر یہ صفات علیٰ وجہ الکمال پائی جائیں تو وہ **صحیح لذاتہ** اور اگر اس میں کسی قسم کا نقص ہو لیکن کثرت طرق سے اس نقصان کی تلافی ہو جائے تو وہ **صحیح لغیرہ** ہے اور اگر اس نقص کی تلافی کرنے والی کوئی چیز نہیں تو وہ **حسن لذاتہ** ہے۔

نواں، مغالطہ:

''شاہ بلیغ الدین صاحب نے (سید سلیمان صاحب کی بحث سے صرف اپنے مطلب کی بات نقل کی ہے۔ اس کے بالکل برعکس بات ان سے منسوب کی ہے۔'' اب ان کے نکات پر آیئے (نقاط نہیں)۔

نکتہ نمبرا امام ترمذی کی طرف بارہ خلفاء کے ناموں کا سید صاحب نے ذکر نہیں کیا"
جواب:۔ میں نے کہاں کہا ہے کہ سید صاحب نے ترمذی کا ذکر کیا ہے؟ میں نے تو ابنِ حجر عسقلانی کے حوالے سے بارہ نام لکھے ہیں۔ حافظ عینی نے بھی یہی بارہ نام لکھے ہیں۔

دسواں مغالطہ:

اسی ضمن میں لکھا ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب لکھا ہے۔ غریب کہتے ہیں، وہ روایت جس کی سند میں کسی جگہ شیخ سے ایک ہی راوی روایت کرے یعنی ایک ہی راوی مظہر ہوتا ہے۔ متن حدیث میں غریب کا اطلاق عربی زبان میں استعمال ہونے والے الفاظ کے سوا غیر مانوس الفاظ کو کہتے ہیں۔ جامع ترمذی جلد دوم حدیث نمبر۱۰۳ جو بارہ خلفاء کے بارے میں ہے۔ امام ترمذی اس کے آخر میں لکھتے ہیں۔

هذا حديث حسن صحيح و قدروى من غير وجه عن جابر بن سمرة

یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس کے علاوہ دوسرے طریقوں سے حضرت جابر بن سمرہ سے مذکورہ ہے۔

جامع ترمذی میں پھر حدیث نمبر۱۰۴ ہے۔ جابر بن سمرہ کی یہ حدیث ہے یعنی حدیث نمبر۱۰۴ جو غریب ہے اور غریب اس لئے ہے کہ اس میں ایک جگہ جہاں حدیث نمبر۱۰۳ میں سماک بن حرب کا نام لکھا ہے، سمرہ بن جندب کی دوسرے طریقہ سے بیان کردہ حدیث نمبر۱۰۴ میں سماک کی جگہ ابی بکر بن ابی موسیٰ کا نام ہے، جو منفرد راوی ہے اس کا کوئی اور شاگرد اس سے روایت نہیں کرتا۔

مزید غلط بیانیاں:

نکتہ نمبر۲ میں انہوں (بلیغ الدین) نے قاضی عیاض کی حدیث کا وہ مطلب نہیں لکھا، جو

سید صاحب مرحوم نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے ''قاضی عیاض اس حدیث کا مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے۔''

جواب: حضور اکرم ﷺ کے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے پھر قاضی عیاض عقیدہ اہل سنت والجماعت کے مطابق انہیں دین کا خدمت گذار اور متقی قرار دیتے ہیں۔

نکتہ نمبر۳ رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ ''سلیمان ندوی نے ابن حجر سے نہیں سیوطی کے مقدمے سے نام لئے ہیں۔''

جواب:۔ سلیمان ندوی نے ابن حجر سے فہرست نقل کی ہے یا سیوطی سے، یہاں یہ بات زیر بحث نہیں۔ یہاں تو صرف یہ بات زیر بحث ہے کہ سیرۃ النبی جلد سویم میں سید سلیمان نے وہ نام دیئے ہیں جو زیر بحث ہیں یا نہیں؟ لہٰذا اعتراض مہمل اور بلا وجہ ہے۔

نکتہ نمبر۴ رضوان علی صاحب کہتے ہیں کہ ''سب سے اہم بات کہ اس بارہ خلفاء کی فہرست میں ایک خلیفہ یعنی یزید بن معاویہ کی خلافت کے بارے میں اس ایڈیشن کے صفحہ نمبر۳۹۲ پر ایک ذیلی عنوان ''یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر'' کے تحت لکھتے ہیں۔

جواب۔ سید سلیمان ندوی خود ناموں کا انتخاب نہیں کر رہے ہیں۔ وہ ایک فہرست نقل کر رہے ہیں۔ یہ ابن حجر کی فہرست ہے۔ جو سیوطی کے پاس بھی ہے ایک اور فہرست امام عینی کی ہے۔ سید صاحب اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکے۔ یہ اعتراض پڑھ کر قارئین کو بھی حیرت ہوگی کہ کیسا بے معنی اعتراض ہے اور صاف اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یزید بن معاویہ سے بغض ہے۔

رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ بلیغ الدین صاحب مصنف مرحوم کی بیان کردہ ان متضاد روایات کو بیان کرنے کے بعد عقلی اور نقلی (یعنی روایتی) استدلال سے اس تضاد کو دور کر کے اپنا نقطۂ نظر ثابت کرتے۔

جواب:۔ میں سیرۃ النبی میں یزید بن معاویہ پر سید سلیمان ندوی مرحوم کے خیالات کا تجزیہ کر رہا ہوں نہ یہ میرے موضوع سے متعلق ہے۔ میں تو بارہ خلفاء کی حدیث پر بحث کر رہا ہوں۔ اس حدیث میں سلف صالحین نے جن کے نام شریک کئے ہیں ان پر محاکمہ نہ میں کر رہا ہوں، نہ سید سلیمان ندوی کر سکتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے صرف فہرست اسمائے خلفاء نقل کر دی۔

دوسرا اعتراض: بلیغ الدین صاحب نے سید سلیمان ندوی کا صرف ایک قول نقل کیا، یا ان کی ایک روایت بیان کی۔

جواب:۔ میں نے سید سلیمان ندوی مرحوم کا کوئی قول نہیں دہرایا۔ قارئین دیکھ لیں اور یہ خود فیصلہ کریں۔ میں نے یہ لکھا ہے ''صحیح مسلم کے الفاظ کو علامہ سلیمان نے دہرایا۔ وہ دوسرے کا قول نقل کر رہے ہیں۔ یزید بن معاویہ کے بارے میں اس جگہ انہوں نے کچھ نہیں لکھا۔ دیکھئے جلد سوم ص ۶۴۱ کہ اس وقت تک اسلامی حکومت اچھی رہے گی جب تک اس پر بارہ خلفاء حکمراں نہ ہو جائیں۔ یہاں سلیمان ندوی کا قول کون سا ہے؟ ان کا نقطۂ نظر بیان کرنے کی مجھے ضرورت ہی نہیں جب کہ خود انہوں نے اپنا قول اس جگہ بیان نہیں کیا۔ رضوان صاحب ایک بے معنی اعتراض اٹھا کر طعن پر آتے ہیں کہ ''کیا اس کو علمی دیانت کہتے ہیں؟ میرا جواب ہے کہ ہاں اور جو مین میخ آپ نے نکالنے کی سعیِ بیجا کی اسے میں کیا نام دوں؟

روایت لڑکا شاہی:

احمد بن حنبل کی ایک حدیث کا حوالہ ہے جو اس اعتراض میں آیا ہے۔ ''لڑکوں کی حکومت'' سے کیا مراد ہے **الصبی** کا مطلب ہر مستند لغت میں یہ ہے کہ بچہ جو جوان سے کم عمر ہو۔ اس لفظ کی جمع **صبیان** جو ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے۔ صحیح مسلم میں **باب جواز حل الصبیان فی الصلوٰۃ حضرت امامۃ بنت ابو العاص** کو آنحضرتﷺ کے نماز میں اپنے کاندھوں پر بٹھانے کا بیان ہے، اس میں بھی صبی آیا ہے مطلب چھوٹا بچہ۔ سورۂ

النساء کی چھٹی آیت میں ارشاد ربانی کا مطلب ہے کہ" اور سدھارتے رہیں یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو پھر اگر دیکھو ان میں رشد (ہوشیاری) تو حوالے کر دو ان کا مال ان کو" اب اس آیت میں بالغ ہونے کی عمر کا ذکر آیا ہے اور اسے متعین کیا گیا ہے اس بات سے کہ وہ نکاح کرنے کے قابل ہوں"بلوغت کی عمر بعض نے لڑکے کے لئے اٹھارہ سال اور لڑکی کے لئے سترہ سال مقرر کی ہے بلوغت کی عمر بعض فقہا نے دونوں کے لئے پندرہ سال مقرر کی ہے۔"

"امام ابو حنیفہ کے مذہب میں فتوی اس قول پر ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں پندرہ سال کی عمر پوری ہونے پر شرعاً بالغ قرار دے دیئے جائیں گے" (معارف القرآن سورۃ النساء، مفتی محمد شفیع) رشد یا ہوشیاری کے لئے قرآن حکیم نے کوئی حد مقرر نہیں کی۔ عدم ہوشیاری سے بچپن کا اثر مراد ہے۔ امام ابو حنیفہ کے مطابق پندرہ سال عمر بلوغت اور دس سال سن رشد، ہوشیاری کے لئے ۲۵ سال کی عمر ہو جانے پر (مفتی محمد شفیع وہی حوالہ) اس عمر میں ان کے اموال ان کو دے دیئے جائیں۔ اگر وہ کسی سلطنت کا حقدار ہو تو وہ بھی اسے دے دی جائے۔ ووٹ دینے کی عمر ہندوستان میں اٹھارہ سال ہے، پاکستان میں اکیس سال یہ بھی سن رشد کا ایک معیار ہے۔ پچیس سال کے مرد کو کوئی بھی صبیان یعنی بچوں میں شامل نہیں کر سکتا۔ یہ فقہاء کا فیصلہ ہے۔ سیدنا حسن کی عمر عام روایت ۳ ھجری رمضان کے حساب سے بیعت خلافت کے وقت ۳۷ سال۔ اگر بعد جنگ خیبر پیدائش کی روایت کی جائے تو (۳۳) سال بوقت بیعت خلافت ہوئی۔ یزید بن معاویہ کی ولادت ۲۲ھ تاریخ بیعت رجب ۶۰ھ (تنبیہ الاشراف مسعودی) بیعت کے وقت عمر ۳۸ سال۔ بیعت کے وقت ۳۵ سال کی روایت بھی ہے۔ ابن کثیر اور ابن اثیر کی ایک روایت ۲۵ھ میں ولادت کی ہے لیکن میں یہاں کم سے کم عمر روایت لیکر حساب لگا رہا ہوں، مسعودی تنبیہ الاشراف میں بھی لکھتا ہے کہ وفات کے وقت یزید بن معاویہ کی عمر ۳۳ کی تھی۔ تین سال سات مہینے انیس دن، ان کی حکومت رہی یعنی بیعت کے وقت عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی۔

بارہ خلفاء راشدین:

بارہ خلفاء کے بارے میں احادیث میں یہ تشریح ہے کہ وہ قریش سے ہوں گے۔ بارہ خلفاء کی دونوں فہرستوں میں امیر معاویہ اور امیر یزید کے نام موجود ہیں۔ سیوطی کے پاس بھی یہ نام ہیں۔ سیوطی نے اپنی مرضی سے ایک فہرست مرتب کی ہے، جس کا کوئی تذکرہ علامہ سید سلیمان ندوی نے نہیں کیا، اسلئے اس کے بارے میں کوئی گفتگو ہماری بحث سے خارج ہے۔ سیوطی کی دوسری فہرست میں امیر یزید کا نام نہیں حالانکہ ان کی خلافت پر امت کا اجماع ہے بخاری میں عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ ہم نے یزید کے ہاتھ پر اللہ اور اللہ کے رسول کے لئے بیعت کی تھی۔
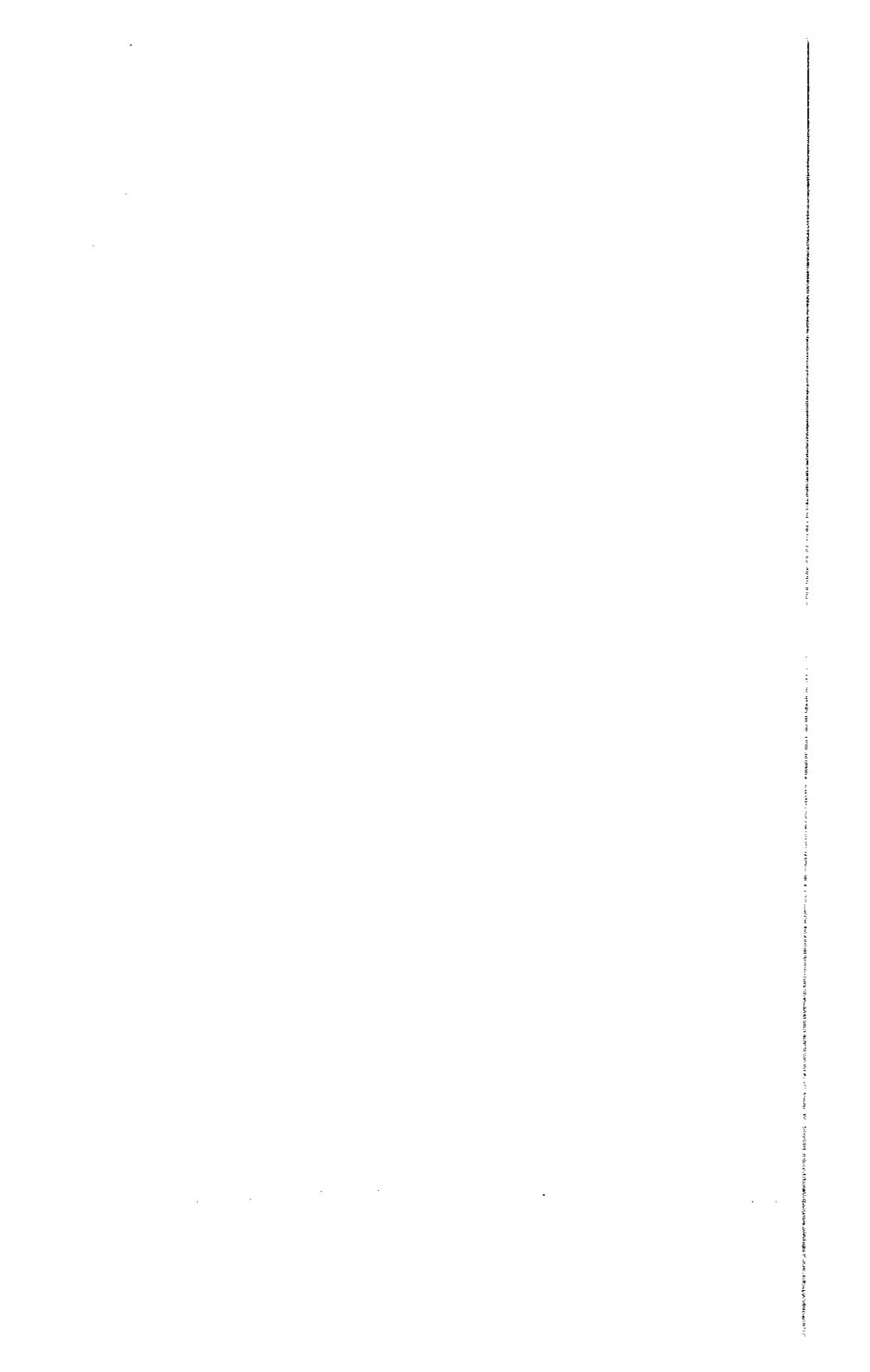
حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نام ابن حجر امام عینی اور سیوطی کی پہلی فہرست میں شامل ہے، اگر کہیں سہو کتابت ہو گیا ہے تو غور سے دیکھو کہ لکھا گیا ہے۔ کیا گیارہ نام ہیں یا بارہ؟ حوالہ سیرۃ النبی کے ص ۶۴۱ کا ہے، اس پر ابن حجر کی فہرست کے نام ہیں اقتباس یہ ہے ''حافظ ابن حجر، ابوداؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفاء راشدین اور بنی امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجماع رہا یعنی (۱) ابوبکر (۲) عمر (۳) عثمان (۴) علی (۵) معاویہ (۶) یزید (۷) عبدالملک (۸) ولید (۹) سلیمان (۱۰) عمر بن عبدالعزیز (۱۱) یزید ثانی (۱۲) ہشام۔ شیعہ فرقہ تو اس حدیث کی تشریح میں اپنے بارہ اماموں کو پیش کرے گا'' (سیرۃ النبی، سید سلیمان ندوی) سید سلیمان صاحب کی رائے میں اس پر اجماع امت ہے۔ اسی لئے سیوطی کی فہرست کو بھی سید صاحب نے رد کر دیا کہ اس کی ذاتی رائے فہرست سے الگ ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں پانچویں خلیفہ راشد کی حیثیت سے میں نے کئی مضامین لکھے ہیں۔ اپنی ان ریڈیائی تقریروں میں جو ''ہماری کہانی تاریخ کی زبانی'' کے عنوان سے شائع ہوئی ہیں، ان میں حضرت عمر بن عبدالعزیز پر کوئی پندرہ تقریریں ہوئی تھیں، جو ۷/ جنوری ۱۹۷۲ء سے شروع ہوئیں۔ اس سے پہلے اس کے بعد بھی ''پانچویں

خلیفہ راشد'' میری کئی تقریروں کا عنوان رہا ہے۔ یہ بھی حکایتاً لکھ رہا ہوں کیونکہ رضوان علی صاحب قارئین کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مرتبہ نہیں پہچانتا۔

ائمہ قریش سے ہونگے کے بجائے قوسین میں رضوان علی صاحب نے لکھا ہے خلفاء قبیلہ قریش سے ہوں گے۔ انہیں فوراً اپنے ''ائمہ'' کا خیال آیا۔ یہ ایک جداگانہ اور طویل بحث ہے۔ اور یہ محض قاری کو الجھانے کے لئے بے موقع اٹھائی گئی ہے۔ چارٹ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

میرے نزدیک ہر بات جو چارٹ بنانے والے نے لکھی ہے قرآن حکیم کے فیصلے درود شریف کے اشاروں اور تاریخی حوالوں اور بالخصوص ابتدائی مستند عرب ماخذوں کے مطابق ہے ہر نام جو چارٹ میں درج ہے اس کا ریفرنس تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ تاریخ اسلام کو مسخ کرنے کی جو کوششیں ہوتی رہی ہیں اور جس طرح گھڑی ہوئی روایات کے انبار لگائے گئے ہیں ان کی جانچ پڑتال ہر دور میں ہوتی رہی ہے۔ برصغیر میں بھی دیمک ہماری تاریخ کو چاٹ رہی ہے اور قصوں کہانیوں کو گردش میں لایا گیا ہے۔ سلف صالحین کا مؤقف تو یہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، امام غزالی، ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ جیسی شخصیتوں کا رہا ہے۔ و من اللہ التوفیق و هو المستعان فی المبدأ و المعاد۔

ایک لمحے کے لئے ساری علمی بحث بھول جایئے زبان و بیان کی بے راہ روی کو نظر انداز کر دیجئے اور صرف یہ نوٹ کیجئے کہ کیونکہ اکابرین اہل سنت کی تنقیص بیجا کی جا رہی ہے حتیٰ کہ خلفاء کے معاملے میں بھی حضور اکرم کے طریق کار تک پر اعتراض کی جسارت کی گئی ہے۔ کسی کو خاص صحابی رسول سے عقیدت ہو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں لیکن اس درجہ بندی میں خود قرآن کے ارشادات صحابہ کرام کے روایات اور امت مسلمہ کے اجماع کو نظر انداز کر کے اہل سنت والجماعت کے اکابرین اور محسنین اسلام کی کردار کشی کی جائے۔ یہ تاریخ کے ساتھ ظلم ہے ایسا کبھی گوارا نہیں کیا جائے گا۔

(۵) خانوادۂ نبوی اور عہدِ اموی سے متعلق ناصبی فکر کی بیخ کنی

تکبیر کی ۱۵/ مارچ ۱۹۹۰ء میں کی اشاعت میں پورے ڈھائی ماہ کے بعد میرے طویل مضمون کا ایک وضاحتی جواب شاہ بلیغ الدین صاحب کی طرف سے مندرجہ بالا موضوع پر شائع ہوا تھا جو دس صفحات پر پھیلا ہوا ہے مدیر ''تکبیر'' نے اپنے سابق وعدہ کے مطابق مجھے وضاحت پیش کرنے کی اجازت دی ہے اگرچہ میرا پہلے مزید کچھ کہنے کا ارادہ نہ تھا لیکن چونکہ بلیغ الدین صاحب نے دوبارہ اپنے مخصوص ناصبی مسلک اور انداز تحریر کے مطابق کچھ مغالطے پیدا کئے اور الزامات و اتہامات لگا دیئے ہیں اور ایسے مسائل از سر نو کھڑے کر دیئے ہیں جن کا نفس موضوع سے کوئی تعلق نہیں (مثلاً یزید کی ثنا خوانی، شعب بنی ہاشم، شیر بطحاء، روایت لڑکا شاہی، ابن اسحاق، واقدی، بلاذری وغیرہ) اس لئے مجھے یہ وضاحتی جواب لکھنا پڑ رہا ہے تاکہ ''تکبیر'' کے وہ قارئین جو اسلامی علوم تفسیر و حدیث و تاریخ اسلامی اور اصل عربی مآخذ سے ناواقف ہیں موصوف کے پیش کردہ گمراہ کن خیالات سے متاثر نہ ہوں۔ اگرچہ مجھے ان دنوں میں پتہ چل گیا تھا کہ وہ ایک ''مخصوص گروہ'' کی ترجمانی کرتے ہیں اور ان کی تحریریں پڑھ کر ان کے اصلی مآخذ کا بھی پتہ چل گیا ہے جس سے اہل پاکستان باخبر ہیں لیکن میں طویل عرصہ باہر رہنے کے سبب ناواقف تھا۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے ''لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ'' یعنی اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے سوائے اس کے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔ قارئین تکبیر کو یاد ہوگا کہ بلیغ الدین صاحب اپنے ۲۸/ دسمبر ۱۹۸۹ء کے مضمون میں مجھے بار بار ''سبائی'' کی انتہائی ناپسندیدہ گالی سے نوازا تھا، جس کے متعلق میں نے وضاحت سے لکھ دیا تھا کہ سبائی ایک غالی شیعہ فرقہ ہے جس کو علماء اہل سنت والجماعت نے کفار میں شمار کیا ہے۔ اس کے باوجود میں نے موصوف کو کسی نام سے یاد نہیں کیا تھا، صرف علمی انداز میں اعتراضات کا جواب مستند عربی کتب کے حوالے سے دیا تھا لیکن اب

(۵) خانوادۂ نبوی اور عہدِ اموی سے متعلق ناصبی فکر کی بیخ کنی

تکبیر کی ۱۵ر مارچ ۱۹۹۰ء میں کی اشاعت میں پورے ڈھائی ماہ کے بعد میرے طویل مضمون کا ایک وضاحتی جواب شاہ بلیغ الدین صاحب کی طرف سے مندرجہ بالا موضوع پر شائع ہوا تھا جو دس صفحات پر پھیلا ہوا ہے مدیر ''تکبیر'' نے اپنے سابق وعدہ کے مطابق مجھے وضاحت پیش کرنے کی اجازت دی ہے اگرچہ میرا پہلے مزید کچھ کہنے کا ارادہ نہ تھا لیکن چونکہ بلیغ الدین صاحب نے دوبارہ اپنے مخصوص ناصبی مسلک اور انداز تحریر کے مطابق کچھ مغالطے پیدا کیے اور الزامات و اتہامات لگا دیئے ہیں اور ایسے مسائل ازسرنو کھڑے کر دیئے ہیں جن کا نفس موضوع سے کوئی تعلق نہیں (مثلا یزید کی ثنا خوانی، شعب بنی ہاشم، شیر بطحاء، روایت لڑکا شاہی، ابن اسحاق، واقدی، بلاذری وغیرہ) اس لئے مجھے یہ وضاحتی جواب لکھنا پڑ رہا ہے تاکہ ''تکبیر'' کے وہ قارئین جو اسلامی علوم تفسیر و حدیث و تاریخ اسلامی اور اصل عربی مآخذ سے ناواقف ہیں موصوف کے پیش کردہ گمراہ کن خیالات سے متاثر نہ ہوں۔ اگرچہ مجھے ان دنوں میں پتہ چل گیا تھا کہ وہ ایک ''مخصوص گروہ'' کی ترجمانی کرتے ہیں اور ان کی تحریریں پڑھ کر ان کے اصلی مآخذ کا بھی پتہ چل گیا ہے جس سے اہل پاکستان باخبر ہیں لیکن میں طویل عرصہ باہر رہنے کے سبب ناواقف تھا۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے ''لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ'' یعنی اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے سوائے اس کے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔ قارئین تکبیر کو یاد ہو گا کہ بلیغ الدین صاحب اپنے ۲۸ر دسمبر ۱۹۸۹ء کے مضمون میں مجھے بار بار ''سبائی'' کی انتہائی ناپسندیدہ گالی سے نوازا تھا، جس کے متعلق میں نے وضاحت سے لکھ دیا تھا کہ سبائی ایک غالی شیعہ فرقہ ہے جس کو علماء اہل سنت والجماعت نے کفار میں شمار کیا ہے۔ اس کے باوجود میں نے موصوف کو کسی نام سے یاد نہیں کیا تھا، صرف علمی انداز میں اعتراضات کا جواب مستند عربی کتب کے حوالے سے دیا تھا لیکن اب

بلیغ الدین صاحب نے پھر اپنے اس تازہ مضمون میں ان الفاظ "انہیں فوراً اپنے ائمہ" کا خیال آیا کے ساتھ تعریض کرتے ہوئے وہی الزام دہرایا ہے، سو میں اب مذکورۂ بالا قرآنی اجازت کے مطابق ان کو "ناصبی" فکر کے علم بردار کی حیثیت سے مخاطب کرسکتا ہوں۔ عام قارئین شیعہ کا مفہوم تو سمجھتے ہیں لیکن ناصبی کے معنی نہیں جانتے سوال کے لئے عرض ہے کہ یہ خارجیوں کا ایک وہ فرقہ ہے جو سیدنا علی کرم اللہ وجہ اور اہل بیت سے بغض رکھتا اور یزید کی محبت کا دم بھرتا ہے، بہ الفاظ دیگر وہ فرقہ شیعہ کے بالکل برعکس ان کی ضد میں ایک دوسرا غلوپسند فرقہ ہے ان دونوں انتہا پسند فرقوں کے درمیان مسلمانوں کی کثیر تعداد اہل سنت والجماعت ہے جن میں برصغیر کے دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث مسلک رکھنے والے سب ہی لوگ شامل ہیں۔ قارئین جانتے ہیں کہ اسی اہل سنت کی جماعت سے کاتب سطور کا بھی ہمیشہ کا تعلق ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ ایک بار پھر سابقہ وضاحتیں پڑھ لیں جس پر بعض شیعہ حضرات نے مجھے انتہائی ناراضگی کے خطوط لکھے تھے۔

بلیغ الدین صاحب شیعہ حضرات کے ائمہ کو اگر میرے "ائمہ" ظالمانہ طور پر اب بھی کہتے ہیں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کا امام وہ عبدالرحمٰن بن ملجم تھا جس نے سیدنا علیؓ کو شہید کیا اور اس کو کارِ ثواب سمجھا تھا یا وہ یزید جو قتل حسینؓ کا مرتکب ہوا اور جس نے مدینۂ منورہ پر فوجی حملہ کرایا جو "واقعہ حرّہ" کے نام سے مشہور ہے جس میں تین دن تک مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں قتل و غارت گری کا بازار گرم رکھا گیا، صحابہ کرام کو قتل کیا گیا، خواتین کی عصمت دری کی گئی، اور مقہور و مغلوب اہل مدینہ سے کتاب و سنت پر نہیں بلکہ اس پر بیعت لی گئی کہ وہ یزید کے غلام ہیں یہ سب واقعات انتہائی تفصیل کے ساتھ مفسر قرآن، حافظ حدیث اور ثقہ مؤرخ ابن کثیر کی ضخیم کتاب "البداية والنهاية" میں مستند روایات کے ساتھ مذکورہ ہیں (جلد ۸) اور اسی بنا پر حافظ ابن کثیر نے یزید کو تین مرتبہ مختلف موقعوں پر فاسق قرار دیا ہے اور ان دونوں المناک واقعات و جرائم کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ "قتل حسینؓ اور واقعہ حرۃ کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو ظالموں اور جباروں کی کمر توڑنے والا ہے

یزید کی کمر توڑ کر رکھدی'' حتی قصم اللہ الذی قصم الجبابرۃ قبلہ و بعدہ (البدایۃ والنھایۃ جلد ۸،ص۲۲۴)۔

یہی یزید، بلیغ الدین صاحب کا ممدوح ہے جس کی قصیدہ خوانی اپنے مرشد محمود عباسی کی طرح موصوف نے ''حدیث مغفور'' کے عنوان کے تحت اپنے تازہ مضمون میں کی ہے اور جو غلط بیانیوں اور دروغ گوئی سے پر ہے۔ سب سے پہلے یہ بات قابل غور ہے کہ یزید کا اہل بیت یا خانوادۂ نبوی کے ذکر سے کیا تعلق ہے؟ موصوف نے اپنے خاص ''ناصبی'' مسلک کے تحت بارہ خلفاء کی ''غریب'' یعنی نا قابل اعتبار حدیث کو ''سیرۃ النبی'' سے نقل کر کے اور ان میں قدیم ثقہ محدثین قاضی عیاض اور سیوطی وغیرہ کے بیانات سے صرف نظر کرتے ہوئے بلکہ خود سید سلیمان ندوی مرحوم کے یزید کی تخت نشینی سے متعلق ان الفاظ ''اور یہی اسلام کے سیاسی مذہبی اخلاقی اور روحانی ادبار ونکبت کی اولین شب ہے'' کو چھپاتے ہوئے یزید کو ان بارہ خلفاء والی ترمذی کی غریب حدیث میں شمار کیا تھا جن کے عہد میں اسلامی حکومت کی بلندی کی بشارت ہے وہ مجھ پر دھونس اور دھاندلی کا ظالمانہ الزام لگاتے ہیں اور خود یہ عالم ہے کہ ترمذی وابو داؤد کی وہ حدیث جس کو حدیث سفینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کا مرتبہ ''حسن کا ہے وہ تو مستند اور لائق اعتبار نہیں اور انہی ترمذی کی بارہ خلفاء والی حدیث جس کو خود ترمذی نے ''غریب'' کہا ہے، مستند اور لائق اعتبار ہے اب بتایا جائے دھاندلی کسے کہتے ہیں۔ جو چاہے آپ کا ''علم'' کرشمہ ساز کرے۔

اس موضوع کی وضاحت آگے آئے گی یہاں اتنا عرض کر دوں کہ ''ناصبیوں کے شیخ المؤرخین محمود عباسی'' نے اپنی کتابوں کے ذریعہ تیس چالیس سال پہلے کافی کوشش کر لی اور اب بلیغ الدین جتنی چاہیں کر لیں یزید اپنے مذکورہ جرائم کے سبب امت محمدیہ میں مبغوض ہی رہے گا، سیدنا حسین کے قتل اور مدینہ منورہ کی غارتگری میں تو وہ کامیاب ہو گیا تھا لیکن تمام عالم اسلام میں (سوائے موصل، عراق کے قدیم یزیدی فرقہ کے علاوہ) وہ صدیوں سے کراہت ونفرت بلکہ بہت سے ائمہ علم کی طرف سے لعنت کا نشانہ رہا ہے اور رہے گا۔

اس موقع پر یہ بات دلچسپ اور عبرت سے خالی نہ ہوگی کہ وہی شام جو امویوں کی آماجگاہ اور وہی دمشق جو یزید کا پایۂ تخت تھا اور جہاں چار سال تک (۱۹۵۵ء-۱۹۵۹ء) میں نے دمشق یونیورسٹی کے كلية الشرعية میں تعلیم حاصل کی اور پھر ایک سال اپنی پہلی عربی کتاب ''العز بن عبدالسلام'' کی تصنیف کے لئے مقیم رہا۔ وہاں میں نے کسی شامی کو نہیں دیکھا کہ اس کا نام یزید ہو۔ دوسرے عربی اور اسلامی ممالک کا تو ذکر ہی کیا! جب کہ بہت سے میرے ساتھی طلبہ کے نام عبدالملک، ولید، ہشام اور مروان تھے وہاں یہ نام بہت عام ہیں مگر یزید کا نفرت آگیں نام کبھی نہ سنا نہ پڑھا۔ مولانا محمد علی جوہر مرحوم کیسا حقیقت آمیز مصرع کہہ گئے ہیں۔ ''قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے۔'' سیدنا حسین کا نام تو آج بھی دنیائے اسلام میں کروڑوں مسلمانوں کے نام کے ساتھ لگا ہوا ہے یزید کسی کا نام سننے میں نہیں آیا سوائے الجزائر کے ایک سابق وزیر کے (اور الجزائر میں کافی خوارج آباد ہیں وہاں دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل میں ان کی حکومت بھی رہی) یہی یزید کی موت ہے۔

''حدیث مغفور'' اپنے مضمون میں ''حدیث مغفور'' کے تحت بلیغ الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ سراسر غلط بیانی اور مغالطہ آرائی ہے اہل علم تو اس کو یقیناً قابل اعتبار نہیں سمجھیں گے لیکن عام قارئین کو یہ ناصبی پروپیگنڈہ گمراہ کر سکتا ہے۔ عوامی مقرر کو اس کا کیا پتہ کہ خالد بن یزید بن معاویہ نے منصب خلافت پر لات نہیں ماری تھی بلکہ مروان نے مرج راہط کی خوں ریز جنگ کے بعد خاندان بنی امیہ کی سفیانی شاخ کو خلافت سے محروم کرتے ہوئے اپنے بیٹے عبدالملک کو ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔ امیر خالد کی ماں یعنی یزید کی بیوی سے شادی کر لی تھی اور مروان نوجوان خالد کی دل آزاری کرتا تھا تو اس کی ماں نے اپنی کنیزوں کے ساتھ انتقاماً رات کو سوتے ہوئے مروان کا گلا گھونٹ کر اس کو قتل کر دیا تھا۔ انہوں نے غلط لکھا ہے کہ یزید کے عہد میں جہاد کا احیاء ہوا بلکہ یزید نے تو جہاد کو رکوایا اور وہ فتح شدہ رومی علاقے خالی کرنے کا حکم دیا جو مسلمان حضرت معاویہؓ کے عہد میں بحر روم میں فتح کر

چکے تھے اور سات سال سے وہاں آباد تھے۔ یہ دونوں مقامات مشہور جزیرۂ رودس اور قسطنطنیہ کے قریب جزیرۂ ارواد ہے، جو علی الترتیب ۵۳ھ اور ۵۴ھ میں فتح ہوئے تھے۔ یزید نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی پہلا کارنامہ یہ کیا کہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ فوراً وہاں سے واپس آ جائیں ورنہ ان کی کمک اور رسد بند کر دی جائے گی۔ اس کی تفصیل البدایة و النهایة واقعات ۵۳ھ (جلد ۸) اور تاریخ طبری واقعات ۵۴ھ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ حضرت علی زین العابدین نے یزید کے فسق فجور کو ایک جھوٹا پروپیگنڈہ قرار دیا تھا۔ یہ بھی کسی مؤرخ نے نہیں کہا ہے کہ سیدنا حسینؓ یزید کے ساتھ حملۂ قسطنطنیہ میں شریک ہوئے، اس حملے میں جن صحابہ کے ناموں کا تاریخ میں ذکر ہے وہ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبداللہ بن زبیر و عبداللہ بن عباس ہیں، یہ بھی غلط ہے کہ بخاری میں لکھا ہے کہ ان سب صحابہ اور ابو ایوب انصاری نے یزید کے پیچھے نماز پڑھی۔ اور اس سے زیادہ غلط بیانی یہ ہے کہ یزید کے ہاتھ پر ۳۵۰ صحابہ نے بیعت کی جن میں عشرہ مبشرہ! شامل ہیں۔ سچ ہے ''دروغ گورا حافظہ نباشد'' عشرہ مبشرہ بالجنۃ یعنی چاروں خلفائے راشدین، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، عبدالرحمان بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدۃ بن الجراح اور سعید بن زید رضوان اللہ علیہم اجمعین یزید کے عہد حکومت سے کافی پہلے وفات پا چکے تھے جیسا کہ ہر وہ انسان جس کو تاریخ اسلام کے عہد اولین کا ذرا بھی شعور ہے یہ بات جانتا ہے۔

بدری صحابہ کا یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا بھی ایک بے سروپا بات ہے کیونکہ غزوۂ بدر کو ۶۰ھ میں ۵۸ سال گزر چکے تھے اور جو صحابہ یزید کے عہد حکومت میں سن رسیدہ صحابہ میں شمار ہوتے تھے جیسے ابو سعید الخدریؓ (جو یزید کے غارتگر مدینہ منورہ، مسلم بن عقبہ کی خوں ریزی کے ڈر سے مدینہ کے باہر ایک غار میں چھپ گئے تھے) نعمان بن بشیر انصاری، ابو برزۃ الاسلمی، حضرت انس وغیرہ یہ سب جنگ بدر کے موقع پر بچے تھے اور وہ بدری نہیں۔ جنگ بدر کے وقت کوئی صحابی اگر ۲۰ سال کی عمر کا جوان بھی تھا تو اب ۷۸ سال گزرنے کے

بعد ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا۔ (بلیغ الدین صاحب کسی ایک کا نام ہی ذکر کرتے) ابن عبدالبر کی کتاب الاستیعاب کے مطابق ابو اسید الساعدی آخری بدری صحابی تھے جن کا انتقال ۶۰ھ میں ہو گیا یعنی یزید کی حکومت سے پہلے۔

اس موقع پر خطیبانہ انداز میں حسب عادت بغیر کسی حوالے کے انہوں نے یزید کی بیعت پر ابن حجر، عینی اور ابو داؤد کے محض ناموں کے حوالے سے اجماع امت کا ذکر کیا ہے، یہاں ان ناموں کا ذکر کر کے قارئین کو مرعوب کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی، کیونکہ فقہاء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ فاسق کی بیعت جائز ہے اور حافظ ابن کثیر نے **البدایة والنهایة** کی جلد ۸ میں یزید کے ذکر میں اس بات کو صراحت سے لکھا ہے مگر یزید کا دور وہ تھا جس کو امام ابن تیمیہ نے ''ملک اور جبر'' کے نام سے یاد کیا ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ، ج ۴، ص ۴۷۸) بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہا ہے (صفحہ ۴۸۲) ''جو لوگ جیسے غلو کرنے والے عدوی فرقہ کے لوگ یا بعض کرد یزید کو نیک آدمی اور امام عادل سمجھتے ہیں وہ گمراہ ہیں'' اور پھر آگے (صفحہ ۴۸۷) ایک منگول سردار بولائی کے یزید کے بارے میں سوال پر کہتے ہیں (منگولوں نے اس وقت دمشق پر قبضہ کر رکھا تھا):

لانسبّه ولا نحبه فانه لم یکن رجلا صالحاً فنحبّه، و نحن لانسبّ احدا مّن المسلمین بعینه (نہ ہم اس کو گالی بکتے ہیں اور نہ اس سے محبت کرتے ہیں کہ وہ کوئی صالح نیک آدمی نہ تھا جو ہم اس سے محبت کریں اور ہم مسلمانوں میں سے کسی کو اس کے نام سے گالی نہیں دیتے ہیں) اس کے بعد جب اس سردار نے کہا کہ ''تم اس پر لعنت کیوں نہیں بھیجتے ہو کیا وہ ظالم نہیں تھا؟ کیا اس نے حسین کو قتل نہیں کیا تھا؟ تو میں نے اس سردار سے کہا کہ جب حجاج بن یوسف اور اس جیسے ظالموں کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو قرآن میں اللہ نے کہا ہے ہم وہی کہتے ہیں **الا لعنة الله علی الظلمین** یعنی بیشک ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے ہم کسی کو اس کے نام سے لعنت نہیں کرتے ہیں اور بہت سے مسلمانوں نے اس (یزید) پر لعنت کی ہے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں اجتہاد جائز ہے۔''

اور پھر اس سے بڑھ کر شاہ ولی اللہ صاحب نے تو امیر معاویہؓ کی خلافت کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی خلافت ''استیلاء'' (یعنی زبردستی غلبہ) کے ذریعہ قائم ہوئی ہے، یہ بات انہوں نے انعقاد خلافت کے طریقوں پر بحث کرتے ہوئے چوتھے طریقہ کو بیان کرتے ہوئے کہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کا انعقاد خلافت حضرت علیؓ مرتضی کی وفات اور حسنؓ کے صلح کر لینے کے بعد اس طریقہ پر ہوا تھا'' (ازالۃ الخفاء جلد ۱، ص ۳۴ طبع محمد سعید اینڈ سنز کراچی، ترجمہ عبدالشکور صاحب و مولانا انشاء اللہ صاحب)۔

اسی طرح کی ''بیعت استیلاء'' (قوت کے زور پر بیعت) یزید کی بھی تھی جہاں تک ابن حجر کے قول کا تعلق ہے تو اس کی حقیقت تو ابن حجر کی کتاب لسان المیزان (جلد ۶ ص ۲۹۳ و ۲۹۴) میں یزید کے حالات کے ذکر سے پتہ چلتی ہے جس میں انہوں نے یزید کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے مسند ابی یعلیٰ سے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کا معاملہ ٹھیک چلتا رہے گا، تا آں کہ بنی امیہ سے ایک شخص جس کا نام یزید ہے سب سے پہلے اس میں رخنہ ڈالے گا، پھر انہوں نے ہی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ''عمر بن عبدالعزیز کے سامنے ایک آدمی نے یزید کو ''امیر المؤمنین یزید'' کہا تو اس پر انہوں نے کہا تم اس کو امیر المؤمنین کہتے ہو! اور حکم دیا کہ اس آدمی کو بیس کوڑے مارے جائیں'' اس طرح کی ایک دوسری روایت مکۂ مکرمہ کے مشہور محدث احمد بن حجر الھیتمی (متوفی ۹۲۴ھ) نے اپنی کتاب الصواعق المحرقۃ (صفحہ ۲۵۴) پر بیان کی ہے، ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ایک دوسرے آدمی نے عمر بن عبدالعزیز کے سامنے امیر معاویہؓ کی برائی کی تو انہوں نے اُسے تین کوڑے مارنے کا حکم دیا، ساتھ ہی ان مکی ابن حجر نے یہ بھی کہا ہے کہ دونوں سزاؤں کے فرق کا بھی خیال رکھا جائے، یزید کو امیر المؤمنین کہنے پر بیس کوڑے اور امیر معاویہؓ کو گالی دینے پر صرف تین کوڑے۔ الھیتمی المکی نے ابو الدرداء کی ایک اور حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ پہلا شخص جو میری سنت کو بدلے گا وہ بنی امیہ سے ہوگا جس کو یزید کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ (ص ۳۵۴)۔

ابن حجر الھیتمی المکی وہ ہیں جنہوں نے ایک کتاب حضرت معاویہؓ کی تعریف میں "تطھیر الجنان واللسان عن التفوہ بثلب معاویۃ بن ابی سفیان" کے عنوان سے مغل بادشاہ ہمایوں بن بابر کی فرمائش پر لکھی تھی اور جو اول الذکر کتاب کے ساتھ ہی شائع ہوئی ہے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سبئی یعنی شیعہ تھے۔

یہ تو عرب علماء کی بات تھی جن کا اعلی مقام تمام اہل سنت والجماعت کی نظر میں مسلم ہے، جہاں تک ہندوستان کے جید علماء اہل سنت کا تعلق ہے ان میں سے شاہ عبدالعزیز دہلوی نے یزید کو یزید پلید کے نام سے یاد کیا ہے اور یزید پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے ان اقوال کے لئے ملاحظہ ہو دارالعلوم بنوری ٹاؤن کے استاد محقق مولانا عبدالرشید نعمانی کی کتاب "یزید اہل سنت کی نظر میں" (تیسرا ایڈیشن مکتبہ اہل سنت و جماعت کراچی) اور مرحوم قاری محمد طیب صاحب کی کتاب "شہید کربلاء اور یزید" یہ دونوں کتابیں انتہائی محققانہ ہیں اور تاریخی نقطۂ نظر سے اپنے موضوع پر میرے نزدیک بہترین کتابیں ہیں۔ قارئین میں سے جو لوگ یزید کے بارے میں شیعی افکار سے ہٹ کر صحیح حقائق و آراء معلوم کرنے کے خواہش مند ہیں وہ ان دونوں کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں" اور خاص طور پر مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب جس میں قارئین کو ان کے استفسار اور ناصبیوں کے شبہات کا جواب مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو اس کارِ خیر پر جزاء عطا فرمائے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے فتاویٰ عزیزیہ (ج ص ۲۱) "یزید پلید" لکھا ہے اور مولانا قاسم نانوتوی" کا قول یزید پلید" قاسم العلوم (ج ۴، ص ۱۵) میں مذکور ہے ایسا ہی مجدد الف ثانی نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے۔

اس کے بعد عرض ہے کہ بلیغ الدین صاحب ایک ممتاز عوامی خطیب، ریڈیو کے مقرر اور شیعوں کے مقابلہ میں مشہور مناظرہ باز شخصیت کے مالک ہیں یہاں مسئلہ علمی تحقیق کا ہے، مگر افسوس ہے کہ اپنے مضمون میں موصوف نے اپنا مخصوص انداز بیان و مغالطہ آفرینی ہی

کو قائم رکھا ہے، وہ مستند تاریخی حوالوں سے صاف انکار کر دیتے ہیں اور اپنے حوالے توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں جو علمی دیانت کے قطعی خلاف ہے۔ ان کے اعتراضات سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ وہ علم حدیث سے بے بہرہ ہیں، اور اس ذیل میں رواۃ وغیرہ کی بحث میں وہ محمود عباسی کی خوشہ چینی کرتے ہیں۔ محمود عباسی کی کتاب "وقائع ام ھانی" پڑھ کر مجھے سو فیصد یقین ہوگیا کہ ابو طالب، زبیر بن عبدالمطلب، ہبیرۃ شوہر ام ہانی بنت ابی طالب اور شعب بنی ہاشم وغیرہ کے بارے میں ان کی باتیں اور افکار اسی کتاب کی صدائے بازگشت ہیں۔ جس طرح یزید کے بارے میں انہوں نے محمود عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" سے خوشہ چینی کی ہے۔ ان کے اعتراضات و مغالطات کی فہرست بہت طویل ہے سب کا جواب تکبیر کے محدود صفحات میں ممکن نہ ہوگا بہرحال کوشش کروں گا کہ جس قدر گنجائش ہو جواب دوں ان کے مضمون کو سامنے رکھ کر اسی طرح پڑھ لیا جائے۔

پہلا مغالطہ:

آیت تطہیر کے نزول کے وقت سیدنا حسین کی عمر پانچ سال سے کم تھی اور ام کلثوم و زینب بنتِ فاطمہ تو ان کے بلکہ محسن کے بعد پیدا ہوئیں، جہاں تک آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں سیدہ زینب و ام کلثوم کا تعلق ہے تو اول الذکر کا انتقال ۸ھ میں اور مؤخر الذکر کا انتقال اس آیت کے نزول سے قبل ۹ھ میں ہو چکا تھا، اس طرح حضور ﷺ سے ابوالعاص وسیدنا عثمانؓ کی دامادی کا رشتہ منقطع ہو چکا تھا، پھر کس طرح برسوں بعد حضور ﷺ ان حضرات کو اپنی چادر میں فاطمہؓ علیؓ حسنؓ وحسینؓ کے ساتھ شریک کرتے۔ مجھے تعجب ہے کہ شاہ بلیغ الدین صاحب نے اسلامی تاریخ میں کراچی یونیورسٹی سے ایم اے کس طرح کیا تھا اگر وہ ڈاکٹریت کرتے تو شاید ان کو علمی تحقیق کا صحیح طریقہ معلوم ہو جاتا اور عجیب بات ہے کہ میں آیت تطہیر کے نزول کی تاریخ حافظ ابن حجر عسقلانی سے نقل کر رہا ہوں اور جناب مولانا مودودی مرحوم کی تفہیم القرآن کا حوالہ دے رہے ہیں پھر مولانا مودودی نے یہ کہاں لکھا ہے کہ ساری سورۃ الاحزاب ۵ھ میں نازل ہوگئی تھی؟ انہوں نے تو یہ لکھا ہے کہ اس کا

زمانہ نزول ۵ھ سے لے کر ۹ھ تک ہے بہرحال حافظ ابن حجر کا قول اہل علم کے نزدیک زیادہ معتبر ہے جس کی تائید مولانا مودودی کے قول سے بھی ہوتی ہے۔

اور مزید یہ کہ جس حدیث الکساء (چادر والی حدیث) کے بلیغ الدین صاحب منکر ہیں۔ اس کے تو مولانا مودودی قائل ہیں۔ میرے سابقہ حوالوں کے علاوہ مزید حوالہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس حدیث کو صحیح مانا ہے اور عبداللہ بن عباس کی روایت لکھی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی چادر میں حضرت علیؓ فاطمۃ الزہراءؓ اور حسنؓ و حسینؓ کو داخل کیا اور یہ آیت پڑھی **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا** (ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء جلد ۲، ص ۵۰۷ مذکورہ ایڈیشن) کیا شاہ صاحب بھی لائق اعتبار نہیں ہیں!

دوسرا مغالطہ:

آنحضرت ﷺ کی سیدہ فاطمہؓ سے متعلق حدیث نبوی کے ٹکڑے ''جس نے ان کو ناراض کیا مجھ کو ناراض کیا'' سیدنا علیؓ کے ابوجہل کی بیٹی سے شادی کے ارادے سے مختص کرنا اصول حدیث میں ''عموم'' و ''خصوص'' کی بحث سے بے خبری کی دلیل ہے کیا اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ جس کسی نے سیدہ فاطمہؓ کو کسی اور مسئلہ میں ناراض کیا اس سے آنحضرت ﷺ کو کوئی ناراضگی نہ ہو گی، اور کیا یزید اور عبیداللہ بن زیاد و شمر بن ذی الجوشن نے سیدہ فاطمہؓ کے جگر گوشہ سیدنا حسینؓ کو قتل کر کے سیدہ فاطمہؓ کو ان کی قبر مبارک میں ناراض و بے چین نہ کیا تھا؟

دائرۃ المعارف کوئی بھی ہو اس کے حوالے کا وہ طریقہ صحیح نہیں ہے جس پر بلیغ الدین صاحب کو بے وجہ کا اصرار ہے اگر وہ ڈاکٹریٹ کے طالب علم رہے ہوتے تو یہ کج بحثی نہ کرتے۔ باقی اس ذیل میں چارٹ کے بارے میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب عذر لنگ ہے۔ اپنے سابقہ مضمون میں وہ لکھ چکے ہیں کہ آیت تطہیر (سورۂ احزاب) کے مطابق جو چارٹ میں سب سے اوپر درج ہے خانوادۂ نبوی کا یہ چارٹ اہل بیت سے متعلق ہے اب

ان کی تضاد فکری دیکھئے کہ ''اس میں ابوبکرؓ و عمرؓ و معاویہؓ بلکہ ابوطالب و زبیر بن عبدالمطلب و ابولہب وغیرہ کیسے شامل ہو گئے کیا یہ سب بھی سورۂ احزاب کی آیت تطہیر میں شامل ہیں؟

تیسرا مغالطہ:

مولانا مودودی کے بارے میں بلیغ الدین صاحب نے میری حرف گیری کرتے ہوئے دروغ گوئی سے کام لیا ہے۔ جس صفحہ ۹۲ کا حوالہ بلیغ الدین صاحب نے دیا ہے اس کے فوراً بعد تکمیل کلام ص ۹۳ پر مولانا مرحوم اس طرح کرتے ہیں ''لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ''اہل بیت'' کا لفظ صرف ازواج مطہرات کے لئے استعمال ہوا ہے اور اس میں دوسرا کوئی داخل نہیں ہوسکتا تو یہ بات غلط ہوگی'' اور پھر اس طویل پیراگراف کے اختتام پر مولانا مرحوم فرماتے ہیں ''اس کے ملتے جلتے مضمون کی بکثرت احادیث مسلم، ترمذی، احمد، ابن جریر، حاکم، بیہقی وغیرہ محدثین نے ابو سعید خدریؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت انسؓ، حضرت اُم سلمہؓ، حضرت واثلہ بن اسقعؓ، اور بعض دوسرے صحابہؓ سے نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ اور ان کے دونوں صاحبزادوں کو اپنا اہل بیت قرار دیا لہٰذا ان لوگوں کا خیال غلط ہے جو ان حضرات کو اس سے خارج ٹھہراتے ہیں۔''

اس کے بعد دوسرے پیراگراف کے شروع میں مولانا مرحوم لکھتے ہیں ''اسی طرح ان لوگوں کی رائے بھی غلط ہے جو مذکورہ احادیث کی بنیاد پر ازواج مطہرات کو اہل البیت سے خارج ٹھہراتے ہیں۔'' اور یہی وہ بات ہے جو میں نے اپنے سابقہ مضمون میں حافظ ابن کثیر اور دوسرے قدیم و جدید عرب مفسرین و محدثین کے حوالے سے کہی تھی۔ مولانا مرحوم نے یہاں ناصبیوں اور شیعہ دونوں گروہوں کے نقطۂ نظر کو رد کرتے ہوئے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ اس آیت میں وارد لفظ ''اہل بیت'' میں سیدنا علیؓ فاطمہ حسن وحسین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ازواج مطہرات دونوں شامل ہیں اور یہی سلف صالحین و اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

مگر میرے ناقد نے مولانا مودودی مرحوم کی پوری عبارت نقل کرنے کے بجائے

یاایھا الذین امنوا لا تقربو الصلاۃ (اے ایمان والونماز کےقریب نہ جاؤ) کے طریقہ پر عمل کیا ہے یہی محمود عباسی نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ یہاں بلیغ الدین صاحب نے بڑے طنطنہ سے عظیم مفسر عکرمہ مولی ابن عباس کا وہ دعویٰ نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں ''اہل بیت'' سے صرف امہات المؤمنین مراد ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو بلیغ الدین صاحب کو صاف صاف کہنا چاہیئے کہ اہل بیت کا یہ سارا چارٹ غلط ہے اس میں صرف ازواج مطہرات کو ہونا چاہئے تھا پھر کیا بلیغ الدین صاحب کو یہ نہیں معلوم کہ عکرمہ پر خارجیت کا الزام ہے وہ شمالی افریقہ میں (موجودہ لیبیا) خوارج کے فرقہ ''نجدات'' سے منسلک رہے تھے مزید برآں اس ایک قول کی حضرت عائشہؓ حضرت اُم سلمہؓ حضرت انسؓ وغیرہ متعدد صحابہ کی احادیث کے مقابلے میں کیا حقیقت ہوسکتی ہے۔

چوتھا مغالطہ:

آغا بزرگ طہرانی نے اپنی کتاب ''الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ'' میں شیعہ مصنفین ہی کا ذکر کیا ہے۔ راغب اصفہانی بھی اس میں مذکور ہے۔ ایک دوسرا حوالہ اور لیجئے! ایک دوسرے مشہور امامی مصنف محمود باقر خوانساری نے اپنی کتاب ''روضات الجنات'' میں بھی راغب اصفہانی کو شامل کیا ہے جو شیعہ مصنفین کے احوال میں ہے۔ میں نے راغب اصفہانی کے مقام کو گرانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ یہ بلیغ الدین صاحب کی حسب عادت الزام تراشی ہے۔ میں نے صرف ان دو کتابوں کا ذکر کیا ہے جن میں شیعہ علماء کے حالات مذکور ہیں اور یہ ظاہر بات ہے کہ شیعوں میں بڑے بڑے عالم ہوئے ہیں۔ سیوطی کا ''بغیۃ الوعاۃ'' میں تو یہ عالم ہے کہ انہوں نے راغب اصفہانی کا زمانہ حیات ''اوائل المئۃ الخامسہ'' پانچویں صدی کے اوائل میں لکھا ہے جو قطعاً غلط ہے کیونکہ ان کی وفات ۵۰۲ھ ہے بلکہ ان کا نام بھی دیگر مصنفین کے برخلاف ''الفضل بن محمد'' لکھا ہے جب کہ ان کا نام ''الحسین بن محمد'' ہے جس پر اکثر مصنفین کا اتفاق ہے۔ (دیکھئے الاعلام تصنیف الزرکلی ج ۲، ص ۲۷۹)۔ ایک تیسرے شیعہ مصنف عباس بن محمد رضا قمی نے اپنی کتاب سفینۃ البحار میں

بھی راغب اصفہانی کا ذکر کیا ہے ۔اب آپ کس طرح دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اہلِ سنت والجماعت میں سے تھا۔ پھر آپ نے معجم الادباء کا حوالہ بھی غلط دیا ہے۔ اس کتاب میں کہیں راغب اصفہانی کا ذکر نہیں۔ کیا انہوں نے علمی بحث کو ریڈیائی تقریر سمجھ رکھا ہے کہ جس طرح کی کذب بیانی کریں کوئی زبان پکڑنے والا نہیں؟ یہ کتاب میری ذاتی لائبریری میں ہے۔ میں تو جناب کی علمیت پر حیران ہوں کہ راغب اصفہانی نے (فصل الہاء) میں اہل الرجل کی تشریح کی ہے۔ یہ غلط ہے راغب نے کتاب (الالف) میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس نے تو شیعی مکتب فکر ہی کی ترجمانی کی ہے۔ آپ کا نقل کردہ حوالہ (ص ۴۲ کالم) کی آخری عبارت ہی اس پر دلیل ہے اور کبھی اہل الرجل سے مراد اس کی بیوی ہوتی ہے۔ یعنی ہمیشہ نہیں۔ آپ بھی یہاں صاف صاف بتایئے کہ ھود، قصص اور احزاب کی آیتوں کا مفہوم آپ کو صحیح معلوم ہے یا اس نبی آخر الزماں ﷺ کو جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا، آپ نے صرف ایک صحابی عبداللہ بن عباس کا نام لیا ہے (عروۃ بن الزبیر صحابی نہیں تابعی تھے) جب کہ میں نے متعدد صحابہؓ کے اقوال اہل بیت کی تفسیر میں مذکور کئے ہیں۔ اجماع صحابہ کا یہاں دعویٰ صریحی افتراء پردازی ہے۔ پہلے لکھ چکا ہوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب بھی ازالۃ الخفاء میں اسی تفسیر کے قائل ہیں۔ پھر یہ بتایئے کہ کیا سورہ ہود کی آیت ۴۵ میں حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو اپنا اہل نہیں کہا (ان ابنی من اھلی) اور کیا قرآن ہی میں بھائی کے لئے ''اہل'' کا لفظ نہیں آیا؟ سورہ طٰہٰ کی آیت ۲۹ و ۳۰ میں اور میرے لئے وزیر بنا دے ''اور میرے اہل میں سے، ہارون میرے بھائی کو'' اور پھر کیا متعدد بار قرآنِ کریم میں لوط علیہ السلام کی بیٹیوں کو ان کا ''اھل'' نہیں کہا گیا: اِنَّا مُنَجُّوْکَ وَ اَھْلَکَ اِلَّا امْرَاَتَکَ.

راغب الاصفہانی کے بارے میں آپ کی علمیت کا بھانڈا تو یہیں پھوٹ گیا راغب کی مطبوعہ کتاب محاضرات الادباء کا میرا حوالہ دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں ''آپ کہیں سیوطی کی محاضرات الادباء ومحاورات الشعراء والبلغاء کی بات تو نہیں کرتے'' جی نہیں میں نے راغب اصفہانی کی کتاب محاضرات الادباء کا ہی ذکر کیا تھا جو دو مرتبہ قاہرہ سے

چھپ چکی ہے پہلی بار ۱۳۵۰ھ میں جمیعۃ المعارف کی طرف سے اور دوسری بار ۱۳۶۲ھ میں دو جلدوں میں۔ سیوطی کی جس کتاب کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ علیحدہ ہے اگر آپ نے المفردات کا دوسرا ایڈیشن دیکھا ہوتا تو اس کے مقدمہ بقلم سید کیلانی میں آپ کو محاضرات الادباء کا نام مل جاتا، زرکلی کی ''الاعلام'' تو دور کی بات ہے۔ اس تک آپ کی پہنچ نہیں۔ آپ کے ناصبی استادوں کے جہل نے ان سے نقل کے سبب آپ کو رسوا کیا ہے۔

''اہل بیت'':

اس فقرے کے تحت آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض خطابت ہے افتراء پردازی اور فتنہ انگیزی ہے، اجماع امت ہرگز یہ نہیں ہے کہ سورۂ احزاب کی آیت تطہیر صرف امہات المؤمنین کے بارے میں نازل ہوئی۔ جن محدثین ومفسرین عظام کا ذکر میں نے آپ کے تیسرے مغالطہ کے تحت کیا ہے وہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے نہیں تھے۔ آپ یہ کہہ کر کہ دشمنان قرآن نے تھوک کے بھاؤ روایتیں گھڑی ہیں'' وہی بات کہہ رہے ہیں جو منکرین حدیث، نبوی کہتے ہیں اگر حدیثیں گھڑی ہیں تو علماء حدیث و رجال ایسے وضاعین کے خلاف انتہائی سرگرم بھی رہے اور انہوں نے بیسیوں کتابیں موضوع احادیث کے ابطال پر لکھی ہیں۔ میری ہی ذاتی لائبریری میں چھ عربی کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں۔

میں سیدنا علی اور سیدہ فاطمہؑ کو ''دیو مالائی شخصیتیں'' نہیں سمجھتا اور نہ حضرت علی کی الوہیت کا قائل ہوں، یہ باتیں آپ آغا خانیوں اور غالی شیعوں سے کہئے یہ آپ کی صریحی فتنہ انگیزی اور دشنام طرازی ہے، اور صحیح احادیث کو جو آپ جیسے ناصبیوں کو پسند نہیں آتی ہیں ان کو محمود عباسی کی طرح سبئی روایت کہہ دیتے ہیں اہل سنت والجماعت کا یہ طریقہ نہیں حضرت عائشہ کی فضیلت مجھ پر نہیں شیعوں اور آغا خانیوں پر گراں ہے، سر سلطان محمد آغا خاں سوئم کی تعریف آپ کے مؤرخ محمود عباسی نے اپنی کتاب خلافت معاویہ و یزید'' میں کی ہے۔ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ'' (ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن ۱۹۵۸ء، مقدمہ مؤلف ص ۹)۔

چھپ چکی ہے پہلی بار ۱۳۵۰ھ میں جمعیۃ المعارف کی طرف سے اور دوسری بار ۱۳۶۲ھ میں دو جلدوں میں۔ سیوطی کی جس کتاب کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ علیحدہ ہے اگر آپ نے المفردات کا دوسرا ایڈیشن دیکھا ہوتا تو اس کے مقدمہ بقلم سید کیلانی میں آپ کو محاضرات الادباء کا نام مل جاتا، زرکلی کی ''الاعلام'' تو دور کی بات ہے۔ اس تک آپ کی پہنچ نہیں۔ آپ کے ناصبی استادوں کے جہل نے ان سے نقل کے سبب آپ کو رسوا کیا ہے۔

''اہل بیت'':

اس فقرے کے تحت آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض خطابت ہے افتراء پردازی اور فتنہ انگیزی ہے، اجماع امت ہرگز یہ نہیں ہے کہ سورۂ احزاب کی آیت تطہیر صرف امہات المؤمنین کے بارے میں نازل ہوئی۔ جن محدثین ومفسرین عظام کا ذکر میں نے آپ کے تیسرے مغالطہ کے تحت کیا ہے وہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے نہیں تھے۔ آپ یہ کہہ کر کہ دشمنان قرآن نے تھوک کے بھاؤ روایتیں گھڑی ہیں'' وہی بات کہہ رہے ہیں جو منکرین حدیث، نبوی کہتے ہیں اگر حدیثیں گھڑی ہیں تو علماء حدیث و رجال ایسے وضاعین کے خلاف انتہائی سرگرم بھی رہے اور انہوں نے بیسیوں کتابیں موضوع احادیث کے ابطال پر لکھی ہیں۔ میری ہی ذاتی لائبریری میں چھ عربی کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں۔

میں سیدنا علی اور سیدہ فاطمہؓ کو ''دیو مالائی شخصیتیں'' نہیں سمجھتا اور نہ حضرت علی کی الوہیت کا قائل ہوں، یہ باتیں آپ آغا خانیوں اور غالی شیعوں سے کہئے یہ آپ کی صریحی فتنہ انگیزی اور دشنام طرازی ہے، اور صحیح احادیث کو جو آپ جیسے ناصبیوں کو پسند نہیں آتی ہیں ان کو محمود عباسی کی طرح سبئی روایت کہہ دیتے ہیں اہل سنت والجماعت کا یہ طریقہ نہیں حضرت عائشہ کی فضیلت مجھ پر نہیں شیعوں اور آغا خانیوں پر گراں ہے، سر سلطان محمد آغا خاں سوئم کی تعریف آپ کے مؤرخ محمود عباسی نے اپنی کتاب خلافت معاویہ ویزید'' میں کی ہے۔ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ'' (ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن ۱۹۵۸ء، مقدمہ مؤلف ص ۹)۔

بھی راغب اصفہانی کا ذکر کیا ہے۔ اب آپ کس طرح دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اہلِ سنت والجماعت میں سے تھا۔ پھر آپ نے معجم الادباء کا حوالہ بھی غلط دیا ہے۔ اس کتاب میں کہیں راغب اصفہانی کا ذکر نہیں۔ کیا انہوں نے علمی بحث کو ریڈیائی تقریر سمجھ رکھا ہے کہ جس طرح کی کذب بیانی کریں کوئی زبان پکڑنے والا نہیں؟ یہ کتاب میری ذاتی لائبریری میں ہے۔ میں تو جناب کی علمیت پر حیران ہوں کہ راغب اصفہانی نے (فصل الہاء) میں اہل الرجل کی تشریح کی ہے۔ یہ غلط ہے راغب نے کتاب (الالف) میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس نے تو شیعی مکتب فکر ہی کی ترجمانی کی ہے۔ آپ کا نقل کردہ حوالہ (ص ۴۲ کالم) کی آخری عبارت ہی اس پر دلیل ہے اور کبھی اہل الرجل سے مراد اس کی بیوی ہوتی ہے۔ یعنی ہمیشہ نہیں۔ آپ بھی یہاں صاف صاف بتائیے کہ ھود، قصص اور احزاب کی آیتوں کا مفہوم آپ کو صحیح معلوم ہے یا اس نبی آخر الزماں ﷺ کو جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا، آپ نے صرف ایک صحابی عبداللہ بن عباس کا نام لیا ہے (عروۃ بن الزبیر صحابی نہیں تابعی تھے) جب کہ میں نے متعدد صحابہؓ کے اقوال اہل بیت کی تفسیر میں مذکور کئے ہیں۔ اجماع صحابہ کا یہاں دعویٰ صریحی افتراء پردازی ہے۔ پہلے لکھ چکا ہوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب بھی ازالۃ الخفاء میں اسی تفسیر کے قائل ہیں۔ پھر یہ بتائیے کہ کیا سورہ ہود کی آیت ۴۵ میں حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو اپنا اہل نہیں کہا (ان ابنی من اھلی) اور کیا قرآن ہی میں بھائی کے لئے ''اہل'' کا لفظ نہیں آیا؟ سورہ طٰہٰ کی آیت ۲۹ و ۳۰ میں اور میرے لئے وزیر بنا دے ''اور میرے اہل میں سے، ہارون میرے بھائی کو'' اور پھر کیا متعدد بار قرآنِ کریم میں لوط علیہ السلام کی بیٹیوں کو ان کا ''اھل'' نہیں کہا گیا: اِنَّا مُنَجُّوْکَ وَ اَھْلَکَ اِلَّا امْرَاَتَکَ.

راغب الاصفہانی کے بارے میں آپ کی علمیت کا بھانڈا تو یہیں پھوٹ گیا راغب کی مطبوعہ کتاب محاضرات الادباء کا میرا حوالہ دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں ''آپ کہیں سیوطی کی محاضرات الادباء ومحاورات الشعراء والبلغاء کی بات تو نہیں کرتے'' جی نہیں میں نے راغب اصفہانی کی کتاب محاضرات الادباء کا ہی ذکر کیا تھا جو دو مرتبہ قاہرہ سے

پانچواں مغالطہ:

غدیرخم کی حدیث کوصرف حافظ ابن کثیر ثقہ مفسر ومحدث نے ہی صحیح تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ جن پرآپ کواعتماد ہے یعنی شاہ ولی اللہ صاحب انہوں نے بھی اس کوصحیح تسلیم کیا ہے ملاحظہ ہوازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۵۰۳-۵۰۴ (مذکورہ ایڈیشن) اب کیا فرماتے ہیں کیا شاہ ولی اللہ صاحب بھی سبئی تھے؟ کیا وہ بھی تھوک کے بھاؤ گھڑی ہوئی حدیثیں نقل کرتے تھے!!

آپ کی علمیت کا بھانڈا اس سے بھی پھوٹتا ہے کہ آپ نے امام ابن حزم کی کتاب کا نام اپنے اس مضمون میں "الملل النحل" لکھا ہے یہ نام شہرستانی کی کتاب کا ہے ابن حزم کی کتاب کا نام الفصل (ف پر زیر اورص پر زبر کے ساتھ) فی الملل و الاھواء والنحل ہے، یہ بھی میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔ آپ کی لائبریری کو میں دیکھ چکا ہوں جہاں مجھے صرف اردو کی کتابیں ہی نظر آئیں تھیں آپ کے استاد محمود عباسی نے بھی اس کو "الملل والنحل" لکھا ہے۔

آپ نے اس موقعہ پر یہ بھی غلط لکھا ہے کہ "زاد المعاد اصل میں سیرت کی نہیں فقہ کی کتاب ہے یہاں وہاں کچھ نہ کچھ سیرت کی باتیں آنا تو لازم ہے" یہ کھلی جہالت ہے، معلوم ہوتا ہے، آپ نے حافظ ابن قیم کی اس کتاب کی شکل ہی نہیں دیکھی اور عربی کتب کے متعلق آپ کے مشیر نے آپ کو غلط اطلاع دی۔ جی نہیں یہ سیرت نبوی کی انتہائی اہم کتب میں شمار ہوتی ہے اور اب اس کا نیا ایڈیشن پانچ جلدوں میں شعیب ارناؤط اور عبدالقادر ارناؤط کی تحقیق سے بیروت سے شائع ہوا ہے۔ اس کی پہلی تین جلدیں سیرت وشمائل وغزوات وسنن النبی ﷺ پر، چوتھی جلد طب نبوی پر اور پانچویں جلد رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں اور احادیث کے احکام پر ہے، اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے زیادہ تر مواد کتب سیرت نہیں بلکہ کتب حدیث سے جمع کیا ہے، اس پانچویں جلد کی بناء پر اس کو فقہ کی کتاب کہنا کس طرح درست ہوسکتا ہے؟

''عیب بینی'':

عیب بینی کا خوگر میں نہیں آپ ہیں، اور افسوس کہ اس فقرے کے تحت آپ نے مشہور شیعی مؤرخ مسعودی کا دفاع کیا ہے، جس کی شیعیت کا ثبوت میں سابقہ صفحات میں وضاحت سے پیش کر چکا ہوں اور اس نے حضرت عثمانؓ کی اولاد کو برے ناموں سے ذکر کیا اور ان کی عیب جوئی کی ہے، اور اسی لئے علامۂ نجد، شیخ عبدالعزیز بن باز نے اس کو جل ککڑا اور جھوٹا شیعی، لکھا ہے۔ مسعودی کو بڑا مؤرخ ماننے کے معنی یہ نہیں کہ میں اس کو شیعی نہیں سمجھتا یا اس کو عظیم ترین مؤرخ امام طبری مفسر، محدث، مؤرخ کے ہم پلہ سمجھتا ہوں۔ صرف میں ہی نہیں اہل علم میں کوئی بھی خواہ وہ عرب ہوں یا اہل ہندوپاکستان ایسا نہیں سمجھتے، میں نے مسعودی کو قصہ گو بھی لکھا تھا، بڑا عالم تو نہج البلاغہ کا مشہور شارح ابن ابی الحدید بھی تھا مگر وہ شیعی تھا لائق اعتماد نہیں تھا۔

بلیغ الدین صاحب اپنے اس محبوب شیعہ کو مؤرخ طبری پر ترجیح دیتے ہیں جس کا عالم یہ ہے کہ وہ بغیر اسناد کے روایتیں ذکر کرتا ہے، اپنے سابقہ صفحات میں میں نے ثابت کر دیا ہے۔ (ابن سعد اور بلاذری جیسے قدیم مؤرخین کی شہادتوں سے) کہ ''عبداللہ الاصغر بن سیدنا عثمانؓ کی ماں سیدہ رقیہؓ نہیں بلکہ فاختہ بنت غزوان تھیں، پھر مسعودی ہی کی دوسری کتاب ''التنبیہ والاشراف'' سے جو اس نے ''مروج الذہب'' کے بعد لکھی تھی یہ بات ثابت کر دی ہے کہ حضرت رقیہ کے بطن سے سیدنا عثمانؓ کے صرف ایک صاحبزادے عبداللہ تھے یہی بات قاضی سلیمان منصور پوری کی مشہور کتاب رحمۃ للعالمین ج ۲، ص ۱۰۷ میں ہے مگر بلیغ الدین صاحب زبردستی عبداللہ الاصغر کو سیدہ رقیہ کا بیٹا بنانے پر مصر ہیں جبکہ خود بیچارے مسعودی نے اپنی دوسری کتاب میں اس کی تصحیح کر دی تھی۔ اب بتایا جائے کہ دھاندلی کون کر رہا ہے؟

اس کے بعد جناب بلیغ الدین صاحب نے مسعودی کا مقابلہ واقدی سے کیا ہے وہ چوتھی صدی ہجری کے اس مؤرخ وجغرافیہ نویس مسعودی شیعی کو دوسری صدی ہجری کے

مشہور عالم، محدث، قاضی اور مؤرخ واقدی مدنی پر ترجیح دیتے ہیں۔ واقدی پر جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کو سابقہ صفحات میں پڑھ لیا جائے، امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین واقدی کی احادیث احکام کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ مگر انہوں نے بھی مغازی اور سیرت نبوی کے موضوع پر ان کو قبول کیا ہے۔ پھر دوسرے محدثین جو امام احمد بن حنبل کے معاصر ہیں جیسے ابراہیم الحربی، یزید بن ہارون، ابوعبید القاسم بن سلام وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اور کذب کے الزام کی حقیقت بھی میں نے واضح کر دی تھی کہ وہ مختلف اسناد کی احادیث کو ایک حدیث میں جمع کر دیتے تھے جو امام زہری کا بھی طریقہ تھا۔ اور مسعودی تو کوئی سند ذکر ہی نہیں کرتا ہے پھر وہ تو سب سے بڑا کذاب ٹھہرا۔ بلیغ الدین صاحب ذرا کسی محدث اور ناقدِ حدیث کا قول تو دکھا دیں کہ مسعودی بہت بڑا ثقہ اور لائق اعتماد راوی یا مؤرخ ہے۔

''تاریخ دیوبند'' میں مذکور حضرت عثمانؓ کی ہندوستان و پاکستان میں موجود اولاد کے بارے میں جو اپنے آپ کو عثمانی لکھتے ہیں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی کسی دوسری بیوی سے ہوں گے۔ قاضی سلیمان منصورپوری نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین (ج ۲، ص ۱۰۶) میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور شیخ الہند محمود الحسن کو حضرت عثمانؓ کی اولاد لکھا ہے مگر سیدہ رقیہؓ کی اولاد نہیں لکھا، کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ وہ سیدہ رقیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ قدیم عربی تواریخ میں ان کی اولاد کا کوئی ذکر نہیں ابن حزم وغیرہ کے حوالوں سے میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ ان کے صرف ایک صاحبزادے عبداللہ تھے، جو بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے ورنہ ابن حزم جیسے کٹر سنی محدث و مؤرخ اور دوسرے قدیم سنی مؤرخین کو سیدہ رقیہ سے کد نہیں تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء (ص ۲۷۵) میں تصریح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سب اولاد حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے چلی۔

آپ بھی یہ یاد رکھیں کہ امام ابن تیمیہ، حافظ ابن کثیر، ابن حزم اور پھر آخر میں شاہ ولی اللہ صاحب شیعہ نہیں تھے اور ان سب بلکہ ان تمام قدیم و جدید مؤرخین نے سیدنا حسنؓ و حسینؓ کو صحابی لکھا ہے، صحاح ستہ میں ان سب کی فضیلت سے متعلق کثیر احادیث

موجود ہیں آپ کا یہ بلا دلیل ایک ناصبی دعویٰ ہے کہ صحابی کی تعریف میں سیدہ زینبؓ اور سیدہ رقیہؓ کے صاحبزادے ہی آتے ہیں کہ وصالِ نبوی ﷺ سے پہلے سیدنا حسنؓ و حسینؓ بالغ نہیں ہوئے تھے۔ آپ جو چاہیں دعویٰ کریں یہ تاریخ اور حدیث کا معاملہ ہے اس میں کہیں مذکور نہیں کہ حضرت حسینؓ کے علاوہ دوسرے دو نواسے وصالِ نبوی ﷺ کے وقت بالغ تھے۔ میں سابقہ صفحات میں طبقات ابن سعد، ابن حزم کی جمھرۃ الانساب اور جوامع السیرۃ اور حافظ ابن حجر کی فتح الباری کے حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ سیدہ زینبؓ کے صاحبزادے علی بن ابوالعاص ابتدائے جوانی میں انتقال کر چکے تھے۔ اب ایک اور حوالہ امام ذہبی کی کتاب "تاریخ الاسلام و طبقات المشاهیر والاعلام" سے پیش کرتا ہوں، وہ اس کی پہلی جلد ص ۲۷۷ میں "اسلام ابی العاص مبسوطا" کے تحت لکھتے ہیں (سیدہ زینبؓ بنت رسول ﷺ سے ان کی شادی کے ذکر کے بعد) **فولدت له علیا فمات طفلا"** یعنی سیدہ زینبؓ سے علی کی ولادت ہوئی اور وہ بچپن میں انتقال کر گئے (تاریخ الاسلام تحقیق دکتور عبدالهادی شعیره، القاہرہ ۱۹۷۳ء) اور جہاں تک حضرت عبداللہ بن رقیہؓ کا تعلق ہے اس کو میں متعدد مستند حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ وہ چھ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے تھے۔ کیا اب بھی آپ یہ بلا دلیل دعوے کرتے رہیں گے۔ اردو کی ایک معتبر کتاب رحمتہ للعالمین کا حوالہ لیجئے اس کے مصنف قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی کتابِ مذکور کی جلد دوم صفحہ ۱۰۷ پر یہی لکھا ہے کہ سیدہ رقیہؓ کے ایک فرزند عبداللہ تھے چھ سال کی عمر میں وفات پائی اور یہی انہوں نے علی بن ابی العاص کے بارے میں ص ۱۰۴ پر لکھا ہے کہ وہ بچپن میں وفات پا گئے تھے اور پھر یہ تو بتایئے کہ ان حضرت علی بن ابی العاص سے جن کو آپ افسانوی انداز میں جنگ یرموک لے گئے (اور جس کا ابطال میں سابقہ صفحات میں کر چکا ہوں) ان سے کون سی حدیثِ نبوی مروی ہے۔ سیدنا حسنؓ کے متعلق تو شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء جلد اول صفحہ ۱۹۶ میں لکھا ہے کہ ان سے دو حدیثیں مروی ہیں اور صفحہ ۲۹۴ پر بھی حضرت معاویہ سے بھی دو حدیثیں مروی ہونے کا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فصل چہارم

میں مذکورہ صحابہ وتابعین کے مختصر حالات ذکر معاویہ وذکرِ حسنؓ)

بلیغ الدین صاحب اپنی ناصبیت اور اہلِ بیت سے بغض میں سیدنا حسنؓ وحسینؓ کو شرف صحابیت سے محروم کرنا چاہتے ہیں، حضور ﷺ کے وہ نواسے جنہوں نے آپ کی آغوش مبارک میں تربیت پائی اگر وہ صحابی نہ ہوں گے تو کون صحابی ہوگا؟ اصولِ حدیث کی کتابوں میں صحابی کی تعریف دیکھئے ''صحابی وہ ہے جس نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کو دیکھ لیا، حافظ ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ (ج ۸ ص ۲۰۳) سیدنا حسینؓ کی شہادت پرغم کے ساتھ لکھتے ہیں ''فانہ من سادات المسلمین و علماء الصحابۃ و ابن بنت رسول اللہ ﷺ التی ھی افضل بناتہ (وہ سیدنا حسینؓ مسلمانوں کے سرداروں اور علماء وصحابہ میں سے ہیں اور رسول ﷺ کی اس بیٹی کے صاحبزادے ہیں جو سب بیٹیوں میں افضل تھیں)۔ فلتمُت بغیظک ایّھا الناصبی!

ابن عساکر اور ابن اسحاق کی کتب کے بارے میں بلیغ الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ کسی صاحب علم کو زیب نہیں دیتا، وہ فرماتے ہیں ابن عساکر کا ''ایک خلاصہ تاریخ بھی ملتا ہے'' بندۂ خدا میں اپنے سابقہ مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ اُن کی تاریخ کے خلاصے کی سات جلدیں شیخ عبدالقادر بدران کے قلم سے چھپ چکی ہیں۔ آپ ایک خلاصہ کہتے ہیں پھر فرماتے ہیں کہ اس کی (یعنی ابن عساکر) کی کتابیں بازار میں عام نہیں بکتیں، (تو سوال یہ ہے کہ کیا آپ اپنی تحقیقاتِ عالیہ کی بنیاد بازار میں عام بکنے والی کتابوں پر رکھتے ہیں؟) پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق کا ہر حوالہ باطل ہے کہ یہ کتاب بھی ناپید ہے۔

بلیغ الدین صاحب نے شاید یہ سمجھ رکھا ہے کہ تکبیر کے پڑھنے والے سب عوام الناس ہیں، ان کو غالبًا یہ معلوم نہیں کہ یہ جریدہ ہندو پاک کی اہم دینی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں بھی پڑھا جاتا ہے۔ اہل علم یہ بات جانتے ہیں کہ سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ومعروف کتاب درحقیقت ابن اسحاق کی ہی سیرت نبوی پرمشہور کتاب ہے جو

بت شکنی کے بارے میں غلط بیانی صاف ظاہر ہے۔ جھوٹے حوالے دینے میں موصوف بڑے بیباک ہیں اور عربی سے تو وہ بالکل ہی نابلد ہیں۔

اب جہاں تک سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر چڑھ کر کعبہ کی چھت سے بت گرا کر پاش پاش کرنے کا تعلق ہے اور اس کا حوالہ مجھ سے بلیغ الدین صاحب نے مانگا ہے تو اس کے لئے ملاحظہ ہو مشہور مفسر، محدث، مؤرخ امام محمد بن جریر طبری کی ۱۹۸۲ء میں شائع شدہ حدیث کی کتاب "تھذیب الآثار" جلد ۴ بنام ''مسند علیؓ'' جہاں اس موضوع پر خود حضرت علی کی زبانی تین احادیث صفحہ ۲۳۶ میں تین مختلف اسناد سے درج ہیں۔ اس کتاب کے عظیم اور مشہور مصری سلفی محقق علامہ محمود احمد شاکر مرحوم نے اس حدیث کا حوالہ مسند احمد، جمع الزوائد، مسند ابی یعلٰی سے بھی دیا ہے اور طبری کی روایت کی سند کو رجال پر بحث کرتے ہوئے صحیح قرار دیا ہے۔ یہ بت شکنی کا قصہ ہجرت سے قبل کا ہے اور اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کاندھے پر سوار ہو کر حضرت علیؓ رات کے اندھیرے میں کعبہ کی چھت پر چڑھے اور ایک بت کو توڑا۔ پھر دونوں خاموشی سے جلدی سے روانہ ہو گئے اور فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کے حکم سے تمام بت کعبہ کے اندر اور باہر توڑے گئے اور خود آنحضرت ﷺ نے اپنی چھڑی سے بعض بیرونی بتوں کی طرف اشارہ کیا اور وہ اوندھے ہو کر گر گئے اس موقع پر علی بن ابی العاص کا کہیں ذکر نہیں۔

دوسرا حوالہ ایک ایسی مشہور کتاب سے پیش ہے جو اہل ہندو پاکستان بخوبی جانتے ہیں اور بلیغ الدین صاحب بھی یعنی شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء (جلد دوم صفحہ ۴۹۰، اردو ایڈیشن) جہاں حضرت علیؓ کے بت توڑنے کی روایت اسی تفصیل سے درج ہے جیسی طبری کی مذکورہ بالا کتاب تہذیب الآثار میں۔

یہاں بلیغ الدین صاحب کی دھاندلی کا اندازہ کیا جائے کہ خود ہی صحیح بخاری کے شارح قسطلانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''انہوں نے ذکر کیا ہے کہ علیؓ نے کعبہ میں بت شکنی کی'' پھر خود ہی اس کی حسب منشا عجیب تشریح فرماتے ہیں کہ اس سے مراد علی بن

ابی العاص ہیں۔ کیا ثبوت ہے؟ ایک معمولی پڑھا لکھا انسان بھی جانتا ہے کہ جب کہیں صرف علیؓ کا نام آتا ہے تو اس سے مراد چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ ہی مراد ہوتے ہیں، مگر برا ہو اُن کی ناصبیت کا کہ یہاں بھی وہ بغض علی المرتضیٰ میں غلط معنی ہی نکال رہے ہیں۔ اور پھر بغض علیؓ میں ابن حزم کی عبارت کو بھی غلط معنٰی پہنا رہے ہیں۔ اگر حضور ﷺ کے ساتھ حضرت علیؓ کعبہ میں داخل نہیں ہوئے تو ابوبکرؓ، عمرؓ و عثمانؓ بھی داخل نہیں ہوئے ابن حزم کے بقول صرف اسامہؓ، زیدؓ اور عثمانؓ بن طلحہ داخل ہوئے۔

''مزید حوالے'':

اس فقرے کے تحت بلیغ الدین صاحب نے محمد الاوسط کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس پر سابقہ صفحات میں بحث ہو چکی ہے۔ موصوف نے میرے مستند حوالوں کو غور سے نہیں دیکھا اب وہ مجھ سے مناظرانہ اور جذباتی انداز میں پوچھتے ہیں کہ میں ابن سعد کی طبقات کبریٰ اور ابن قتیبہ کی کتاب المعارف کو مستند سمجھتا ہوں کہ نہیں جن میں محمد الاوسط کا ذکر ہے؟

پہلے تو یہ عرض ہے کہ انساب کے معاملہ میں امام ابن حزم جیسے محدث و مؤرخ کو میں زیادہ معتبر سمجھتا ہوں۔ انہوں نے اپنی کتاب جوامع السیرۃ میں تصریح کی ہے کہ سیدہ امامہ بنت زینبؓ کے بطن سے حضرت علیؓ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور نہ ان کے بطن سے دوسرے شوہر مغیرہ بن نوفل کی کوئی اولاد ہوئی حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ ابن تیمیہ نے سیدہ امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کے بطن سے مغیرہ بن نوفل کے ایک لڑکے یحییٰ کا ذکر تو کیا ہے اور یہی بات رحمۃ للعالمین (جلد دوم صفحہ ۱۰۵) میں قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی لکھی ہے لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہ نسل دنیا سے ناپید ہو چکی ہے۔ سیدہ امامہؓ کے بطن سے محمد الاوسط بن حضرت علیؓ کا ذکر انہوں نے بھی نہیں کیا ہے اور نہ ابن قتیبہ نے جہاں تک کتاب المحبّر کا تعلق ہے بلیغ الدین صاحب نے اس کا حوالہ دائرۃ المعارف اردو (پنجاب) کے واسطے سے دیا ہے۔ خود انہوں نے یہ کتاب نہیں دیکھی اس میں نہ تو محمد

الاوسط بن امامہ کا ذکر ہے اور نہ یحییٰ بن امامہ بنت زینبؓ کا۔ یہ کتاب میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے زیر بحث چارٹ میں انساب الاشراف کا حوالہ اس سلسلہ میں کوئی نہیں۔ بلکہ صرف زبیر بن عبدالمطلب کی حضور کی سرپرستی کے بارے میں ہے۔ وہ غور سے دوبارہ چارٹ دیکھیں۔

اب جہاں تک ابن سعد کی طبقات سے محمد بن الاوسط بن امامہ کا ذکر ہے وہ واقدی کی روایت ہے جس کو بلیغ الدین صاحب بڑے زور وشور سے کذاب، رافضی اور شیطان لکھتے ہیں پھر وہ اس موضوع پر اسی واقدی کی روایت کس طرح تسلیم کرتے ہیں؟

پھر چلئے میں ان کے ساتھ ابن سعد کاتب واقدی کی طبقات کبریٰ کو مستند تسلیم کرتا ہوں اب میرا مطالبہ ہے کہ اپنی بات پر سچے مسلمانوں کی طرح قائم رہیں اور وہ ساری باتیں تسلیم کیجئے جن پر تمام سیرت نگاروں کا اتفاق ہے اور جن کے وہ محمود عباسی کے ساتھ منکر ہیں اور جو ابن سعد کی مستند کتاب میں مذکور ہیں یعنی

۱۔ حضورﷺ کی پرورش ابو طالب نے کی زبیر بن عبدالمطلب نے نہیں کی۔

۲۔ آپﷺ نے ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا اور اس سفر میں بحیریٰ راہب سے ملاقات ہوئی۔

۳۔ حضرت رقیہؓ کے بطن سے حضرت عثمانؓ کے صرف ایک بیٹے عبداللہ تھے جو چھ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ بلیغ الدین صاحب نے مسعودی کی ایک مزعومہ روایت کے مطابق ایک اور فرزند عبداللہ الاصغر کو صحیح سمجھ رکھا ہے جو رقیہؓ کے نہیں بلکہ جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں فاختہ بن غزوان کے بطن سے تھے۔

۴۔ ابن سعد کے ذکر کردہ نام شعب ابی طالب کو بھی صحیح تسلیم کیجئے جبکہ وہ بغیر دلیل اور صحیح حوالہ کے اس کو بنی ہاشم کہنے پر مصر ہیں۔

یہ وہ موضوعات ہیں جس پر بلیغ الدین صاحب نے محمود عباسی کی طرح صفحات کے صفحات سیاہ کئے ہیں غلط اور تراشیدہ حوالے دے کر عام قارئین کے ذہن میں انتشار پیدا

کیا ہے۔ اگر آپ ابن سعد کو مستند مان لیں تو کوئی اختلاف ہی نہ رہے مگر صرف اپنے مطلب کی ایک بات پر اس کو مستند نہ مانا جائے جبکہ اس کے خلاف بھی روایتی دلائل موجود ہیں۔

انساب الاشراف:

بلاذری کے بارے میں موصوف نے عجیب انفعالی انداز میں غیر متعلقہ باتیں لکھی ہیں اور وہ بھی ناقص، نہ ان کو اس کی جلدوں کا علم ہے نہ مطبوعہ جلدوں اور ان کی تاریخ طباعت کا۔ سو اُن کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے تو صرف اس کی پہلی جلد کو اپنی تحقیق سے شائع کیا تھا اور وہ بھی حال میں نہیں بلکہ ۲۷ سال پہلے ۱۹۵۹ء میں مصر سے، اور اس سے بہت پہلے ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۸ء میں ایک یہودی مستشرق گویتین Goetine نے اس کی چوتھی جلد اور پانچویں جلد کا کچھ حصہ شائع کیا تھا القدس (یروشلم) سے، (اس بوڑھے مستشرق سے پرنسٹن Prinston امریکہ میں میری ملاقات بھی ۱۹۷۸ء میں ہوئی تھی، میں نے یہ تینوں جلدیں مطالعہ کی ہیں جبکہ بلیغ الدین صاحب دوسروں کی لائبریری میں ان کے موجود ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ تینوں جلدیں میری ذاتی لائبریری میں عرصۂ دراز سے موجود ہیں۔ موصوف کی مزید معلومات کے لئے عرض ہے کہ اس کی ایک اور جلد بغداد سے پندرہ سال قبل شائع ہوئی ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے بارے میں بلیغ الدین صاحب نے حقارت آمیز انداز میں جو کچھ لکھا ہے اس کے بارے میں کیا کہوں! صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ ان کا مقام یہ ہے کہ عرب دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں ان کی عربی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کی زیر بحث کتاب ''المرتضیٰ'' بھی پہلے عربی زبان میں چھپی تھی پھر ان کے ایک شاگرد ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے اور عالم عربی کے تمام علماء و محققین ان کی بیسیوں عربی کتابوں کو انتہائی عزت واعتراف کی نظر سے دیکھتے ہیں جبکہ بلیغ الدین صاحب کے نام سے بھی عالم عرب واسلام کے لوگ آشنا نہیں۔ وہ محض ایک عوامی مقرر ہیں!

جنگ یرموک میں ابو العاص بن الربیع (بحیثیت مسلمان یک سالہ داماد رسول اللہ ﷺ) کی اپنے فرزند علی کے ساتھ شرکت کا بلا دلیل دعویٰ دوبارہ انہوں نے اس فقرہ کے تحت کیا ہے ''سابقہ صفحات میں لکھ جا چکا ہے وہیں تمام مستند حوالے موجود ہیں کہ ابو العاص ۱۲ھ میں اور ان کے فرزند علی بن سیدہ زینبؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں بچپن میں انتقال ہو چکا تھا۔'' مزید حوالے یہ ہیں۔ امام ذہبی کی التاریخ الکبیر (صفحہ ۲۸۰) اور قاضی سلیمان منصور پوری کی رحمۃ للعالمین (جلد دوم صفحہ ۱۰۴) لہٰذا جب یہ دونوں حضرات جنگ یرموک سے کافی پہلے مستند اور متعدد تاریخی حوالوں کے مطابق انتقال فرما چکے تھے تو اس جنگ میں ان کی شرکت کہاں سے ہو سکتی ہے؟ عرض ہے کہ یہ تاریخ اسلام کا موضوع ہے یہاں خطابت اور افسانہ طرازی سے کام نہیں چلتا۔ دورِ صدیقی میں بھی ابو العاص بن الربیع کسی جہاد میں شریک نہیں ہوئے کہیں ان کا ذکر نہیں۔ اس موقع پر انہوں نے سیدنا علی المرتضیٰؓ پر ایک عجیب ناپاک حملہ کیا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد چوبیس پچیس برس کسی جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ سوال یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے عہد میں حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ و عثمانؓ میں سے کون جہاد پر آ گیا؟ حقیقت یہ ہے کہ بحیثیت صدر مملکت یا خلافت ان کا مدینہ منورہ میں مقیم رہنا سیاسی و مشاورتی قیادت کے لئے ضروری تھا ان تینوں خلفاءؓ نے حضرت علیؓ کو اہم مشوروں کے لئے اپنے ساتھ رکھا سیدنا علیؓ پر یہ حملہ بلیغ الدین صاحب کی خارجیت و ناصبیت کی دلیل ہے۔

چھٹا مغالطہ:

اس فقرہ کی پہلی سطر میں بلیغ الدین نے چیلنج کیا ہے کہ بتایا جائے کہ موصوف نے حضرت فاطمہؓ سے ابو العاص کا کہاں اور کن الفاظ میں تقابل کیا ہے تو ملاحظہ فرمایئے کہ سابقہ صفحات پر ابو العاص کا ذکر کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں ''حضرت فاطمہؓ کی منقبت کی روایتوں میں تقابل کے ساتھ ان کی توصیف آئی ہے۔'' باقی رہے آپ کے ''ترکش و تیر آزمائی'' کے خطیبانہ الفاظ تو آپ کے پاس مستند تاریخی حوالوں کا جواب نہیں ہوتا تو اپنے

محبوب و معروف اسلوب خطابت پر اتر آتے ہیں۔ میں ایسی باتوں کا جواب نہیں دیتا ہوں۔ چارٹ سے غیر متعلق یہ سب باتیں آپ ہی نے چھیڑی ہیں اپنے غلط افکار پھیلانے کے لئے میں نے تو صرف جوابات دیئے ہیں۔

شعب بنی ہاشم:

اس کو موضوع سخن بلیغ الدین صاحب ہی نے بنایا تھا اور اب پھر دھونس کے ساتھ بنایا ہے کہ "شعب ابی طالب نہیں صحیح شعب بنی ہاشم ہے" میں نے تو اپنے سابقہ مضمون میں اس ہی کو تسلیم کرلیا تھا مگر اس بار آپ نے یہ بات کہتے ہوئے تمام قدیم جدید سیرت نگاروں پر تاریخ مسخ کرنے کا الزام لگایا ہے اس لئے کچھ لکھنا پڑا۔

اس سلسلہ میں موصوف نے ازرقی کی "تاریخ مکہ" اور یاقوت کی "معجم البلدان" کے حوالے دیئے ہیں۔ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی کتاب انہوں نے نہیں پڑھی ہے۔ درحقیقت یہ سب محمود عباسی کی وقائع ام ہانی (صفحہ ۹۰) سے نقل کیا گیا ہے اور جو دروغ بیانیاں اس نے کی تھیں وہی انہوں نے کی ہیں، ان دونوں عربی کتابوں میں کہیں شعب بن ہاشم نہیں لکھا ہے بلکہ اس گھاٹی کو شعب ابی طالب کے نام سے ہی یاد کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو تاریخ مکہ ازرقی، تحقیق رشدی ملحس بیروت ۱۹۸۳ء جلد دوم، ص ۲۲۱، معجم البلدان جلد دوم، صفحہ ۳۶۱ (بیروت ایڈیشن)۔ تیسری صدی ہجری میں اس کا نام شعب ابن یوسف مشہور تھا جو ازرقی کا زمانہ ہے اور یہی نام معجم البلدان میں مادہ (شعب) میں مذکور ہے۔ بلیغ الدین صاحب نے شعب ابی یوسف غلط لکھا ہے اور یہ پرانا نہیں نیا نام تھا کیونکہ اس نام کے امیر نے یہ علاقہ خرید لیا تھا، شعب ابی طالب اب شعب علی کے نام سے مشہور ہے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ مکہ ازرقی جلد دوم، صفحہ ۴۲۳) اور اب اس کے برابر سوق اللیل ہے، نئے شعب علیؓ کے نام سے شاید بلیغ الدین صاحب کو اور تکلیف ہو گی۔ معجم البلدان میں ابن یوسف کے بجائے ابو یوسف سہو یا تحریف ہے کیونکہ تاریخ مکہ قدیم اور تحقیق شدہ کتاب ہے۔

درحقیقت محمود عباسی نے شعب ابی طالب کے نام پر علامہ شبلی کی گرفت کی تھی اور پھر متعدد صفحات میں بات کا تبنگڑ بنایا تھا کہ شیعوں نے شعب بنی ہاشم کا نام بدل کر شعب ابی طالب رکھ دیا تھا وہی سب کچھ بلیغ الدین صاحب نے مختصراً لکھ دیا ہے۔ کسی نے تاریخ کو مسخ نہیں کیا تھا محمود عباسی نے جس کو حضرت علی المرتضیٰ کے خاندان سے کینہ ہے اس نے ناکام کوشش کی تھی اب بتایا جائے کہ اس کا چارٹ سے کیا تعلق ہے؟

''اسد اللہ واسد رسولہ'':

اس فقرہ کے تحت (ص ۴۵) پر بلیغ الدین صاحب نے مجھ پر سیدنا حمزہ کے لئے اس خطاب کو تسلیم نہ کرنے کا جو بے بنیاد الزام لگایا ہے بلکہ بہتان وہ ان کی افتراء پردازی اور فتنہ انگیزی کی کھلی دلیل ہے، میرا سابقہ بیان پڑھ لیا جائے بلکہ میں نے تو اس خطاب یا لقب کے لئے سیرۃ ابن ہشام کا حوالہ فراہم کیا تھا کیونکہ بلیغ الدین صاحب نے بغیر کسی حوالے کے اس لقب کا ذکر کیا تھا۔ اب بلاوجہ کی عداوت اور احسان ناشناسی دیکھئے کہ میرے ہی اس حوالے کے الفاظ نقل کر کے وہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ میں اس لقب کا سیدنا حمزہ کے لئے قائل نہیں۔

ہاں میں نے ابو العاص بن الربیع کے لئے ''شیر بطحاء'' کے لقب پر جو سوال اٹھایا تھا وہ ہنوز قائم ہے جس پر آگے بحث آتی ہے۔ یہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ حضرت حمزہ کے لقب مذکور کے لئے جو اقتباس دیا ہے وہ بنیادی طور پر اسی ابن اسحاق کا ہے جس کو بلیغ الدین صاحب ناقابل اعتبار ٹھہرا چکے ہیں اور اب فرماتے ہیں کہ اس کے یہاں موضوع روایات کی بھرمار ہے، اور یہ کہ ابن اسحاق شیعہ مورخ ہے۔ اب بتایا جائے کہ کس طرح اس لقب کے سلسلے میں ابن اسحاق کے قول کو معتبر سمجھ رہے ہیں؟ میں تو بہر حال تمام قدیم و جدید مؤرخین کی طرح اس کو ثقہ سمجھتا ہوں۔

سیدنا علی کے لقب ''اسد اللہ'' کے بارے میں ایک دوسرا حوالہ شاہ ولی اللہ

صاحب کا ملاحظہ فرمایئے، وہ تو عربی جانتے تھے لائق اعتبار ہیں۔ ازالۃ الخفاء جلد اول، ص ۴۷۵ پر وہ حضرت علی کے حالات میں بیان کرتے ہیں۔ ''لقب اسد اللہ'' (مذکورہ اردو ایڈیشن) دوبارہ جلد دوم، صفحہ ۴۸۷ وہ پھر یہ لقب ذکر کرتے ہیں۔ مزید برآں یہ لقب اس قدر مشہور ہے کہ یہاں کسی حوالے کی ضرورت نہیں ورنہ علامہ اقبال ان کو اپنے شعر میں اسد اللہ کے نام سے یاد نہیں کرتے جس میں سابق مضمون میں ذکر کر چکا ہوں۔ آپ کے بعض غلط حوالوں کی حقیقت میں گزشتہ صفحات میں واضح کر چکا ہوں اور کچھ آئندہ آئیں گی۔

اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے ضرور حضرت علی کے لئے اسد اللہ کے لقب سے انکار کیا اور دوسرے موضوعات کھڑے کر دیئے جن میں مرحب کے قتل کا مسئلہ بھی ہے کہ یہ محمد بن مسلمہ نے کیا تھا۔ اور آپ نے واقدی کے لئے ''رافضی و شیطان'' کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے یک طرفہ اقوال نقل کئے ہیں ناصبیوں کا یہ محبوب موضوع ہے کہ خیبر کے موقع پر حضرت علی نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔

اب ان ''علامہ صاحب'' نے یہ مسئلہ چھیڑا ہے تو عرض ہے کہ ابن ہشام کی جس روایت کا انہوں نے اس سلسلے میں سہارا لیا ہے وہ اسی ابن اسحاق کی ہے جس کو آپ کذاب وضاع اور شیعہ قرار دے چکے ہیں اور یہی روایت طبری میں منقول ہے اب آپ کو یہ ابن اسحاق کیسے قابل قبول ہو گیا (دیکھئے سیرت ابن ہشام جلد ۲، ص ۳۳۴) پھر اسی ابن اسحاق کی ایک اور روایت ابن ہشام کی اس جلد میں صفحہ ۳۳۵ پر مذکور ہے کہ جب سیدنا علی کی ڈھال گر گئی تو انہوں نے ایک دروازہ کو اٹھا کر ڈھال بنا لیا جس کو سات آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔ آپ کے مرشد محمود عباسی نے تو اس کو جھوٹ اور مضحکہ خیز قرار دیا ہے اب فرمایئے کہ کیا آپ ''افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض'' کے زمرے میں نہیں آتے ہیں؟

موسیٰ بن عقبہ کی کتاب مفقود ہے اور مسند امام احمد بن حنبل سے بلیغ الدین کو کیا تعلق، امام احمد نے تو یہ کہا ہے کہ جو سیدنا علی کو چوتھا خلیفہ تسلیم نہ کرے وہ گدھے

سے بھی زیادہ احمق ہے۔ آپ ان کی خلافت میں شک پیدا کرتے ہیں۔ پھر مسند احمد کا تفصیلی حوالہ دیجئے۔

رہا مرحب کا قتل تو اس بارے میں محققین اہل سنت والجماعت مشہور محدث امام مسلم کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس میں صراحت سے مذکور ہے کہ مرحب کو سیدنا علی نے قتل کیا (ملاحظہ ہو صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر۔ یہاں وہ اشعار بھی درج ہیں جو سیدنا علی رجزیہ پڑھتے تھے) طبری کی جس روایت کو آپ نے ترجیح دی ہے اس کو ذرا غور سے دیکھئے وہ بھی ابن اسحاق کی ہے جو آپ کے نزدیک وضاع وکذاب ہے اور روایت کے پہلے اور بعد میں آنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ ''عوف عن میمون'' کی روایت اور طبری ہی میں یونس بن بکیر عن المسیب بن مسلم کی دو روایتوں میں یہی ہے کہ مرحب کو سیدنا علی نے قتل کیا دیکھئے طبری دارالمعارف مصری ایڈیشن ج ۳، ص ۱۱، ۱۲) آپ اپنے قارئین کو کہاں تک دھوکہ دیں گے؟

مرحوم مولانا شبلی کا نام لے کر بلیغ الدین صاحب نے قارئین کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے حوالوں میں غلط بیانی محمود عباسی کی طرح ان کی عادت ہے۔ موصوف کی رسائی عربی کتابوں تک نہیں خالد اسحاق صاحب ایڈووکیٹ کی لائبریری میں جا کر وہاں موجود عربی کے ایک طالب علم سے عربی کتابوں سے عبارتیں ترجمہ کراتے ہیں اور ان کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں، بلکہ افسوس کا مقام کہ مولانا شبلی کی سیرۃ النبی سے بھی اپنے مطلب کی بات ہی نقل کرتے ہیں اور اصلی بات کو چھپا دیتے ہیں۔ صحیح بخاری کی کتاب المغازی و فضائل الصحابۃ اور مسلم کی کتاب فضائل الصحابہ میں صراحت سے مذکور ہے کہ جب تین دن مسلسل دوسرے صحابہ غزوہ خیبر میں کامیاب نہ ہو سکے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے آدمی کے ہاتھ میں دوں گا جس کو اللہ محبوب رکھتا ہے اور پھر حضور ﷺ نے حضرت علی کو طلب کیا وہ اس وقت آنکھوں کی بیماری میں مبتلا تھے، پھر بھی آپ نے ان کو طلب فرمایا اپنا لعاب دہن حضرت علی کی آنکھوں پر لگایا، حضرت علی کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ انہوں نے خیبر کے

آخری قلعہ قموص کو اس کے مالک مرحب کو قتل کر کے فتح کیا اور اسی لئے فاتح خیبر کہلائے۔ مگر حضرت علی سے بغض اور ناصبیت نے بلیغ الدین کی آنکھیں بند کر دی ہیں اور مجھے شپرہ (چمگادڑ) کہتے ہیں اور خود کتب حدیث و عربی تواریخ تو کیا اردو میں مولانا شبلی کی عبارتوں سے اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ مولانا شبلی اپنی سیرۃ النبی جلد اول (صفحہ ۲۸۲، طبع اول، دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۵ء) میں تفصیل سے غزوہ خیبر پر بحث کرنے کے بعد کہتے ہیں:

> ''ابن اسحاق'' موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے مارا تھا مسند ابن حنبل اور نووی کی شرح صحیح مسلم میں بھی ایسی ہی ایک روایت ہے لیکن صحیح مسلم اور حاکم (ج ۲، ص ۳۹) میں حضرت علی ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے۔ اور یہی اصح الروایات ہے۔''

اور دوبارہ جناب نے مولانا شبلی مرحوم پر درِ خیبر (ان کی عبارت میں درّہ خیبر غلط چھپا ہے) کے سلسلہ میں تہمت گڑھی ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر صفحہ بالا میں واقدی کے بیان کی نہیں بلکہ ابن اسحاق اور حاکم سے منقول اس روایت کی سخاوی کی مقاصد حسنہ کے حوالہ سے تردید کی ہے۔ جس میں ہے کہ قلعہ قموص کا وہ دروازہ جس کے ایک پٹ کو حضرت علی نے بطور ڈھال استعمال کیا وہ اس قدر وزنی تھا کہ سات آدمی بھی اس کو نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اور مولانا شبلی کی یہ بات صحیح ہے مگر آپ اس واقعہ کو بیان کر کے فتح خیبر کے سلسلے میں سیدنا علی کے کارنامے سے ہی انکار کرنا چاہتے ہیں جو بخاری و مسلم کی صحیح حدیثوں اور مولانا شبلی کے مذکورہ بالا صریحی بیان سے ثابت ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ کسی مورخ نے بھی واقدی کو رافضی اور شیطان نہیں لکھا ہے۔ مدینہ منورہ کے دوسری صدی ہجری کے عظیم سیرت نگار، محدث اور قاضی کے بارے میں یہ صرف بلیغ الدین صاحب اور ان کے استاد محمود عباسی کی دریدہ ذہنی ہے۔ مولانا شبلی کی سیرۃ النبی جس تک ان کی رسائی ہے اس سے موصوف نے عوف (ایک راوی) کے

بارے میں علامہ مرحوم کی بندار سے نقل کردہ ایک عبارت کو واقدی پر چسپاں کر دیا ہے، بلکہ مجھے بلیغ الدین کے ماخذ کا پتہ چل گیا۔ یہ سیرت شبلی نہیں بلکہ محمود عباسی کی کتاب ''تحقیق مزید'' ہے جہاں صفحہ ۱۵۳ پر میزان الاعتدال ذہبی کے حوالہ سے یہ عبارت عوف کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ مگر میرے ناقد نے یہاں ''عوف'' کے بجائے عظیم مؤرخ و محدث و قاضی ''واقدی'' کا نام درج کر دیا۔ کیا اسی کا نام علمی دیانت ہے؟ مولانا شبلی کی عوف کے بارے میں یہ روایت سیرۃ النبی کی جلد اول صفحہ ۲۸۱ (مذکورہ بالا ایڈیشن) پر موجود ہے، اور یہ اس سلسلہ میں ہے کہ طبری میں ایک روایت اس راوی سے مذکور ہے کہ قلعہ قموص کی فتح سے ناکام ہوکر دو دن سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر واپس گئے تھے اور فوج نے حضرت عمر کی کمزوری کی شکایت کی اور ان دونوں نے فوج کے بھاگ جانے کی۔ اس موقعہ پر یقیناً فوجیوں کا بیان غلط ہے اور اسی لئے اس کو ایک شیعی روایت کہہ کر مولانا شبلی نے اس کی تردید کی ہے جو سارے اہل حق کا مسلک ہے۔ لیکن مولانا شبلی نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ فتح خیبر کا شرف حضرت علی کا ہی نصیب تھا وہ اس روایت کی تردید کے بعد کہتے ہیں:

''تاہم اس قدر ضرور ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا'' اور پھر اس کے بعد ہی انہوں نے حضور ﷺ کی طرف سے حضرت علیؓ کا اس مہم پر مقرر کیا جانا ذکر کیا ہے۔ بلیغ الدین صاحب لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا بند کریں۔ سچ وہ ہے جو امام بخاری، امام مسلم، حافظ ابن حجر اور پھر مولانا شبلی نے لکھا ہے وہ نہیں جس کو اس دور کے یہ ناصبی خطیبانہ انداز میں سچ قرار دے رہے ہیں اور حضرت علی کی تنقیص کر رہے ہیں۔

''شیر بطحا'':

سیدنا علی سے بغض میں مبتلا بلیغ الدین صاحب نے دوبارہ ابو العاص بن الربیع کو ''شیر بطحا'' ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ جو حوالے انہوں نے دیئے ہیں وہ غلط ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا شیر عربی زبان کا لفظ ہے؟ حضرت حمزہ اور حضرت علی

کے ناموں کے ساتھ تو قدیم و جدید کتب تاریخ میں اسد اللہ یعنی (شیر خدا) کا لفظ آیا ہے۔ مگر ابو العاص کے لئے ''اسد بطحاء'' کا لفظ کہاں ہے؟ بلکہ وہ لفظ آیا ہے جس کو بلیغ الدین صاحب نے چھپانے کی کوشش کی ہے۔ قارئین سنیں، وہ لفظ ہے ''جرو بطحاء'' ملاحظہ ہو امام ذہبی کی التاریخ الکبیر الموسوم بہ تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر والاعلام (ج ص ۲۷۸، طبع مصر) اب وہ اس عربی لفظ (جرو) کے معنی کسی عربی داں سے پوچھ لیں یا کسی لغت میں دیکھ لیں یا کسی بھی عرب ملک میں چلے جائیں وہ ایک عرب بچے سے بھی سن لیں گے کہ وہ کتے کے بچہ کو جرو کہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ لقب نہیں دیا تھا بلکہ امام ذہبی نے لکھا ہے۔ ''و کان یدعی جرو البطحاء و اسر یوم بدر'' (وہ جرو بطحاء کے نام سے پکارے جاتے تھے اور بدر کی جنگ میں گرفتار ہوئے)۔

یاد رہے کہ امام ذہبی نے اپنی اس بے نظیر کتاب میں ابی العاص کے حالات بڑی تقطیع کے تین صفحات میں لکھے ہیں اور صفحہ ۲۸۰ پر تصریح کی ہے کہ وہ حضور کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئے۔ اور میں گزشتہ صفحات میں مستند حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ وہ ۱۲ھ میں وفات پا گئے پھر کون سا کارنامہ تھا جن پر ان کو شیر بطحاء کا اردو کا خطاب ملا؟

اس موقعہ پر انہوں نے محقق و مصنف جلیل القدر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے لئے جو عامیانہ انداز بیان اختیار کیا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ مولانا وغیرہ احترام کا کوئی لقب نہیں لکھا اس کو تو قارئین نے نوٹ کیا ہوگا، اور پھر میں کہتا ہوں کہ مجھے ''ہمارے علماء کی تحریریں'' بھی سمجھ میں آتی ہیں انہیں میں علامہ شبلی، سید سلیمان ندوی، قاضی سلیمان منصور پوری وغیرہ شامل ہیں۔ ہاں محمود عباسی شامل نہیں، بلیغ الدین صاحب ابو العاص بن الربیع کے بارے میں قاضی سلیمان منصور پوری کا پورا بیان تو پیش کریں ان کے جھوٹ کی پول کھل جائے گی۔ قاضی سلیمان مرحوم نے ابو العاص کے بارے میں وہی سب کچھ لکھا ہے جو امام ذہبی اور دوسرے قدیم عرب مؤرخین نے لکھا ہے۔ میں اردو داں قارئین اور طالبان حقیقت کی خدمت میں عرض کروں گا کہ وہ رحمۃ للعالمین کی دوسری جلد ضرور پڑھیں صفحہ ۱۰۲

تا صفحہ ۱۰۵ (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ایڈیشن) سیدہ زینب کا ذکر۔ اس میں وہ دیکھیں گے کہ صراحت سے مصنف نے لکھا ہے۔

۱۔ ابوالعاص نے بماہ ذی الحجہ ۱۲ھ میں وفات پائی ان کا لقب جروالبطحاء تھا۔ صفحہ ۱۰۴

۲۔ علی سبط الرسول نے بچپن میں وفات پائی۔ صفحہ ۱۰۴

۳۔ سیدہ امامہ بنت زینب کا نکاح پہلے سیدنا علی سے اور پھر حضرت علی کی وصیت کے مطابق حارث عم النبی ﷺ کے پوتے مغیرہ بن نوفل سے امیر المومنین کی اجازت سے نکاح ثانی پڑھایا گیا، مغیرہ کے ہاں سیدہ امامہ کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوا یحییٰ نام تھا یہ نسل دنیا سے ناپید ہو چکی ہے۔ (صفحہ ۱۰۵)

۴۔ انہوں نے علی بن العاص کے فتح مکہ کے موقع پر بت شکن ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے۔

الاصابہ اور الاستیعاب کے جو حوالے بلیغ الدین صاحب نے اس ذیل میں دیئے ہیں ان میں بھی ابو العاص کے لئے ''جرو بطحاء'' کا لقب آیا ہے اور وہ اس لقب سے اسلام سے پہلے پکارے جاتے تھے، یہ عرض کر دوں کہ قاضی سلیمان منصور پوری نے ابو العاص کے بحیثیت مسلمان یک سالہ داماد رسول کے احترام میں اس لقب کا اردو ترجمہ نہیں کیا ہے میں نے بھی نہیں کیا، یہ بھی عرض کر دوں کہ گو ''جرو'' کے عام اور متداول معنی ''کتے کے بچے'' کے ہیں لیکن لغت میں اس کے معنی درندہ کے بچہ کے لئے بھی آئے ہیں اور شاید وہ اپنی سختی اور دشمن کے خلاف زور آزمائی میں شہرت کی وجہ سے مکہ میں اس لقب سے مشہور ہو گئے ہوں گے۔

اب وہ ثابت کریں کہ کس مصنف نے ان کو ''اسد البطحاء'' کے لقب سے یاد کیا ہے؟

''کفالت'':

اس فقرہ کے تحت انہوں نے محمود عباسی ناصبی کے مطابق ابو طالب کے بجائے زبیر بن عبدالمطلب کو حضور ﷺ کا کفیل، سرپرست اور حامی، سربراہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ یہ پاکستان کے خارجیوں، ناصبیوں کا محبوب مشغلہ ہے اس کے بارے میں

تفصیلی حوالوں سے سابقہ صفحات میں کافی لکھ چکا ہوں دوبارہ پڑھ لیا جائے۔

بلیغ الدین صاحب نے ابن سعد، یعقوبی، روض الانف (سہیلی) اور رحمۃ للعالمین خطبات سرسید کے جو حوالے دیئے ہیں وہ سب صریحی غلط بیانی ہے ان سب نے یہی لکھا ہے کہ ابو طالب نے حضور ﷺ کی کفالت کی اور انہوں نے ہی آنحضرت ﷺ کی نصرت و حمایت کی۔ طبقات ابن سعد ج ۱، ص ۱۱۸، یعقوبی ج ۲، ص ۱۴ سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص ۱۱۲ وغیرہ) اور بلیغ الدین صاحب سے تو ایک دوسرے نام نہاد محقق اور ناصبی ضیاء الدین کرمانی ہی اچھے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب "ابدی پیغام کے آخری پیغمبر" (ص ۵۹) میں سرسید احمد خاں کے بیان کے بارے میں سچ لکھ دیا ہے کہ "اپنے ناقدانہ ذہن اور ژرف نگاہی کے باوجود سرسید نے بھی عام خیال کے مطابق اپنے خطبات (ص ۳۷۶) میں لکھ دیا کہ "عبدالمطلب کی وفات کے بعد حضرت محمدؐ کی سرپرستی ابو طالب نے کی۔"

اس لئے میں کہتا ہوں کہ زیر بحث چارٹ کے اندراجات غلط ہیں یہ ریڈیو میں اور عام مجالس میلاد النبی میں تقریروں کا مسئلہ نہیں (جس میں بلیغ الدین صاحب بیشک مشہور ہیں) بلکہ علمی تحقیق کا مسئلہ ہے اور بلیغ الدین صاحب کسی بھی تاریخ حوالے سے یہ ثابت نہیں کر سکے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی کفالت ابو طالب کے بجائے دوسرے چچا زبیر نے کی۔ بلکہ انہوں نے بغیر تعین صفحات کے جو حوالے دیئے ہیں وہ سب غلط ہیں۔ وہ عامۃ المسلمین کو تاریخ اسلام کے بارے میں گمراہ کرنے کی کوشش میں ہمیشہ ناکام رہیں گے جیسے محمود عباسی ناکام رہے۔

بحیرا راہب:

اس فقرہ کے تحت بلیغ الدین صاحب نے مجھ پر حسب عادت الزام تراشی کی ہے کہ "اب طویل اور غیر متعلق بحث کرتے ہوئے رضوان علی صاحب ایک اور سبائی روایت کے دفاع پر آ گئے" یہ الزام تراشی اور دریدہ ذہنی کا وہ طریقہ ہے جو بلیغ الدین صاحب نے محمود عباسی سے سیکھا ہے جو ہر اس روایت کو جو اس کو پسند نہیں آتی ہے سبائی روایت کہہ دیتا

ہے۔ غیر متعلقہ مضامین بلیغ الدین نے اپنے طویل مضمون میں اٹھائے تھے جس کا مدلل و مفصل جواب مجھے لکھنا پڑا۔

بحیرا کی روایت میں نے جن کتابوں کے حوالے سے نقل کی تھی یعنی حافظ ابن کثیر، ابن ہشام، ابن سعد وغیرہ ان میں سے کوئی سبائی (غالی شیعہ) تو کیا امامی شیعہ بھی نہیں تھا میں اس سلسلے میں سابقہ صفحات میں جو کچھ لکھ چکا ہوں اس کو دوبارہ پڑھ لیا جائے۔ یہاں میں اس بہتان کا جواب دینا چاہتا ہوں جو بلیغ الدین صاحب نے عظیم محقق و مصنف مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (مولانا علی میاں مدظلہ) پر لگایا ہے۔

مولانا موصوف نے اپنی عربی کتاب السیوۃ النبویۃ (ص ۸۹ تا ۹۲) میں ایک ذیلی عنوان ''مع عمہ ابی طالب'' (اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ) کے تحت بحیرا (بحیرہ نہیں) کے موضوع پر مولانا شبلی کی عبارت نقل کر دی ہے، اور اس واقعہ سے متعلق ترمذی کی روایت میں حضرت بلال کا جو ذکر ہے اس ٹکڑے پر حافظ ابن القیم کی تنقید بھی زادالمعاد سے نقل کر دی ہے۔ اس کے بعد ایک عنوان کے تحت مستشرقین اور خاص طور پر مستشرق کارادے وو (Carra de vaux) کے اس جھوٹ اور افتراء پردازی پر دو صفحات میں تنقید کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید وغیرہ کی اسلامی تعلیمات بحیرا نے دی تھیں۔ اس کے آخر میں مولانا مدظلہ نے وہ الفاظ لکھے ہیں جو بلیغ الدین صاحب نے سیاق مضمون سے قطع و برید کر کے نقل کئے ہیں جو یہ ہیں ''یہ بات (یعنی قرآن کی تعلیمات کا بحیرا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کرنا) وہی شخص کر سکتا ہے جسے تعصب نے اندھا کر دیا ہو خیال آرائی اور فرضی اور وہمی باتوں کی اس کو عادت پڑ چکی ہو''

اس طرح مولانا ممدوح نے اصل روایتِ بحیرا کی نہیں دشمنانِ اسلام کے اس واقعہ سے متعلق افتراء کی تردید کی ہے۔ اس بارے میں ان کا مسلک وہی ہے جو حافظ ابن القیم کا ہے کہ اس روایات میں بلالؓ کا ذکر غلط ہے اور یہ کسی راوی کا اضافہ یا وہم ہے۔ بلیغ الدین صاحب نے مولانا مدظلہ کی عبارت کے ساتھ جو کچھ کیا ہے ایسے ہی لوگوں کے

بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے "یحرفون الکلم عن مواضعہ" (سورہ مائدہ) یعنی باتوں کی ان کی جگہ یا سیاق سے تحریف کر دیتے ہیں۔ اب آنحضرت ﷺ کے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ سفر شام اور بحیرا سے ملاقات کے سلسلے میں مشہور محدث حافظ ابونعیم (متوفی ۴۳۰) کی کتاب دلائل النبوۃ کا حوالہ پیش کرتا ہوں، انہوں نے اپنی اس مستند کتاب کے صفحات ۱۲۴ تا ۱۲۹ میں تفصیل سے اس موضوع کا ذکر کیا ہے اور بحیرا سے ملاقات کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ مگر ان کی روایت میں یہ ذکر نہیں کہ ابوطالب نے حضرت بلالؓ کے ساتھ ان کو مکہ مکرمہ واپس بھیج دیا جس کی وجہ سے اس ملاقات پر بعض حضرات نے شک کیا ہے، بلکہ یہ ہے کہ "ابو طالب حضور اکرم ﷺ کے ساتھ فوراً ہی واپس ہوگئے اس ڈر سے کہ یہودی آنحضرت ﷺ کو قتل نہ کر دیں" (ص ۱۲۹)۔

حافظ ابن القیم نے زادالمعاد (جلد ا، ص ۷۶ نیا بیروت ایڈیشن) میں ترمذی کی اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلالؓ کے ساتھ واپس بھیجنے کا ذکر ہے مسند البزار سے ایک دوسری روایت کا حوالہ دیا ہے جس میں بلالؓ کا نام نہیں بس "رجلا" (ایک آدمی) لکھا ہے حافظ ابن حجر نے الاصابہ (ج ص ۱۷۷) میں ترمذی کی مذکورہ روایت اور اس کے راویوں کو ثقہ بتایا ہے اس تصریح کے ساتھ کہ اس میں ابوبکر اور بلال سے متعلق ٹکڑا ثابت نہیں اور وہ بحیرا کے ذکر (ص ۱۷۶) میں اس سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات کو صحیح مانتے ہیں۔

امید ہے کہ اس روایت ترمذی کے سلسلے میں محمود عباسی اور بلیغ الدین صاحب کے پیدا کردہ شکوک وشبہات قارئین کے ذہن سے نکل گئے ہوں گے۔ یہاں ایک اہم بات یہ ہے کہ سیرت نبوی کی موجود قدیم ترین اور مستند ومفصل کتاب یعنی ابن ہشام کی السیرۃ النبویۃ (جو درحقیقت اسی امام مغازی ابن اسحاق کی تالیف کا اختصار ہے جس کو یہ دونوں صاحبان یا وہ گوئی سے رافضی اور کذاب کہتے ہیں) میں (ج ا، ص ۱۸۰۔۱۸۳) اس ملاقات کی جو تفصیل روایت ہے اس میں ابوبکرؓ و بلالؓ کا مطلقاً ذکر نہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا

ہے کہ سیرت کے موضوع پر یہ کتاب کس قدر اہم ہے اور اسی لئے اس کو صدیوں سے قبول عام حاصل ہے۔

اصل بات یہ کہ بلیغ الدین صاحب نے محمود عباسی کی طرح اس روایت ترمذی پر ناقص بحث کرکے ابو طالب سے بغض و کینہ کی وجہ سے اس کو جھوٹا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ تاکہ اپنے زعم میں بحیرا کے قصہ کی آڑ لے کر یہ ثابت کرسکیں کہ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کی کفالت نہیں کی وھیھات۔

ابن اسحاق، واقدی، بلاذری:

اس فقر کے تحت معترض صاحب نے دو قدیم علماء اور سیرت نگاروں کے خلاف جو زہر اگلا ہے وہ ایک مستقل طویل مضمون کا طالب ہے میں نے پہلے اس پر پانچ صفحات لکھے تھے لیکن اب مدیر تکبیر کے اصرار پر ایک صفحہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

بلاذری کے بارے میں تو میں یہاں کچھ نہ کہوں گا جس کو بلیغ الدین صاحب لائق اعتبار سمجھتے ہیں، کیوں کہ سابقہ صفحات میں کس قدر تفصیل سے اس کے بارے میں لکھ چکا ہوں اور وہ ان دونوں محدثین و علماء سے ایک صدی متاخر ہے۔ ابن اسحاق (وفات ۱۵۱ھ) اور واقدی (وفات ۲۰۷ھ) کے بارے میں بھی محدث وسیرت نگار ابن سیدالناس کے حوالے سے لکھ چکا ہوں، اور یہ کہ مولانا شبلی نے سیرۃ النبی کے مقدمہ میں ابن اسحاق کو تابعی اور فن مغازی کا امام کہا ہے۔ بلیغ الدین صاحب نے دوبارہ ان کے خلاف دریدہ ذہنی اور یاوہ گوئی سے کام لیا ہے۔ میں یہاں یہ اضافہ کروں گا کہ ابن اسحاق کو جو امام زہری کے شاگرد رشید اور ثوری، شعبہ اور سفیان بن عیینہ وغیرہ جیسے ائمہ علم ودین کے استاد تھے حافظ ابن عبدالبر اندلسی (وفات ۴۶۲ھ) نے بھی اپنی مشہور کتاب **جامع بیان العلم وفضله** (ص ۴۴۸، طبع مصر ۱۹۷۵ء) میں ثقہ قرار دیا ہے، یاد رہے کہ یہ بھی ابن سیّد الناس اندلسی کی طرح مالکی تھے، ان دونوں حضرات نے نہایت معقولیت پسندی سے امام مالک کے واقدی پر اعتراض وتنقید کی توجیہ وتردید کی ہے، پھر ابن سعد نے طبقات کبریٰ (ج ۷، ص ۳۲۱) میں

ان کو ثقہ قرار دیا ہے اسی طرح قاضی ابن خلکان نے وفیات الاعیان ج ۴، ص ۲۷۶، طبع بیروت میں تصریح کی ہے کہ ''اکثر علماء حدیث کے نزدیک وہ حدیث میں معتبر تھے'' مزید یہ کہ مشہور محدث حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی نے ''تقیید العلم'' میں ان سے متعدد روایات نقل کی ہیں۔ امام مالک نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کا سبب معاصرانہ چشمک اور ذاتی اسباب تھے جیسا کہ ابن سید الناس اور ابن عبدالبر نے لکھا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء کی آخری فصل میں بکثرت ابن اسحاق سے روایتیں نقل کی ہیں۔

جہاں تک ابوجعفر منصور کا تعلق ہے تو وہ تو علویوں کا سخت دشمن تھا اور اس نے محمد النفس الزکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم (دونوں سیدنا حسنؓ کے پرپوتے تھے) کی سیاسی و عسکری تحریک کو کچلتے ہوئے ان کو قتل کیا، سو وہ کیوں کر ایک شیعہ مؤرخ کی دست گرفتگی کر سکتا تھا۔ اس لئے ان پر شیعیت کا الزام لغو ہے اور دوسرا الزام بھی بے بنیاد ہے۔

محمد بن عمر واقدی کو ''کذاب'' ''رافضی اور شیطان'' کہنا انتہائی گستاخانہ بات ہے جو آج تک بلیغ الدین صاحب کے سوا کسی ذی علم نے نہیں کہی، وہی ابن سعد جس کی ''طبقات کبریٰ'' کو وہ مستند کہتے ہیں اس میں ابن سعد نے جو درحقیقت واقدی کا کاتب تھا بکثرت واقدی کی روایات بیان کی ہیں، پھر واقدی کس طرح کذاب ہوسکتے ہیں۔ وہ امام مالک وثوری وغیرہ جیسے محدثین کے شاگرد اور ابن اسحاق کی طرح فن مغازی (غزوات نبوی ﷺ) کے امام سمجھے جاتے ہیں اور طبری، ابن کثیر، ابن حجر وغیرہ ائمہ علم نے ان کی روایات بیان کی ہیں۔ اگر کچھ محدثین نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے تو دیگر بہت سوں نے جیسے ابراہیم الحربی، یزید بن ہارون، ابوعبید القاسم بن سلام وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یاقوت نے (معجم الادباء ج ۷، ص ۵۶) بہت اچھی بات کہی ہے کہ ''تاریخ سیرت نبوی، فقہ اور دیگر تمام علوم میں وہ باتفاق ثقہ سمجھے جاتے ہیں اور حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی نے تو بہت ہی شاندار الفاظ میں ان کی تعریف کی ہے (بحوالہ معجم الادباء حالات واقدی ج ۷، ص ۵۶) پھر یہ کہ بقول قاضی ابن خلکان خلیفہ المامون نے ان کو مشرقی بغداد کا قاضی مقرر کیا تھا (وفیات ج ۴، ص ۳۴۹) اور یہ ہر ذی ہوش جانتا ہے کہ المامون رافضی اور شیطان کو

بغداد کا قاضی مقرر نہیں کرتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ دشمنان اسلام مستشرقین نے ان دونوں بنیادی سیرت نگاروں کے خلاف یک طرفہ اقوال نقل کرکے زہر اگلا ہے تاکہ وہ مسلمانوں کو اپنے نبی کی سیرت کی دو بنیادی کتابوں کے بارے میں شکوک و اوہام میں بتلا کر دیں اور وہی بلیغ الدین صاحب کر رہے ہیں۔

اس موقع پر بلیغ الدین صاحب نے علامہ شبلی مرحوم اور مجھ پر افتراء کیا ہے شبلی مرحوم آنحضرت ﷺ کے ابو طالب کے ساتھ سفر شام کے منکر نہیں ہیں اور نہ بحیرا راہب سے ملاقات کے (یہاں اضافہ کر دوں کہ حافظ ابن حجر بھی الاصابہ جلد ا، صفحہ ۱۷۶ پر ''ذکرِ بحیرا'' کے تحت اس سفر اور ملاقات کے قائل ہیں) وہ اس روایت کے اس غلط ٹکڑے کے منکر ہیں جس میں ابوبکر و بلال کا ذکر ہے اور اس بات کے منکر ہیں جو بعض مستشرقین نے کہی ہے کہ بحیرا نے آنحضرت ﷺ کو قرآنی تعلیمات از بر کرا دیں تھیں میں نے جو حوالہ مولانا شبلی کا دیا تھا اس کو ان کی سیرۃ النبی میں دیکھا جا سکتا ہے یہی میرا موقف ہے۔

یہاں مضمون نگار صاحب نے از راہِ حسد فتنہ انگیزی سے بھرپور ایک ذاتی حملہ مجھ پر کیا ہے جو یہ ہے ''افسوس کہ ندوہ کے طالب علم نے شبلی کو بھی قابل اعتماد نہ جانا'' اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ کہ مولانا شبلی مرحوم نے کبھی اپنے کو معصوم عن الخطا نہیں کہا دوسری بات یہ کہ ندوہ میں ذہنی غلامی نہ پہلے سکھائی جاتی تھی اور نہ اب سکھائی جاتی ہے، ان کے شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے سیرۃ النبی میں متعدد مقامات پر اپنے محبوب استاد سے اختلاف کیا ہے جیسا کہ قاضی ابو یوسف اپنے شفیق استاد امام ابو حنیفہ سے اختلاف کرتے تھے، اور پھر ندوہ کے مرحوم مفکر و استاد اور اس کے ایک طالب علم (راقم سطور) کے معاملہ میں آپ کا کیا دخل؟

فغض الطرف انک من نمیر   فلا کعبا بلغت ولا کلابا

پھر مضمون نگار معترض یہ بھول گئے کہ ندوہ کا یہ ناچیز طالب علم حجاز مقدس اور مصر میں آزاد تعلیم کے بعد دمشق یونیورسٹی سے ایم۔ اے اور پھر کیمبرج سے ڈاکٹریٹ بھی کر چکا

ہے، ندوہ میں تو اس نے صرف ایک سال گزار کر ''عالمیہ'' کی ڈگری حاصل کی تھی لیکن عرب ممالک میں اس نے اپنی تعلیم کے آٹھ سال گزارے تھے، پھر یہی طالب علم لیبیا و سعودی عرب کی یونیورسٹیوں میں ۲۴ سال تک اسلامی تاریخ و تمدن کا پروفیسر بھی رہا ہے جہاں ریسرچ کے عرب طلبہ (ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی) کے عربی زبان میں علمی مقالوں thesis کا نگراں اور ممتحن بھی رہا ہے، اس کی بعض عربی کتابیں بھی ان یونیورسٹیوں میں چھپی ہیں اور نصاب میں یا بطور کتب حوالہ شامل ہیں، لہٰذا ان کے اس حاسدانہ جملہ سے اس کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا خود ان کی ذہنیت قارئین پر آشکارا ہو گئی ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ اس کو تعلّی نہ سمجھا جائے بلکہ جواباً، صرف ذاتی تعارف ہے۔ تعلّی مقصود ہوتی تو یہ کہتا کہ لیبیا کے انقلاب سے صرف چند ماہ پہلے کرنل معمر القذافی، بنغازی یونیورسٹی میں ''ندوہ کے اس طالب علم'' کا شاگرد رہا تھا جو اس وقت معمر عبدالسلام بوطیار القذافی کے نام سے میرے رجسٹر حاضری میں درج تھا اور فوج میں صرف کیپٹن تھا، وہ اسلامی تاریخ بحیثیت External Student کے پڑھ رہا تھا، یا پھر یہ کہتا کہ لیبیا میں پاکستان کے سفیر عبدالرؤف خان نے ۱۹۷۱ء کی ہند و پاک جنگ کے موقع پر اس کے بعض عربی مضامین اخبارات سے انگریزی میں ترجمہ کر کے وزارت خارجہ اسلام آباد کو بھیجے تھے وغیرہ وغیرہ۔ بلیغ الدین صاحب یہ تو بتائیں کہ وہ کس یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ کے پروفیسر رہے ہیں وہ پی ایچ ڈی تو کیا ایم۔فل کی ڈگری بھی نہیں رکھتے۔ نہ دنیائے تحقیق میں ان کا کوئی مقام ہے۔ اپنی ریڈیائی تقاریر کا حوالہ دیتے ہیں، جن کی علم و تحقیق کے میدان میں کہیں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی، کسی تحقیقی کام سے تہی دست ہوتے ہوئے، یہ تعلّی اور انا کا نعرہ!!

حدیث مغفور:

خارجیوں، ناصبیوں کے ہاتھ بخاری کی ایک حدیث آ گئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ''میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا اس کی مغفرت ہوگی'' اس حدیث کی

غلط تاویلیں کر کے وہ اس کو یزید پر چسپاں کرتے ہیں۔ درحقیقت اس حدیث پر بحث کی کافی گنجائش ہے، مجلّہ تکبیر کے محدود صفحات اس کی اجازت نہیں دیتے لیکن یہاں دو باتیں خاص طور پر اس کے رد میں کہی جا سکتی ہیں۔

۱۔ اس حدیث میں بشارت اس پہلے لشکر کے لئے ہے جو ''مدینۃ القیصر'' پر حملہ آور ہوگا اور تاریخ سے قطعی طور پر یہ ثابت ہے کہ وہ حملہ جس میں یزید شامل تھا پہلا حملہ نہ تھا بلکہ اس سے قبل متعدد حملے اس طرف جا چکے تھے۔ یزید والے حملہ کی تاریخ ۴۹ھ ۵۰ھ یا ۵۲ھ بتائی جاتی ہے جب کہ تاریخ طبری، تاریخ یعقوبی، تاریخ ابن الاثیر اور ان تینوں سے قبل امام بخاری کے استاد محدث، مؤرخ خلیفہ بن خیاط کی تاریخ میں مذکور ہے کہ ۴۴ھ اور ۴۵ھ میں دو حملے اس طرف عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن الولید کی قیادت میں بھیجے گئے اور اس کی تائید سنن ابو داؤد کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جو ایک ایسے راوی ابو عمر ابن اسلم کی زبان سے ہے جو خود اس غزوہ میں شریک تھے اور اس میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی شریک تھے، اس قدرے طویل حدیث کی ابتداء میں جو باب فی قوله عزوجل: ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة میں ہے راوی ابو عمر کہتے ہیں ہم مدینہ سے جہاد کے لئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے اور ہمارے جیش کی قیادت حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کر رہے تھے۔ اور اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث اسی سنن ابو داؤد میں ''باب فی قتل الاسیر بالنبل'' میں ہے حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کا سنہ وفات ۴۶ھ ہے اس طرح بخاری کی مذکورہ حدیث کا اطلاق اس پہلے حملہ پر ہوگا جو حضرت عبدالرحمٰن بن خالد کی قیادت میں ہوا۔ (سنن ابو داؤد کے حوالے کے لئے میں مولانا عبدالرشید نعمانی کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی کتاب ''یزید اہل سنت کی نظر میں'' یہ حوالہ دیا ہے)۔

۲۔ اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ بخاری میں مذکور جیش سے وہ لشکر مراد ہے جس میں یزید بھی شامل تھا تو اس سے یہ کس طرح ثابت ہوسکتا ہے کہ اس میں شریک ہونے والے تمام فوجیوں کے (صرف یزید کے نہیں) اگلے یا آئندہ ہونے والے

سب گناہ بھی معاف کر دیئے گئے۔ یہ تو اسلام کی بدیہات کے خلاف ہے، یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اس جہاد سے پہلے کے گناہوں کی مغفرت ہو گئی، لیکن اس کے بعد اس جہاد میں شریک ہونے والوں کے گناہوں کی مغفرت کا تو اس میں کوئی ذکر نہیں۔

یزید کے جو مشہور اعمال بد یا جرائم ہیں وہ اس حملہ کے بعد ہی کے ہیں جب وہ حکمراں ہوا اور پہلے سیدنا حسینؓ و اہل بیت کے قتل کا مرتکب ہوا پھر مدینہ منورہ پر چڑھائی کا جو تاریخ میں وقعۂ حرہ کے نام سے مشہور ہے اور جس میں تین دن تک مدینہ الرسول ﷺ کی جو بے حرمتی کی گئی اور صحابہ اور ان کی اولاد کو قتل کیا گیا ان کو غلام بنایا گیا اس کی تفصیل ابتداء میں بیان ہو چکی ہے، اور اس کے فوراً بعد کعبہ پر آگ کے گولے پھینکے گئے اور اس دوران ہی اللہ تعالیٰ نے یزید کو دنیا سے اٹھا لیا۔ حافظ ابن کثیر کے بقول ''اللہ تعالیٰ نے جو جباروں کی کمر توڑنے والا ہے اس کی کمر بھی توڑ دی۔''

لہٰذا یزید کسی طرح اس حدیث کی بشارت میں داخل نہیں ہوتا، ہرگز نہیں۔ اس موقع پر ابن کثیر کی البدایۃ و النھایۃ کا جو حوالہ بلیغ الدین صاحب نے دیا ہے وہ قطعاً غلط ہے۔ وہ قارئین کو دھوکہ دے رہے ہیں انہوں نے بحث و تحریر کے میدان کو بھی ریڈیائی یا اپنی عوامی تقاریر کا میدان سمجھ رکھا ہے کہ کون سامعین میں سے ٹوکنے والا ہو سکتا ہے۔ ابن کثیر نے تمام روایات نقل کرنے کے بعد تین جگہ یزید کو فاسق لکھا ہے۔

پھر یہاں ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ یہ حملہ جو درحقیقت سفیان بن عوف کی عملی قیادت میں روانہ ہوا تھا (اور جنہوں نے متعدد بار ایشیائے کوچک میں رومی ممتلکات پر حملوں کی قیادت کی) اور جس کی امارت حضرت معاویہؓ نے یزید کو سونپی تھی اس میں وہ کافی سستی اور معذرت کے بعد حضرت معاویہؓ کے اصرار پر گیا تھا۔ پھر دمشق سے نکلنے کے بعد شام کی شمالی سرحد کے ایک پر فضا مقام ''دیر مرّان'' پر اپنی بیوی ام کلثوم کے ساتھ داد عیش دے رہا تھا جس کی تفصیل بلاذری نے انساب الاشراف (ج ۴، ص ۳) میں اور ابن الاثیر و ابن خلدون نے نقل کی ہیں اس وقت بیزنطی مورچے پر مجاہدین بھوک و مرض سے دو چار تھے۔ حضرت معاویہؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے قسم کھائی کہ یزید بھی سفیان بن عوف اور

دیگر مجاہدین کے پاس بیزنطی یا رومی سرزمین میں جائے گا اور اس کو بھی ان سب مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا جو دوسرے مجاہدین کو پہنچے ہیں، لہٰذا وہ ان کے تاکیدی حکم کے بعد ادھر گیا۔ بلاذری نے اس واقع سے متعلق یہ دو شعر نقل کئے ہیں۔

اذا اتکاتُ علی الا نماط فی غُرفٍ بدیر مرّان عندی ام کلثوم
فلا ابالی بما لاقت جموعهم بالخلقدونة من حمی وموموم

(جب دیر مران کے اونچے ٹیلوں پر میں غالیچوں پر دراز ہوں اور میرے پاس ام کلثوم ہے تو مجھے اس کی پروا نہیں کہ ان (مسلمانوں) کی فوج کو خلقدونہ میں کسی بخار اور چیچک کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ لکھتا ہے:

''لوگ غزوہ میں گئے ہوئے تھے ان کو ایک وبائی مرض اور بھوک کا سامنا کرنا پڑا، جب معاویہؓ کو اس کے ان اشعار کی خبر گئی تو انہوں نے کہا خدا کی قسم اس کو غزوہ پر جانا پڑیگا، خواہ وہ مر ہی نہ کیوں نہ جائے، سو انہوں نے اس (یزید) کو روم کے غزوہ پر جانے کے لئے مجبور کیا اور اس کے ساتھ انطا کیہ اور بعلبک وغیرہ کے لشکری بھی بھیجے۔ اس طرح وہ خلقدونہ میں سفیان بن عوف سے جا کر ملا اور جہاد کیا یہاں تک کہ خلیج تک پہنچا اور پھر واپس ہوا۔''

انساب الاشراف میں ''قرقدانہ'' ہے یہ یا تو کتابت کی تحریف ہے یا خلقدونہ کا دوسرا عربی املا ہے، یاقوت نے معجم البلدان میں اس کو ''خذقدونہ'' اور خلقدونہ بھی لکھا ہے، اور یہ آخر الذکر ہی قدیم وجدید کتب جغرافیہ میں زیادہ مشہور ہے جو ایشیائے کوچک کے ایک رومی شہر Capaduchia کا عربی نام ہے۔ جہاں مسلمان افواج کیمپ لگائے ہوئے تھیں۔

بلاذری تو بلیغ الدین صاحب کے نزدیک ثقہ مورخ ہے اور اس نے یہ قصہ دوسری

صدی ہجری کے مشہور وکثیر التصانیف مصنف ابوالحسن المدائنی سے نقل کیا ہے اور مشہور محدث طبرانی نے اپنی المعجم الکبیر میں اس کو محدث ومؤرخ ابوزرعہ الدمشقی (متوفی ۲۸۰ھ) کی سند سے روایت کیا ہے۔ ان مؤخرالذکر کی ایک کتاب "تاریخ وعلل الرجال" پر ہے۔

حاصل کلام یہ کہ امام بخاری کی اس "حدیث مغفور" کا اطلاق امام بخاری ہی کے استاذ خلیفہ بن خیاط کی تاریخ (صفحہ ۲۰۷) کے مطابق اس پہلے حملے پر ہوتا ہے جو حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کی قیادت میں رومی سرزمین کی فتح کے لئے روانہ ہوا، تمام ناصبیوں نے اس سلسلے میں یزید کی ثناء خوانی میں جو ڈھول پیٹا ہے وہ محض ایک فریب کاری ہے اور یزید کے تیسرے یا چوتھے غزوۂ روم پر جانے کی حقیقت اوپر بیان ہوگئی، کیونکہ جہاد میں شرکت گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے، لیکن یزید نے اس کے بعد اعمال بد کا جو ارتکاب کیا جیسے قتل حسینؓ، مدینہ طیبہ کی تاراجی اور شراب نوشی پر اصرار، یہ ایسے گناہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف کردے اور چاہے تو اس کو عذاب دے جیسا کہ سارے گنہگاروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے۔

اس موقع پر خواہ مخواہ بلیغ الدین صاحب نے ایک اور بے تکی بات یہ لکھی ہے کہ "قرآن حضرت معاویہ کے (خلیفہ) راشد ہونے کی گواہی دیتا ہے، مگر کوئی آیت ذکر نہیں کی، امت مسلمہ کا اجماع (اتفاق) تو اس پر ہے کہ خلفائے راشدین صرف وہی چار ہیں جن کو سب جانتے ہیں، اور پھر یہ کہنا کہ "ان کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے سب سے زیادہ مشابہ تھی" خلفاء راشدین اور ان صحابہ کی تنقیص ہے جن کو عشرہ مبشرہ بالجنّة کہا جاتا ہے۔ کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ جو جلیل القدر صحابہ حضرت معاویہؓ کے اسلام سے قبل اکیس سال تک حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے رہے اور بعد میں بھی دو سال مزید، ان کی نماز آنحضرت ﷺ کی نماز سے مشابہ نہ تھی، یعنی ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ وغیرہم پیچھے رہ گئے اور صرف دو سال کی معیت میں امیر معاویہ ان صحابہ کرام سے جن کو السابقون الاولون (اسلام میں سبقت کرنے والے) کہا گیا ہے۔ آگے بڑھ گئے!

اس فقرہ کے تحت بلیغ الدین صاحب کی ناصبیت کھل کر سامنے آگئی ہے بلکہ یزیدیت، کہ وہ یزید کی مدح سرائی میں وہ سب کچھ کہہ گئے ہیں جو محمود عباسی نے اپنی کتاب "تحقیق مزید بہ سلسلہ خلافت معاویہ و یزید" (ص ۱۳ اور ۵۸) میں کہا ہے انہوں نے کوئی حوالہ دیئے بغیر لکھا ہے کہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے صحابہ میں عشرہ مبشرہ، بدری صحابہ اور بیعت رضوان کے صحابہ شامل ہیں یہ پوری عبارت انہوں نے محمود عباسی سے نقل کی ہے بلکہ اس میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ محمود عباسی نے ایسے صحابہ کی تعداد ۱۷۲ لکھی تھی (صفحہ ۵۸) موصوف نے اسے بڑھا کر ۳۵۰ کر دیا ہے، یعنی یزید کی محبت و تقدیس میں محمود عباسی سے بھی بازی لے گئے۔

اس قول کی تردید میں بہر حال ابتداء میں کر چکا ہوں، اس سے زیادہ افترا پردازی اور مغالطہ انگیزی اور کیا ہو سکتی ہے کہ یزید کے ہاتھوں پر "عشرہ مبشرہ" (یعنی وہ دس صحابہ جن کو نام بنام حضور ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہے) نے بیعت کی کیونکہ ان میں بیشتر کافی پہلے وفات پا چکے تھے اور سب سے آخر میں وفات پانے والے سعید بن زید ہیں جن کا انتقال ۵۱ھ میں ہوا جب کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت سن ۵۴ھ اور خلافت کی بیعت سن ۶۰ھ میں ہوئی اور یزید کی بیعت خلافت کے وقت بدری صحابہ میں سے کوئی باقی نہ تھا اور جہاں تک یزید کی ولی عہدی کی بیعت کا تعلق ہے وہ خواہ مخواہ قارئین کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ اس پر اجماع امت تھا، ان کو چاہئے کہ وہ اس بیعت کے بارے میں امام بخاری کے استاد (جن کی احادیث بخاری میں ہیں) خلیفہ بن خیاط کی تاریخ میں اس موضوع کو (ص ۲۱۳ تا ص ۲۱۷) کسی سے پڑھوا کر اس کا ترجمہ سنیں تو ان کو اس بیعت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ یہ کس طرح جبریہ طور پر لی گئی تھی۔ یہ کتاب میرے علاوہ خالد اسحاق صاحب (کراچی) کی لائبریری میں بھی ہے یہاں گنجائش نہیں کہ اس طویل روایت کو جو انتہائی اہم ہے اور پوری صحیح سند کے ساتھ مروی ہے نقل کروں، صرف ایک ایسے صحابی کی بیعت کا حال لکھتا ہوں جن کے بارے میں کافی ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے ناصبیوں کی طرف سے یعنی حضرت

عبداللہ بن عمر، انہوں نے اس موقع پر فرمایا۔ ان کان خیرا رضینا و ان کان بلاء صبرنا اگر یہ خیر ہے تو راضی رہیں گے اور ابتلا ہے تو صبر کریں گے۔

اور پھر سب یہ جانتے ہیں کہ نہ صرف سیدنا حسین بلکہ حضور کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر کے صاحبزادے اور حضرت اسماء بنت ابی بکر کے فرزند حضرت عبداللہ بن الزبیر نے بھی یزید کی بیعت نہ کی بلکہ سیدنا حسین کے بعد اس کے خلاف مسلح تحریک مکہ مکرمہ میں چلائی اور یزید نے ان سے انتقام لینے میں مکہ کی حرمت کو بھی ملحوظ نہ رکھا۔ اس طرح اجماع امت کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔

جن صحابہ نے بیعت کی تھی اس کی حقیقت وہ تھی جس کو شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں ''خلافت استیلاء'' کے نام سے یاد کیا ہے یعنی جبری خلافت جس کا ابتداء میں تفصیلی ذکر کر چکا ہوں، یعنی اس میں صحابہ کرام کی رضا و رغبت اور ان کے مشورہ کا کوئی دخل نہ تھا۔

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ یزید کے فسق و جرائم کی وجہ سے اس کے خاندان سے ہی حکومت کا خاتمہ ہو گیا کیونکہ اس کے صالح بیٹے معاویہ ثانی نے خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور بنو امیہ کے مروانی اور سفیانی خاندان آپس میں لڑے اور نتیجہ میں مروانی شاخ کی حکومت قائم ہو گئی اور جس کو عباسیوں نے ۶۸ سال بعد ختم کر دیا۔

''غیر معروف'':

اس فقرہ کے تحت بلیغ الدین صاحب نے دمشق کے مشہور و معروف محدث و مصنف شیخ ناصر الدین البانی کے خلاف جو باتیں کی ہیں ان سے ان کی ناقص معلومات اور فتنہ انگیزی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: یہ پہلے مقلد تھے اور اب غیر مقلد ہیں۔ یہ وحی ان پر کہاں سے آ گئی؟ میں نے تو چالیس سال قبل پانچ سال برابر ان کو دیکھا اور سنا، اس وقت بھی وہ سلفی المذہب تھے اور اب بھی ہیں۔ پھر موضوع زیر بحث کا تعلق تاریخ سے ہے یا ان احادیث نبویہ سے جن کا تعلق اہل بیت اور خلافت راشدہ وغیرہ سے

ہے یہاں کسی فقہی مسئلہ یعنی رفع الیدین اور آمین بالجہر وغیرہ کی باتیں نہیں کہ مقلد اور غیر مقلد کی بات چھیڑی جائے۔ یہ بات موصوف نے برصغیر ہند وپاک کے عام قارئین کو برانگیختہ کرنے کے لئے کہی ہے کیونکہ ان کی غالب اکثریت فقہ حنفی کی تقلید کرتی ہے۔

بلیغ الدین صاحب کا شیخ ناصر الدین پر یہ ایک بے بنیاد بہتان ہے کہ ''ان کی شہرت یہ ہے کہ انہوں نے بہت سی احادیث صحیحہ کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے'' نہیں ہرگز نہیں مضمون نگار صاحب یہ کس بنا پر کہتے ہیں دراں حالیکہ انہوں نے شیخ کی ایک کتاب بھی نہیں دیکھی، اس کے بالکل برعکس وہ ذخیرۂ حدیث کو اس کی صحیح صورت میں پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، انہوں نے چار جلدوں میں احادیث صحیحہ کو کافی بحث وتحقیق کے بعد جمع کیا ہے (اسی میں ترمذی کی وہ صحیح حدیث بھی ہے جو حدیث سفینہ کے نام سے مشہور ہے اور اس میں تیس سالہ عہد خلافت راشدہ کا ذکر ہے اور جس کے بارے میں بلیغ الدین صاحب شکوک پھیلا رہے ہیں) اور دو جلدوں میں ''احادیث ضعیفہ'' کو اسی طرح پیش کیا ہے اسی طرح انہوں نے حافظ منذری کی ''ترغیب وترہیب'' کی احادیث کی تنقید وترتیب کی ہے اور سیوطی کی ''الجامع الصغیر'' کی تنقیح کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ بیسیوں کتابیں اور بھی ان کی تصنیف کردہ ہیں۔

یاد رہے کہ اپنے اسی مضمون میں بلیغ الدین صاحب ذخیرۂ حدیث نبوی پر ایک عمومی حملہ کر چکے ہیں کہ ''تھوک کے بھاؤ گڑھی گئی ہیں'' شیخ البانی یہی کر رہے ہیں کہ کھری و کھوٹی حدیثوں کو علیحدہ کر رہے ہیں جیسے کہ پہلے علماء کرتے رہے ہیں۔

مضمون نگار صاحب کی بے خبری کا یہ عالم ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ ''ان کی (شیخ ناصر الدین کی) ایک آدھ کتاب کراچی کی ایک دو ''معروف لائبریریوں میں ہیں'' اس کے بالکل برعکس حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی اعلیٰ دینی درسگاہ میں موصوف کی متعدد کتابیں مل جائیں گیں، خالد اسحاق صاحب ایڈووکیٹ کی لائبریری میں بھی موصوف کی ایک آدھ نہیں متعدد کتابیں ہیں۔ میری ذاتی لائبریری میں ان کی چھ جلدیں ہیں۔ مگر بلیغ الدین صاحب کے یہاں جہل کے ساتھ عناد بھی ہے۔

پھر انہوں نے یہ بھی غلط لکھا ہے کہ ہمارے یہاں کے علماء شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ عرب ممالک میں غیر معروف ہیں۔ ہمارے سارے وہ قدیم علماء جنہوں نے عربی زبان میں لکھا ہے ان ممالک میں کافی معروف ہیں شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ ازہر یونیورسٹی میں اور بعض دوسری اسلامک یونیورسٹیوں میں نصاب میں شامل ہے، اسی طرح نواب صدیق حسن خاں، شیخ مجدد الف ثانی، مولانا عبدالحئی فرنگی محلی، مولانا عبدالعزیز المیمنی وغیرہ علمی اور دینی حلقوں میں پوری طرح معروف ہیں، اور مولانا سید ابو الحسن ندوی اور مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی تو مراکش سے لے کر کویت تک شہر شہر اور گاؤں گاؤں مشہور ہیں، یہی نہیں وہاں ندوہ کے وہ نوجوان مصنفین بھی مشہور ہیں جو ۴۷ سال سے عربی رسالہ ''البعث الاسلامی'' نکال رہے ہیں، مگر جو آدمی کبھی عربی ممالک میں نہ رہا ہو اور نہ عربی پڑھتا ہو بلکہ سنی سنائی باتوں پر اعتبار کرتا ہو اس کو اس سب کی کیا خبر۔

انہوں نے میرے بارے میں جو یہ کہا ہے کہ ''حوالے نہیں ملتے تو کروٹ بدل کر مطبوع اور موثوق کتابوں کے بجائے مخطوطات کا سہارا لینے پر اتر آتے ہیں، یہ ان کی ریسرچ (تحقیق) کے طریقہ کار Method سے بے خبری کی دلیل ہے، اہل علم و تحقیق جانتے ہیں کہ ریسرچ کا تو بنیادی اصول یہ ہے کہ صرف مطبوعہ کتابوں پر اعتماد نہ کیا جائے، بلکہ یورپ، استنبول، عرب ممالک اور ہندوستان و پاکستان وغیرہ کی لائبریریوں میں جو ہزاروں علمی ذخیرے قلمی شکل میں موجود ہیں ان سے بھی استفادہ کیا جائے، خواہ براہ راست، خواہ مائکروفلم کی شکل میں، اس کے بغیر عربی و اسلامی علوم میں عرب ممالک اور یورپ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری ہی نہیں ملتی۔

وہ جس زمانہ میں ایم۔اے کے طالب علم ہوں گے (۱۹۶۰) راقم السطور اسی زمانہ میں اپنے پی۔ایچ ڈی کے لئے کیمبرج یونیورسٹی میں برٹش میوزیم، اسکوریال (میڈرڈ) لائیڈن اور قاہرہ و استنبول سے حاصل شدہ عربی کے مائیکروفلم پڑھ رہا تھا جو اب بھی میرے پاس موجود ہیں۔ اور براہ راست عربی مخطوطات سے استفادہ تو میں نے دمشق کی ظاہریہ لائبریری سے

۱۹۵۸ء میں شروع کر دیا تھا جب اپنی پہلی عربی کتاب ''العزبن عبدالسلام'' لکھ رہا تھا۔

اس فقرہ اور اس کے بعد کے دو فقروں کے تحت بلیغ الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ میری غلط بیانی نہیں بلکہ ان کی صریحی غلط بیانی اور افتراء پردازی ہے، اس سے وہ ناصبیت (سیدنا علی واہل بیت سے بغض وعداوت) کے اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہو گئے ہیں، کیونکہ انہوں نے یہاں صریحی غلط بیانیاں کر کے سیدنا علی کی خلافت میں شکوک پیدا کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے اور حضرت معاویہ کو ''خلیفہ راشد'' کہا ہے۔

اگر ان میں جرأت تھی اور وہ شیعوں کی طرح تقیہ کا سہارا نہیں لے رہے تھے تو ان کو اس مبہم عنوان کے بجائے اس فقرہ کا عنوان یہ لکھنا چاہئے تھا کہ ''حضرت علی چوتھے خلیفہ راشد نہیں تھے'' جو بالفعل انہوں نے مبہم فقروں کے تحت ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ صاحب کے ناقص اور جھوٹے حوالے دے کر کہا ہے۔ اور ان دونوں علمائے اہل سنت پر بہتان تراشی کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ساری تنقید اعتراضات اور کج بحثی کا مقصد ناصبیت کا پروپیگنڈہ تھا جو انہوں نے یہاں سے لے کر اپنے آخری مضمون تک کیا ہے اور مجلّہ تکبیر کے صفحات کو اس کیلئے استعمال کیا ہے۔

مدیر ''تکبیر'' برادرم محمد صلاح الدین صاحب ہر چند کہ مؤرخ نہیں مگر نہ تو وہ شیعی افکار کے حامل ہیں نہ خارجی و ناصبی فکر کے داعی، ان کے عقائد وہی ہیں جو تمام اہل سنت والجماعت کے ہیں یعنی خلافت راشدہ کا تسلسل حضرت علی کی شہادت تک رہا اس کے بعد جو حکومت قائم ہوئی وہ اگرچہ عرف عام میں خلافت کا نام رکھتی تھی مگر وہ درحقیقت اسلامی ملوکیت تھی (اور یہی امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ تمام علمائے حق نے لکھا ہے)، وہ بھی تمام امت مسلمہ کی طرح یزید اور دوسرے اموی خلفاء کو خلفائے راشدین نہیں مانتے ہیں جب کہ بلیغ الدین صاحب نے ''بارہ خلفاء راشدین'' کے عنوان کے تحت ان سب کو خلفائے راشدین بنا دیا ہے، ''ناطقہ سربگریباں کہ اسے کیا کہئے''۔ مگر نہ معلوم یہ مدیر ''تکبیر'' کی وسعت قلبی ہے یا ان کی صحافتی مشغولیت کہ انہوں نے بلیغ الدین صاحب کے

اس پروپیگنڈہ کو میرے سابقہ مضمون پر تنقید و اعتراضات کے تحت شائع کر دیا۔ حالانکہ نفس موضوع سے اس کا دور دور کا بھی تعلق نہیں ہے، شاید ان کا مقصد یہ ہو کہ بلیغ الدین صاحب نے جو شکوک و اوہام اس سلسلہ میں پیش کئے ہیں ان کا رد لکھ کر میں ان لوگوں کے ذہن صاف کر دوں جو محمود عباسی اور خود ان کے زہریلے افکار سے متاثر ہیں، اس لئے میرے جوابات کا یہ حصہ بہت اہم ہے۔ یہ عرض کر دوں کہ میں نے اس موضوع پر نہایت تفصیلی دلائل کے ساتھ سات صفحات لکھے تھے اب ان کے اصرار پر اختصار کر کے دو تین صفحات میں پیش کروں گا۔

جناب معترض نے اس سلسلہ میں یعنی یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت علی چوتھے خلیفہ راشد نہ تھے اور خلافت علی منہاج نبوت حضرت عثمان پر ختم ہوگئی) شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب (ازالۃ الخفاء) کا سہارا لیا ہے، یہاں بھی وارد جو احادیث ہیں ان کا حوالہ غلط ہے، اور سیاق وسباق سے کاٹ کر وہ جو چند احادیث پیش کر رہے ہیں اس میں دعویٰ یہ کیا ہے کہ میرا قصد یہ ہے کہ ''خلافت کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب کا نقطۂ نظر اچھی طرح معلوم ہو جائے۔''

شاہ ولی اللہ صاحب کا ہرگز وہ نقطۂ نظر نہیں ہے جو انہوں نے پیش کیا ہے، یہ ان پر ایک بہتان اور افتراء ہے، وہ اسی ازالۃ الخلفاء کی پہلی جلد کی فصل اول و دوئم میں بار بار خلفائے راشدین کا ذکر کرتے ہیں۔ بتایا جائے کہ یہاں خلیفہ چہارم سے حضرت علی کے سوا کون سا خلیفہ مراد ہے؟ وہ جلد اول کے صفحہ ۳۸ پر لکھتے ہیں کہ ''خلفائے اربعہ کے لئے خلافت عامہ کا ثابت ہونا بہت ہی واضح (جلی) بدیہات میں سے ہے'' (اردو ایڈیشن شائع کردہ محمد سعید اینڈ کمپنی کراچی) پھر ''افضلیت خلفائے اربعہ'' کے تحت صفحات ۴۶، ۵۲، ۵۳ میں خلفائے اربعہ (چار خلفاء) کا ذکر کرتے ہیں یہ فصل ''لوازم خلافت خاصہ'' کے بیان میں ہے یعنی وہ خلافت خاصہ کے اعتبار سے حضرت علی کو چوتھا خلیفہ سمجھتے ہیں اور خلافت خاصہ یعنی وہ خلافت خاصہ کے اعتبار سے حضرت علی کو چوتھا خلیفہ گردانتے ہیں۔

پھر شاہ صاحب نے ازالۃ الخلفاء کی دوسری جلد ''خلفائے راشدین کے مناقب و مآثر'' (کارگزاریوں) کے بارے میں تصنیف فرمائی ہے اور اس میں آخر صفحہ ۴۸۷ سے صفحہ ۵۵۷ تک حضرت علی کے مناقب و مآثر بیان کئے ہیں۔ اب بقول امام احمد و ابن تیمیہ اپنے گھریلو گدھے سے بھی زیادہ احمق ہی کوئی شخص ہوگا جو اس کے باوجود حضرت علیؓ کو چوتھا خلیفہ نہ سمجھے گا اور خلافت خاصہ کو حضرت عثمانؓ پر ختم کر دے گا جو بلیغ الدین صاحب نے کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے خلافت خاصہ (خلافت علی منہاج نبوت) کے جو لوازم یا شرائط اس کتاب کی جلد اول، فصل دوئم میں بیان کئے ہیں وہ بالترتیب یہ ہیں (۱) خلیفہ مہاجرین اولین میں سے ہو۔ (۲) تمام غزوات نبوی (مشاہد خیر) میں شریک رہا ہو۔ (۳) رسول اللہ ﷺ نے نام لے کر اس کو جنت کی بشارتیں دی ہوں جو اس درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہوں کہ اس سے اختلاف کا احتمال بھی نہ ہو (ج ۱، ص ۴۷)۔ (۴) خلفائے اربعہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا ولی عہدی کا سا برتاؤ کرنا جو قطعی طور پر ثابت ہے۔ (ج ۱، ص ۵۴) یہاں انہوں نے چاروں خلفائے راشدین کے ساتھ نام بنام حضور کے مختلف مواقع پر ایسے برتاؤ کا ذکر کیا ہے اور حضرت علی کے بارے میں اس ذیل میں ان کو یمن کا حاکم مقرر کرنے اور ان کے لئے دعائے خیر کرنے کا ذکر کیا ہے وہ یہ بھی فرماتے ہیں ''یہ تمام احادیث مجموعی طور پر متواتر بالمعنی ہیں'' یہ سب ''لوازم'' حضرت علی پر منطبق ہوتے ہیں۔

کیا اس کے بعد بھی کوئی انصاف پسند اور ذی ہوش انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ حضرت علی کو چوتھا خلیفہ راشد نہیں سمجھتے تھے؟ شاہ ولی اللہ صاحب کے خلاف بہتان تراشی پر حیف صد حیف ہے! اب وہ احادیث جن کا حوالہ ازالۃ الخفاء کے صرف ایک مبحث سے جناب معترض نے دیا ہے اس میں سے ترازو اور پلے والی پہلی والی حدیث کو شاہ صاحب نے بخاری، مسلم و ترمذی کی حدیث نہیں بلکہ ابن مردویہ کی حدیث بتایا ہے یہ ان کے خلاف صریحی غلط بیانی ہے، بخاری وغیرہ کی حدیث صرف حضرت ابوبکر و عمر سے متعلق ہے وہ ازالۃ

الخفاء کو پھر پڑھیں، ابن مردویہ کا مقام صحاح ستہ کے مصنفین کے برابر نہیں، مقام حیرت ہے کہ وہ حدیث سفینہ کو جو ترمذی، ابو داؤد، امام احمد، حاکم اور ابن حبان جیسے اکابر محدثین سے مروی ہے ضعیف و موضوع بتاتے ہیں، ان کی یہاں ذکر کردہ بزار وطبرانی وغیرہ کی احادیث کا معاملہ یہ ہے کہ یہ زیادہ تر صحابہ کرام کے بعض خوابوں کی تفسیر سے متعلق ہیں جن میں جرح کی کافی گنجائش ہے۔ اور کہیں حضور ﷺ کی زبانی یہ تصریح نہیں ہے کہ خلافت حضرت عثمان پر ختم ہوگئی۔ اگر یہ کہا جائے تو یہاں فصل اول ودویم میں پیش کردہ صحیح و متواتر المعنی احادیث اور شاہ صاحب کی خلفائے اربعہ کے بارے میں واضح تصریحات سے تعارض ہوگا جو درست نہیں، اس لئے ان احادیث کا مطلب ان کی صحت اور عدم صحت سے قطع نظر یہ لیا جائے گا کہ ان تینوں خلفاء کی خلافت میں کوئی شخص فتنہ نہیں کھڑا کرے گا جو حضرت علی کے دوران خلافت پیش آیا اور جس کی وجہ سے علمائے محققین امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن کثیر (دونوں شام کے باشندے تھے) وغیرہ نے کہا ہے کہ اس جنگ (صفین) میں حضرت علی حق پر تھے اور حضرت معاویہ حق پر نہ تھے۔

پھر ایک اہم بات یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے عہد میں دربار مغلیہ اور اس کے ساتھ دربار اودھ میں شیعیت کا بڑا غلغلہ تھا (اسی لئے شاہ صاحب کے بعد ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز دہلوی کو شیعوں کے رد میں تحفۂ اثناء عشریہ لکھنا پڑی) اور شیعہ حضرات پہلے تینوں خلفائے راشدین کی خلافت کے منکر تھے اور نعوذ باللہ ان کو غاصب خلافت کہتے تھے جب کہ اہل سنت والجماعت ان تینوں کے ساتھ حضرت علی کو بھی خلیفہ برحق سمجھتے تھے۔ اس طرح حضرت علی کی خلافت فریقین کے مابین محل نزاع نہ تھی، پہلے تین خلفاء راشدین کی تھی، سو شاہ صاحب نے پوری قوت کے ساتھ ان کی خلافت کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے نہ یہ کہ وہ حضرت علی کی خلافت کے بارے میں شک رکھتے تھے۔ ورنہ ان کی فصل اول دوئم بلکہ پوری کتاب کا خاکہ ہی غلط ٹھہرے گا۔

پھر شاہ ولی اللہ صاحب ہی نہیں محمود عباسی اور بلیغ الدین صاحب کے محبوب اور

ان کے نزدیک انتہائی مستند مصنف ابوبکر بن العربی نے بھی پوری قوت کے ساتھ حضرت علی کو چوتھا خلیفہ کہا ہے (العواصم من القواصم) عربی مطبوعہ ریاض ایڈیشن صفحہ ۱۴۲) بلکہ انہوں نے تو اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۴ پر یہاں تک کہا ہے کہ ''حضرت عثمان کی شہادت کے بعد روئے زمین پر حضرت علی سے زیادہ خلافت کا حق دار کوئی نہ تھا لہٰذا تقدیر الٰہی کے مطابق خلافت ان کو اپنے وقت پر اور اپنے مقام پر ملی (اس موقع پر انہوں نے حضرت علی کی تعریف میں حضرت عمر کا قول بھی پیش کیا ہے کہ ''اگر علی نہ ہوتے تو عمر کو ہلاکت سے دو چار ہونا پڑتا'' یعنی دونوں باہم متعاون تھے)، اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ کا حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا ایک غلطی تھی۔

مزید یہ کہ فقیہ ابن العربی نے فرقۂ عثمانیہ (حضرت عثمان کے بعد ان کے حامی اور خون کے بعید، ان کو قدیم عربی کتب جیسے جاحظ کی البیان والتبیین وغیرہ میں شیعۂ عثمان یا عثمانیہ کہا جاتا ہے) کے اس قول کی تردید میں کہ حضرت علی کی بیعت سے صحابہ کا ایک گروہ جن میں بقول ان لوگوں کے حضرت سعد بن ابی وقاص، محمد بن مسلمہ اسامہ بن زید وغیرہ جیسے لوگ شامل تھے، لکھا ہے کہ ان کی بیعت سے کسی نے کنارہ کشی نہیں کی، لیکن ان کی نصرت و تائید سے ایک جماعت نے کنارہ کشی کی جن میں وہ لوگ بھی ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، اور چونکہ یہ مسئلہ اجتہادی تھا لہٰذا ہر ایک نے اجتہاد کیا غور وفکر کیا اور جو اس کے لئے مقدر کر دیا گیا تھا وہ کیا'' (العواصم ص ۱۴۶، ۱۴۷)۔

یہاں بلیغ الدین صاحب کا یہ کہنا کہ ابوبکر بن العربی نے بھی شاہ ولی اللہ صاحب کی بیان کردہ تین خلفاء سے متعلق احادیث بیان کی ہیں ایک صریحی غلط بیانی ہے۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا ہے، وہ کتاب کو پھر غور سے پڑھیں بلکہ جیسا کہ مذکورہ بالا حوالوں سے واضح ہوا انہوں نے تو صراحۃً حضرت علی کو چوتھا خلیفہ قرار دیا ہے۔

یہاں بلیغ الدین صاحب کی مضحکہ خیز حد تک ''ناصبیت'' ملاحظہ ہو کہ ازالۃ الخفاء سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ ''خلافت مدینہ میں ہوگی اور سلطنت شام میں''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدینہ طیبہ میں جہاں حضرت علی کی بیعت خلافت ہوئی تھی خلافت راشدہ ان کے بعد ختم ہوگئی اور حضرت معاویہ کی جو حکومت شام میں قائم ہوئی تھی وہ خلافت نہیں بلکہ سلطنت تھی۔ حدیث کے الفاظ میں کوئی ابہام نہیں ہے مگر اپنی ناصبیت کے زور میں اور امیر معاویہ کو خلافت راشدہ کا سہرا پہنانے کے شوق میں انہوں نے اس کی تشریح یہ فرمائی ہے ''جو مدینہ سے باہر ہوگی وہ خلافت راشدہ ہوگی'' کیا انہوں نے اپنے قارئین کو عقل سے کورا سمجھ رکھا ہے۔

جہاں تک شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب ''تفہیمات الٰہیہ'' سے میرے اقتباس کا مسئلہ ہے کہ بقول شاہ صاحب حضرت علی پر خلافت ختم ہوئی اس کے بعد سے ملک عضوض (زبردستی کی ملوکیت) قائم ہوگی، وہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سے شائع شدہ ایڈیشن سے تھا جس کو مضمون نگار صاحب نے دھاندلی میں تحریف کیا، اگر اس ایڈیشن کو ایڈیٹ کرنے والے مشہور جید عالم مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب نے یہ تحریف کی ہے تو معترض صاحب کسی دوسرے نسخہ سے ثابت کریں یا درحقیقت بات یہ ہے کہ جو شئے بھی ناصبیت کے خلاف جاتی ہے اس کو وہ تحریف کہہ دیتے ہیں۔ یہ علمی تحقیق نہیں الزام تراشی ہے۔

یہاں انہوں نے شاہ ولی اللہ صاحب کا نام لے کر ایک عجیب ملغوبۂ افکار پیش کیا ہے جس کا شاہ صاحب سے کوئی تعلق نہیں (کیونکہ کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے) کہ خلفاء میں ایک گروہ نبوت ہے اس میں پہلا نام حضرت ابوبکر کا ہے اور خلفائے راشد (راشدین ہونا چاہیئے) میں پہلا نام حضرت علی کا ہے۔ صرف سلسلۂ خلافت شمار ہو تو حضرت علی چہارم اور امیر معاویہ پنجم ہیں، شاہ صاحب نے یہ کہیں بھی نہیں لکھا ہے۔ اور ان کی خلافت عامہ اور خلافت خاصہ کی بحث سے اس کا کوئی تعلق نہیں، وہ خلافت خاصہ خلافت راشدہ کے معنی ہی میں استعمال کرتے ہیں اور ان میں پہلا نام حضرت ابوبکر کا اور چوتھا نام حضرت علی کا ہے حافظ ابن کثیر اور سیوطی نے (تاریخ الخلفاء) میں حضرت حسن کو پانچواں خلیفۂ راشد کہا ہے اور امام شافعی نے عمر بن عبدالعزیز کو پانچواں خلیفہ راشد کہا ہے لیکن حضرت معاویہ کو کسی

نے نہیں کہا۔ خلافت عامہ (یعنی عام حکمرانی) کے تحت وہ بنو امیہ میں پہلے خلیفہ شمار کیے جاتے ہیں خود اپنے آپ کو انہوں نے اول الملوک کہا ہے۔

لیکن چونکہ ناصبیت کے زور میں بلیغ الدین سیدنا علی کو خلافت خاصہ (راشدہ) سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے خلافت کی یہ عجیب وغریب تقسیم نکالی ہے جو اہل سنت والجماعت کے مسلمہ عقائد کے خلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے تو جیسا کہ پہلے ذکر ہوا حضرت معاویہ کی خلافت کو خلافت استیلاء، یعنی جنگ و پیکار کے ذریعہ زبردستی کا غلبہ کہا ہے۔ (ازالتہ الخفاء فصل اول)۔

یہ بھی غلط بیانی ہے جناب معترض کی کہ قاضی ابوبکر بن العربی نے حضرت معاویہ کو خلیفۂ راشد لکھا ہے، ہرگز نہیں انہوں نے صرف خلیفہ لکھا ہے اور ان کے برخلاف امام ابن تیمیہ، ابن کثیر اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہم کے اقوال کے مطابق وہ اسلام میں پہلے ملک (بادشاہ) تھے۔ فتاوی ابن تیمیہ وغیرہ سے کافی حوالے دے چکا ہوں۔ منہاج السنہ (ج ۳، ص ۱۸۵، طبع بولاق) میں بھی ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ "لم یکن فی ملوک الاسلام خیر من معاویة" (مسلمان بادشاہوں میں معاویہؓ سے بہتر کوئی بادشاہ نہ تھا) پھر خود حضرت معاویہؓ کا مشہور قول ہے۔ انا اول الموک (میں پہلا بادشاہ ہوں یعنی اسلامی عہد) ابوبکر بن العربی نے تو حضرت حسن کو حضرت معاویہ اور بہت سے دوسروں سے زیادہ خلافت کا مستحق قرار دیا ہے اور ان کے تنازل کی تعریف کی ہے۔

یہاں انہوں نے صحیح و حسن حدیثوں کی تعریف میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مقدمۂ مشکوٰۃ (اردو ترجمہ) سے جو کچھ میرے جواب میں نقل فرمایا ہے۔ وہ بھی عجیب شے ہے، میں نے تو ساتویں صدی ہجری کے مشہور محدث عمرو بن عبدالرحمٰن، المعروف بابن الصلاح سے ایسی احادیث کی تعریف پیش کی تھی اور وہ تین سو سال بعد کے ایک ہندوستانی محدث کا قول نقل کر رہے ہیں جن کا مآخذ خود ہی مقدمہ ابن الصلاح تھا یا حاکم اور ابن حجر و سیوطی وغیرہ کی کتب اصول حدیث۔ علم حدیث سے جناب معترض نابلد معلوم ہوتے ہیں۔

''نواں مغالطہ بارہ خلفائے راشدین'':

ان دونوں فقروں اور دوسرے چند فقروں کے تحت بلیغ الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس حدیث سے متعلق ہے جو صرف ایک صحابی جابرؓ بن سمرۃ سے ترمذی میں ہے اور جو بارہ خلفاء سے متعلق ہے جن کے عہد میں اسلام سر بلند رہے گا۔

بلیغ الدین صاحب کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ بارہ خلفاء کی فہرست سلف صالحین کی تیار کردہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلف صالحین کا مطلب ہی نہیں سمجھتے ہیں۔ اس اصطلاح سے صحابۂ کرام تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مذاہب اربعہ کا عہد مراد ہوتا ہے، پانچویں صدی ہجری کے امام غزالی اور بعد کو ابن الجوزی، ابن تیمیہ اور خود ابن حجر یہ اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ ابن حجر اور علامہ بدرالدین محمود عینی (جو نویں صدی ہجری کے مشہور محدث ہیں) کی تیار کردہ بارہ خلفاء کی ایک فہرست کو سلف صالحین کی تیار کردہ فہرست کہنا، جو کسی بھی محاکمہ سے برتر ہے، ایک صریحی غلط بیانی ہے۔ یقیناً اس کا محاکمہ ہوسکتا ہے اور سید سلیمان ندوی مرحوم نے کیا ہے۔ انہوں نے ابن حجر کے ذکر کردہ ولید بن یزید بن عبدالملک کے بجائے عمر بن عبدالعزیز کا نام ڈال دیا ہے۔ اور پھر جس طرح ان دونوں معاصرین نے ایک ایک فہرست تیار کی تھی جو ایک دوسرے سے کافی مختلف ہے، اور جس طرح سیوطی کی فہرست ذاتی ہے اسی طرح ان کے دونوں بڑے معاصرین یا اساتذہ کی فہرست بھی ذاتی تھی۔

پھر یہ کہ سید سلیمان صاحب مرحوم نے بدرالدین عینی کی فہرست کا بھی ذکر نہیں کیا ہے جو ابن حجر کی فہرست سے کافی مختلف ہے، اور بلیغ الدین صاحب نے خود اپنے پہلے مضمون میں پیش کی ہے۔ اس فہرست میں نہ یزید بن عبدالملک ہے۔ نہ ہشام اور نہ ولید بن یزید بن عبدالملک (جو انتہائی فاسق و فاجر نوجوان اموی حکمراں تھا) بلکہ ان تینوں کے بجائے حضرت حسن، عبداللہ بن الزبیر اور عمر بن عبدالعزیز کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

اس موقع پر حافظ ابن حجر کی فہرست کے بارے میں جناب مضمون نگار نے بڑے

تحکمانہ انداز سے فرمایا ہے کہ ''اگر کہیں کتابت کا سہو ہو گیا تو غور سے دیکھو لکھا کیا ہے کیا گیارہ نام ہیں یا بارہ؟ جی ہم نے تو غور سے دیکھ لیا اب آپ ہی عینک لگا کر دیکھئے اس میں گیارہ نام گیارہ نمبروں کے ساتھ ہیں اس میں عمر بن عبدالعزیز کا نام کہیں نہیں، ہاں اس بار آپ نے اضافہ ضرور کر دیا ہے۔

اس سب سے قطع نظر جس کو بحث نہیں کہا جا سکتا اصل بحث فتح الباری کی مذکورہ جلد میں حافظ ابن حجر نے پوری تفصیل و جامعیت کے ساتھ کی ہے جس میں قدیم شارحین بخاری وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں، اور پھر اپنی بھی ایک رائے دی ہے جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے یا ان دوسری آراء کو جو چوتھی پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے تین علماء نے دی ہیں۔

سب سے پہلے ابن حجر نے حدیث سفینہ اور اس بارہ امراء یا خلفاء والی حدیث کو نقل کر کے اس میں تعارض کا ذکر کیا ہے اور اس بارے میں یعنی بارہ خلفاء والی حدیث کے بارے میں علماء کے تحیر و اختلاف کا ذکر کیا ہے، انہوں نے بخاری کے قدیم شارح مہلب کا قول نقل کیا ہے کہ کسی نے بھی اس حدیث کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کی ہے۔ پھر ابن حجر نے قاضی عیاض اندلسی (وفات ۵۴۴ھ) کے الفاظ میں اس حدیث کا حدیث سفینہ (تمیں سالہ عہد خلافت) سے تعارض کا ذکر کیا ہے، اور یہ کہ قاضی عیاض حدیث سفینہؓ کو صحیح مانتے ہیں کہ یہ کتب سنت میں آتی ہے، اور اس تعارض کا ان کے (قاضی عیاض) کے نزدیک حل یہ ہے کہ حدیث سفینہ سے مراد خلافت نبوت ہے جب کہ جابر بن سمرۃ کی حدیث میں ایسی کوئی قید نہیں، پھر یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں کہ ان بارہ کے سوا کوئی امیر یا خلیفہ ہوگا ہی نہیں۔

اس کے بعد ابن حجر نے قاضی عیاض کے اس حدیث کی شرح میں تین اقوال نقل کئے ہیں، جن میں پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عادل حکمراں ہیں جو خلافت کے مستحق ہوں گے، ان میں چار خلفاء تو گزر چکے ہیں اور ضروری ہے کہ قیامت سے پہلے یہ گنتی پوری

ہو جائے۔ مزید براں قاضی عیاض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث کی اور بہت سی بھی تاویلیں ہوسکتی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی مراد کو بہتر جانتا ہے۔

اس لئے بلیغ الدین صاحب کا علامہ سید سلیمان ندوی کے حوالے سے صرف ایک قول نقل کرنا صحیح نہیں جس کو انہوں نے غلط معنیٰ پہنائے ہیں، اور درحقیقت جیسا کہ میں نے ذکر کیا سید صاحب مرحوم نے اس پر تفصیلی بحث کی ہی نہیں ہے غالبًا ان کی نظر سے فتح الباری کی یہ بحث نہیں گزری اور انہوں نے سیوطی کی تاریخ الخلفاء پر اکتفا کیا۔

جیسا کہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے ابن الجوزی (وفات ۵۹۵ھ) یعنی ابن حجر سے ڈھائی سو سال پہلے اپنی کتاب کشف المشکل (اس کا پورا نام کشف مشکل الحدیث ہے) میں اس مسئلہ پر کافی غور وخوض کرنے کے بعد اور دوسرے لوگوں سے دریافت کرنے کے باوجود اس حدیث کا صحیح مطلب معلوم نہ کر سکے۔ کیونکہ اس حدیث کے الفاظ مختلف ہیں اور کوئی شک نہیں کہ حدیث کے راویوں نے اس میں بڑی گڑبڑ کی ہے پھر انہوں نے (ابن الجوزی نے) اوائل چوتھی صدی ہجری کے ایک قدیم محدث ابن المنادی (وفات ۳۳۶ھ) کے تین اقوال اس حدیث کی شرح میں نقل کئے ہیں، اور ان کا تیسرا قول وہی ہے جو ابن حجر نے قاضی عیاض کا پہلا قول (تین اقوال میں سے) بتایا ہے یعنی اس سے مراد قیامت تک ہونے والے وہ بارہ خلفاء مراد ہیں جو حق پر ہوں گے، اس کی سند وتائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی مسند کبیر میں روایت کی ہے (فتح الباری ۱۳، ص ۲۱۲)۔

ابن حجر نے اس ساری بحث کو نقل کرنے کے بعد قاضی عیاض کے جس قول کو اختیار کیا ہے وہ تیسرا ہے جس کی تائید دوسرے ائمہ حدیث کے اقوال سے نہیں ہوتی، اس موقعہ پر انہوں نے جو ایک فہرست دی ہے اس میں عجیب بات یہ ہے کہ ولید ثانی (مقتول ۱۲۶ھ) اموی حکمراں کو شامل کیا ہے اور اس کو بارہواں خلیفہ بتایا ہے۔ مزید یہ کہ اس میں عمر بن عبدالعزیز کا ذکر نہیں۔ یہ ولید ثانی انتہائی فاسق و فاجر نوجوان تھا جس کو اس کے نیک چچازاد بھائی یزید الناقص یا یزید ثالث نے صلحاء و اتقیاء امت کے فتویٰ اور تائید پر مسلح

بغاوت کے ذریعہ قتل کیا، پھر یہ کہ اس ولید کا عہد خلافت صرف ایک سال دو ماہ تھا جس کو ابن حجر نے چار سال لکھا ہے ان سے یہ ایک بڑی فروگزاشت ہوئی ہے۔ تمام کتب تاریخ میں اس کے فسق و فجور اور ایک سالہ عہد حکومت پر اتفاق ہے۔ حق بات تاریخ و حوادث اور سیرت خلفاء بنی امیہ کے تتبع کے بعد وہ نظر آتی ہے جس پر قاضی عیاض اور ابن الجوزی کا نقطۂ نظر متفق ہے، یعنی وہ عادل خلفاء جو قیامت تک پوری مدت اسلام میں ہوں گے اور ان کا تسلسل ضروری نہیں۔ حافظ ابن کثیر نے کتاب الملاحم والفتن (ص ۱۰) میں صراحت کی ہے کہ اس سے وہ بارہ حکام مراد نہیں جو خلافت بنی امیہ کے دوران تسلسل سے حکمراں ہوئے، اور اسی سے اتفاق کرتے ہوئے علامہ سیوطی نے جو فہرست اپنی کتاب تاریخ الخلفاء (ص ۱۲) میں پیش کی ہے وہی درست معلوم ہوتی ہے انہوں نے اپنے استاد حافظ ابن حجر کی فہرست کو رد کر دیا یہ فہرست حسب ذیل ہے۔

چاروں خلفاء راشدین (۵) حضرت حسن (۶) حضرت معاویہ (۷) حضرت عبداللہ بن زبیر (۸) عمر بن عبدالعزیز (۹) المہتدی العباسی ان نو کا ذکر کرنے کے بعد سیوطی نے کہا ہے کہ دو باقی ہیں جن کا انتظار ہے جن میں سے ایک مہدی منتظر ہیں جو اہل بیت میں سے ہوں گے۔ اس فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ تاریخ الخلفاء کے مطبوعہ نسخہ میں ایک نام رہ گیا ہے کیونکہ اس طرح یہ صرف گیارہ بنتے ہیں، عبدالملک جس کا نام رہ گیا ہے وہ عمر بن عبدالعزیز سے پہلے ہونا چاہئے تھا، وہ محدث تھا، اور خوارج کا استحصال اس کے عہد کا کارنامہ تھا۔ بلکہ بنی امیہ کا حضرت معاویہ کے بعد وہی حقیقی مؤسس تھا، اس کا ذاتی سیرت و کردار بہت بلند تھا، اس کے بیٹے یزید ثانی اور پوتے ولید ثانی کو جو فسق و فجور اور ظلم میں مشہور تھے اس سے کوئی نسبت نہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سیوطی نے جو محدث و مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مشہور و معروف مؤرخ بھی تھے (برخلاف ابن حجر کے جو صرف بلند پایہ محدث و اسماء رجال کے ماہر تھے) یزید بن معاویہ کو اس فہرست میں نہیں لیا ہے اور نہ دیگر خلفائے بن امیہ

کو جو اپنے جبر و استبداد اور فسق و فجور میں معروف تھے۔ مجھ کو ذاتی طور پر سیوطی کی فہرست ہی زیادہ قرین حق نظر آتی ہے۔ بہرحال یہ بات مسلم ہے کہ حدیث زیر بحث سے یزید اور دوسرے اموی خلفاء کا خلفائے راشدین ہونا ثابت نہیں ہوتا، یہ ایک لغو بیانی ہے۔

''روایت لڑکا شاہی'':

اس فقرہ کے تحت بلیغ الدین صاحب نے اس مشہور حدیث کا مذاق اڑایا ہے جو نہ صرف مسند امام احمد بن حنبل بلکہ نسائی میں بھی موجود ہے، اور اس کو امام بخاری نے بطور تعلیق کتاب الفتن میں تیسرے باب کا عنوان بنایا ہے **هلاک امتی علی یدی اغیلمة من سفهاء قریش** (یعنی میری امت کی تباہی قریش کے چند احمق لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی)

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اس مضمون کی حدیثوں کو سیرۃ النبی کی جلد سوئم میں صحیح مانا ہے اور یزید بن معاویہ کی حکومت کو اس لڑکا شاہی حکومت کا فرد اول قرار دیا ہے۔ میں نے سابقہ صفحات میں فتح الباری سے حضرت ابو ہریرہ کی جو احادیث اس ضمن میں بیان کی ہیں کہ وہ اس سے پناہ مانگتے تھے، سنہ ۶۰ھ کو اس کی ابتداء قرار دیتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ اللہ اس سے قبل ان کو اٹھالے۔ اس کا جواب تو معترض صاحب سے بن پڑا نہیں اور وہ لفظ ''صبیان'' کی تشریح فرمانے لگے جب کہ بخاری کے ایک دوسرے شارح علامہ عینی نے بھی اس لڑکا شاہی حکومت میں یزید بن معاویہ کو پہلا شمار کیا ہے۔ گویا ابن حجر اور عینی جیسے علماء عرب اور سید سلیمان ندوی کو اتنی عربی نہ آتی تھی کہ وہ لفظ صبیان (لڑکے) کے معنی سمجھتے مگر بلیغ الدین صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ حافظ ابن حجر نے ان جیسے کم فہم عجمی معترضین کا جواب پہلے ہی فتح الباری (ج ۱۳، ص ۹) میں دے دیا ہے۔ وہ لفظ صبی اور غلیم (تصغیر غلام یعنی لڑکا) کے مختلف معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جو دانائی معاملہ فہمی اور دینداری میں کمزور ہو خواہ وہ سن بلوغ کو پہنچ چکا ہو اور اس حدیث میں یہی معنی مراد ہے۔

یہاں انہوں نے سیدنا حسنؓ کے سنہ ولادت کے بارے میں قارئین کے ذہن میں شکوک پیدا کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ ایک مکروہ حرکت ہے۔ ان کی پیدائش تمام مستند

کتب تاریخ میں نصف رمضان ۳ھ مذکور ہے اور جنگ خیبر کے سال کی روایت کو مردود کہا گیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس حدیث کی وعید میں سیدنا حسن کو بھی داخل کر دیں۔ یہ ہے ناصبیوں کا بغض اہل بیت۔ یہاں انہوں نے یزید کے سنہ ولادت کو ۹ سال گھٹا دیا ہے طبری اور ابن الاثیر کی روایت کے مطابق اس کی عمر وفات کے وقت یعنی صفر ۶۴ھ میں ۳۸ سال تھی۔ بلیغ الدین صاحب نے مسعودی کی التنبیہ والاشراف کے حوالے سے اس کا جو سنہ ولادت ۲۲ھ دیا ہے وہ غلط بیانی ہے مسعودی نے کسی سنہ ولادت کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ صرف سنہء وفات ۶۴ھ دیا ہے اور عمر بوقت وفات ۳۳ سال لکھی ہے اس طرح اس کا سنہ ولادت ۳۱ھ نکلتا ہے اور بیعت خلافت کے وقت اس کی عمر ۲۹ سال بنتی ہے نہ کہ جناب معترض کے دعوے کے مطابق ۳۸ سال یا ۳۵ سال، آپ مسعودی پر ہی اعتماد کیجئے مگر حساب غلط نہ کیجئے اس طرح یزید ''لڑکا شاہی'' حکومت کی وعید میں داخل ہوتا ہے۔

آخر میں اپنی ریڈیائی تقاریر کی تشہیر کے بعد (اہل علم جانتے ہیں کہ ریڈیو پر تقاریر کی بناء پر کوئی آدمی نہ عالم کہلاتا ہے نہ محقق اگر ایسا ہوتا تو اہل تشیع کے مقررین جن کے نام کے شروع میں علامہ کا سابقہ عام طور پر لگا ہوتا ہے سب بڑے عالم و محقق ٹھہرتے، ہاں آدمی مشہور ضرور ہو جاتا ہے، سو وہ بلیغ الدین صاحب ہیں اور اس کی بناء پر ہر غیر علمی بات کہنا اور غلط حوالے آزادی کے ساتھ دینا اپنا حق سمجھتے ہیں) تو ان تقاریر کی پبلسٹی کے الفاظ کے بعد وہ فرماتے ہیں۔

> ''میرے نزدیک ہر بات جو چارٹ بنانے والے نے لکھی ہے قرآن حکیم کے فیصلے، درود شریف کے اشاروں اور تاریخی حوالوں اور بالخصوص ابتدائی مستند ماخذوں (ماخذ لکھنا تھا کہ وہ ماخذ کی جمع ہے) کے مطابق صحیح ہے۔''

یہ پورا پیراگراف خطیبانہ ہے اس کا علم و تحقیق سے کوئی تعلق نہیں۔ تاریخی حوالے غلط ثابت کئے جا چکے ہیں، بنیادی مستند ماخذ تو کیا اس میں کسی بھی مستند ماخذ پر اعتماد نہیں کیا

گیا ہے، ورنہ اس میں وہ اغلاط نہ ہوتیں جن کا میں گزشتہ صفحات میں تفصیلی ذکر کر چکا ہوں۔

یہاں مضمون نگار صاحب نے تاریخ کو مسخ کرنے کا جو الزام علمائے متقدمین پر لگایا ہے۔ وہ ناپاک و بے بنیاد ہے۔ تاریخ اسلام کو وہ خود مسخ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کا تفصیل کے ساتھ سطور بالا میں مختلف عناوین کے تحت ذکر ہوا۔

اسلامی تاریخ کے قدیم مؤرخین ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، بلاذری اور طبری و ابن الاثیر وغیرہ نے گھڑی ہوئی روایات کا انبار نہیں لگایا ہے، یہ ان کی الزام تراشی ہے، بلکہ ان سب نے تاریخ اسلام کے اولین عہد کی تاریخ کا ذخیرہ بڑی تن دہی سے جمع کر دیا ہے، روایات کی چھان پھٹک بھی کی ہے اور بعد کے مؤرخین ابن الجوزی ابن الاثیر، ابن کثیر اور ابن خلدون وغیرہ نے اس کی کافی جانچ پڑتال بھی کی ہے۔ ان تاریخوں میں وہی سب کچھ ہے جس پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے اور جس کے تار و پود بکھیرنے کی محمود عباسی نے اپنی کتابوں میں ناکام کوششیں کی ہیں، اور اسی کے نقش قدم پر بلیغ الدین صاحب رواں دواں ہیں۔ لیکن امت کا اجتماعی شعور جس طرح محمود عباسی کی کوشش کو رد کر چکا ہے اسی طرح وہ بلیغ الدین صاحب کی کوششوں کو بھی رد کر دے گا اور اپنے نبی کی سیرت پاک، خلفائے راشدین اور اموی عہد سے متعلق اس کو وہی حقائق معتبر نظر آئیں گے جو ان عرب محققین اور علامہ شبلی سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالرشید نعمانی وغیرہ جیسے علمائے محققین نے بیان کئے ہیں۔

اور پھر اگر یہ چارٹ اہل بیت سے متعلق ہے تو اس میں حضور کے غیر مسلم اعمام کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے؟ یا یہ صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ تمام مؤرخین و محدثین کے برخلاف بجائے ابوطالب کے زبیر بن عبدالمطلب کو حضور کا کفیل ثابت کیا جائے پھر اس میں ان صحابہ کرام کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے جو بنی ہاشم سے نہیں؟ علاوہ ازیں اس چارٹ میں اہل و آل کی جو بے معنی تقسیم ہے اس کا لغت عرب سے کوئی تعلق نہیں ورنہ اس صورت میں کہ اہل بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات ہیں جیسا کہ بلیغ الدین صاحب کا اصرار ہے تو پھر

یہ چارٹ بالکل ہی بے معنی ہے اس میں تو صرف ان کے دعوے کے مطابق ازواج مطہرات ہی کو ہونا چاہیئے تھا۔

حقیقت میں یہ چارٹ پاکستان کے ایک مخصوص گروہ (شیعہ حضرات) کے چارٹ کی ضد میں بنایا گیا ہے اور جس طرح وہ غلط ہے، اسی طرح یہ بھی، جو بلیغ الدین صاحب کا تیار کردہ ہے غلط ہے۔

آخر میں سلف صالحین کا نام لے کر اور معدودے چند ایسے حضرات کا نام لے کر جنہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کو جائز سمجھا ہے بلیغ الدین صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ سلف صالحین کے مسلک پر ہیں، اگر ایسا ہوتا تو اس مضمون میں لمبی چوڑی بحثوں کی ضرورت نہ ہوتی۔ یہ سلف صالحین کا مسلک نہیں محمود عباسی کا ناصبی مسلک ہے۔ کیونکہ سلف صالحین حضرت علی کے خلیفۂ راشد ہونے میں شک نہیں رکھتے تھے، وہ حضرت معاویہ کو اور دیگر خلفائے بنی امیہ کو خلفائے راشدین میں شمار نہیں کرتے تھے۔ تیس سالہ عہد خلافت کی حدیث کو ضعیف و موضوع نہیں کہتے ہیں۔ سیدنا حسن و حسین کی صحابیت کے بارے میں شکوک و اوہام پیدا نہیں کرتے ہیں، حضرت علی کے بغض میں حضور کے ایک غیر مشہور اور بحیثیت مسلمان یک سالہ داماد کے جھوٹے فضائل بیان نہیں کرتے ہیں، حضور کے ان نواسوں کو جو بچپن ہی میں وفات پا گئے جو ان اور مختلف مقامات پر ہیرو نہیں بناتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب بلیغ الدین صاحب نے محمود عباسی کی تقلید میں کیا ہے اور یہ عین خارجیت و ناصبیت ہے۔ سلف صالحین کا مسلک نہیں۔

بلیغ الدین صاحب کے آخری پیراگراف کا جواب یہ ہے کہ اکابر اہل سنت میں کیا سیدنا علی، سیدنا فاطمہ اور حسن و حسین رضوان اللہ علیہم نہیں؟ جن کی کسی حد تک تنقیص انہوں نے کی ہے۔ یا اکابر سنت سے ان کی مراد صرف امیر معاویہؓ، یزید اور دوسرے ظالم و فاسق اموی خلفاء ہیں۔ کون کس کی تنقیص کر رہا ہے، انصاف کی بات کیجئے۔ اہل سنت والجماعت تو نہ بغض معاویہ میں مبتلا ہیں اور نہ بغض علی و اہل بیت میں، وہ اہل بیت اور

صحابۂ کرام سے محبت کو جزء ایمان سمجھتے ہیں، ہاں یزید کو اکابر اہل سنت میں ناصبیوں کے سوا کوئی شمار نہیں کرتا۔ اس کی مذمت تمام اہل سنت امام احمد سے لے کر اب تک کرتے چلے آئے ہیں اور کریں گے، اور یہی اللہ کی طرف سے اس کے اعمال بد کی سزا ہے۔

رہا صحابہ سے عقیدہ کا مسئلہ تو ہم ان کے درجات کے مطابق، جو قرآن کریم اور سنت نبوی نے مقرر کئے ہیں، درجہ بدرجہ ان سے عقیدت رکھتے ہیں۔ ان میں السابقون الاوّلون، بدری صحابہ اور بیعت رضوان کے صحابہ کو قرآنی فیصلے کے بموجب ان صحابہ سے افضل قرار دیتے ہیں جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور جن کو حضور کے وقت سے ہی، طلقاء کہا گیا، ہم ان کا بھی احترام کرتے ہیں، مگر ان کا درجہ مہاجرین و انصار کے برابر ہرگز نہیں مانتے، تمام امت مسلمہ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان السابقون الاوّلون، بدری اور بیعت رضوان کے صحابہ میں حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عمار، صہیب، بلال وغیرہم اور تمام انصاری صحابہ سعد بن معاذ بن جبل، انس بن مالک، جابر بن عبداللہ وغیرہم ہیں، ان میں ابوسفیان، معاویہ شامل نہیں ہیں جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، اور حضرت علی کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ وہ پروردۂ رسول ﷺ تھے، صحیح العقیدہ مسلمانوں کو یہ گوارا ہے اور گوارا رہے گا، یزید اور اس کے ہم روش دوسرے اموی نام نہاد خلفاء نے اپنے اعمال بد سے تاریخ میں صحیح مقام خود متعین کر دیا تھا، یہ ہندو پاک کی صحافت میں گھسے پٹے لفظ کردار کشی کا مسئلہ نہیں بلکہ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۝ (سورہ زلزال) کا مسئلہ ہے جس کا ظہور دنیا ہی میں نیک نامی و بدنامی کی صورت میں ہو جاتا ہے۔ کسی کو کردار کشی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسی اموی خاندان کے معاویہؒ ثانی، عمر بن عبدالعزیز اور عبدالملک و سلیمان اور یزید ثالث کی تاریخ نے تعریف کی ہے۔ ''عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔'' ہاں تاریخ اسلام کو مسخ کرنے کے نئے عمل اور یزیدیت کے فروغ کو مسلمان کبھی گوارا نہیں کریں گے۔ آخر میں یہ عرض ہے کہ بلیغ الدین صاحب نے بہت سے سیاسی و مذہبی گروہوں کی طرح ایک مخصوص فرقہ کے خلاف ایک محاذ کھول رکھا ہے، وہ مجھ

جیسے اہل سنت والجماعت کے پیچھے کیوں پڑے ہیں۔ یقین کریں کہ میں اس محاذ میں ان کا حریف نہیں حلیف بھی نہیں ہوسکتا کہ مجھے شیعوں اور ناصبیوں دونوں کا غلو پسند نہیں۔ حق بات ہی پسند ہے جو قوی دلیل سے ثابت ہو۔

سب سے آخر میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ساری بحثوں اور اعتراضات کے جوابات کا جن میں بیسیوں علماء اور کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں عام قارئین کو کیا فائدہ پہنچاتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ علمی مباحث کراچی کے ایک ہفتہ وار نیوز میگزین ''تکبیر'' میں شائع ہوئے تھے لیکن راقم الحروف نے ان میں علمی تحقیق کا اعلیٰ معیار رکھا جس کو اہل علم نے سراہا، اور قدر دانی کی نگاہوں سے دیکھا، لیکن تکبیر کے عام قارئین کے لئے اس وقت میں نے ان ساری ابحاث کے نتیجہ کو مندرجہ ذیل چند نقاط میں اختصار کے ساتھ پیش کر دیا تھا، کہ عربی کے کثیر اور اردو کتابوں کے بعض حوالوں کی روشنی میں ان ساری بحثوں سے جو فائدہ پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ خاندان نبوی، خلفائے راشدین اور عہدِ اموی کے بارے میں ان کے جو مسلمہ عقائد و معلومات ہیں وہ صحیح ہیں اور وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ سیدنا علی مسلمہ طور پر چوتھے خلیفۂ راشد تھے اس بارے میں شکوک غلط اور بے بنیاد ہیں۔

۲۔ حضرت معاویہ خلیفۂ راشد نہیں بلکہ اموی خلافت میں پہلے خلیفہ تھے جس کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہم تمام علمائے محققین نے اسلامی ملوکیت قرار دیا ہے اور ان اموی ملوک میں وہ سب سے بہتر تھے۔

۳۔ کوئی بھی اموی حکمراں خلیفۂ راشد نہ تھا اور وہ عام مسلمان بادشاہوں کی طرح اچھے یا برے تھے۔ گو امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ نے عمر بن عبدالعزیز کو پانچواں خلیفۂ راشد کہا ہے۔

۴۔ حضرت حسنؓ و حسینؓ کی صحابیت کے بارے میں شکوک پیدا کرنا اہل بیت سے دشمنی ہے وہ دونوں مسلمہ طور پر صحابی تھے۔ اور حضرت حسینؓ مظلوم شہید ہوئے۔

۵۔ جس طرح سیدہ عائشہ حضور ﷺ کو اپنی تمام ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ عزیز تھیں اسی طرح سیدہ فاطمہ بھی بیٹیوں میں آپ کو سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ ان کی فضیلت کی تمام احادیث صحیح بخاری، مسلم میں وارد ہیں۔

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل صرف سیدہ فاطمہؓ کی اولاد سے چلی۔

۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت زینبؓ کے دونوں فرزند بچپن میں وفات پا گئے۔

۸۔ حضرت ابو العاص ابن الربیع (حضرت زینبؓ کے شوہر اور بحیثیت مسلمان یک سالہ داماد) کا لقب شیر بطحاء نہیں تھا انہوں نے کسی غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت نہیں کی۔ نہ وہ جنگ یرموک کے وقت زندہ تھے۔

۹۔ حضور ﷺ کی بچپن میں کفالت ابو طالب نے کی، دوسرے چچا زبیر نے نہیں کی۔

۱۰۔ حضور ﷺ نے ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر اپنے بچپن میں کیا اور بحیرا راہب نے نبوت کی بشارت دی اس میں ابوبکرؓ اور بلالؓ کا ذکر غلط ہے، اور یہ بھی غلط ہے کہ بحیرا نے آنحضرت کو قرآن کی تعلیم دی جو دشمنانِ اسلام یعنی بعض عیسائیوں کا بے بنیاد دعویٰ ہے۔

۱۱۔ یزید کو تمام علمائے امت نے فاسق کہا ہے حنفی، حنبلی اور شافعی بے شمار علمائے محققین نے اس پر لعنت بھی جائز کہا ہے اور لعنت بھیجی ہے۔

۱۲۔ صرف چند علماء نے لعنت کو جائز نہیں سمجھا ہے مگر لعنت بھیجنا واجب نہیں۔

۱۳۔ یزید قتل حسینؓ اور مدینہ طیبہ پر حملے اور مدینہ کی تاراجی و غارتگری کا مرتکب ہوا اس لئے اس سے بغض رکھنا اور اس کی مذمت کرنا فعل محمود ہے۔

۱۴۔ یزید کا غزوۂ قسطنطنیہ میں شرکت کرنا ثابت نہیں۔ جن علماء نے اس کی شرکت کو تسلیم کیا ہے انہوں نے اس کو یزید کے بعد کے جرائم کا کفارہ نہیں کہا ہے اور اس کی ابدی مغفرت کو نہیں مانا ہے۔

۱۵۔ تیس سالہ عہد خلافت سے متعلق حدیث سفینہ صحیح حدیث ہے مشہور عالم ابوبکر ابن العربی نے ایک لفظ بھی راوی کی نا معتبری کے لئے نہیں کہا ہے۔

صرف حدیث کے بارے میں ایک جملہ کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے اور ابوحاتم کا قول محبّ الدین الخطیب نے جو نقل کیا ہے وہ صرف یہ ہے شیخ لایحتج بہ (وہ ایک ایسے عالم ہیں جن سے استدلال نہیں کیا جا سکتا)۔

بلکہ خود محبّ الدین الخطیب نے وہ سخت الفاظ استعمال نہیں کئے ہیں جو بلیغ الدین صاحب نے کئے ہیں، انہوں نے اس کے بالکل برعکس یہ کہا ہے کہ ان کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے کہا وہ ٹھیک ہیں اور بعض نے ان کو ثقہ کہا ہے (ملاحظہ ہو العواصم ص ۲۰۱، طبع ریاض، ۱۹۷۹ء)۔

اور جہاں تک سیوطی کا تعلق ہے تو انہوں نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں فصل مدت خلافت میں تائید کے لئے سب سے پہلے اسی حدیث سفینہ کو ذکر کیا ہے (ص ۹، طبع ۱۹۹۶ء) اب قارئین بلیغ الدین صاحب کی تحریف اور غلط بیانی ملاحظہ کریں کہ وہ کس کس طرح سے لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ کون ان کے حوالوں کو چیک کرے گا، دو تین عالموں کے نام ذکر کر دیئے کافی ہیں، مگر سب قارئین ایسے نہیں ہیں۔ اب قارئین یہ بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ میرے بارے میں ان کا یہ فقرہ ''پھر بھی ناصرالدین صاحب سے چمٹے ہوئے ہیں'' کس قدر سوقیانہ اور ظالمانہ ہے راقم صرف شیخ الحدیث ناصر الدین البانی سے نہیں امام احمد، ابو داؤد، ترمذی ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ تمام علماء امت سے چمٹا ہوا ہے جو اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں، آپ ہیں کہ محبّ الدین الخطیب سے چمٹے ہوئے ہیں۔ بلکہ محمود عباسی سے ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ تیس سالہ خلافت کی روایت کسی اور صحابی سے نہیں ملتی ہے جی نہیں یہ روایت حضرت ابوبکر سے بیہقی کی دلائل النبوۃ اور واحدی کی الوسیط میں حضرت جابر بن عبداللہ سے بھی مروی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ان دونوں کی سند یا سلسلۂ روایت میں ان صحابیوں سے روایت کرنے والے سعید بن

جمہان نہیں بلکہ دوسرے متفق علیہ ثقہ راوی بھی ہیں، ان دو شواہد کے بعد یہ حدیث سفینہ اصول حدیث کے مطابق حسن کے درجہ سے بڑھ کر صحیح کے درجہ میں پہنچ گئی، اسی لئے امام ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں جہاں اس حدیث کا ذکر کیا ہے اس کو مشہور کہا ہے جو حدیث متواتر کے بعد وہ حدیث ہوتی ہے جس کو دو یا زائد صحابی بیان کرتے ہیں۔ کیا بلیغ الدین جیسے عوامی خطیب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تکذیب کی جرأت ہے؟

ان سب اقوال اور روایات کے بعد بلیغ الدین صاحب کا اس حدیث کو ضعیف اور منقطع قرار دینا ایک لغو بات ہے، حضرت سفینہ اور سعید بن جمہان کی وفات اور آپس میں نہ ملنے کے بارے میں انہوں نے ایک حوالہ بھی نہیں دیا محض ایک بے بنیاد دعویٰ کیا ہے پھر ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت سفینہ کی وفات ۷۶ھ میں ہوئی۔ حافظ ابن کثیر نے ۷۱ھ بتایا ہے اور ان کا انتقال جیسا کہ اصابہ میں ہے مدینہ میں نہیں مدینہ اور بصرے کے مابین ایک گاؤں بطن میں ہوا۔ امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ ایسے نہ تھے کہ ایک ضعیف اور منقطع حدیث کو مشہور صحیح کہتے بلکہ ناقد نے اپنے جہل کا راز افشا کیا ہے۔

اس صحیح حدیث کا انکار کرتے ہوئے انہوں نے اپنی ناصبیت (یعنی حضرت علی اور اہل بیت سے عداوت و بغض) کا کھل کر اعلان کر دیا ہے یہ کہہ کر کہ صحابہ کی عظیم اکثریت نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ یہ ایک لغو بات اور افتراء ہے تاریخ پر اور ان سارے ائمہ دین بلکہ پوری امت مسلمہ پر جو ان کو چوتھا خلیفہ مانتی ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ سوائے شام کے تمام ممالک اسلامیہ حجاز عراق مصر فارس یمن اور خراسان کے لوگ حضرت علی کی بیعت کر چکے تھے ان جگہوں پر ان کے گورنر موجود تھے۔ طبری اور تاریخ ابن الاثیر وغیرہ میں اس کی تفاصیل دیکھی جا سکتی ہیں۔

بلیغ الدین صاحب نے کون سے حوالے دیئے ہیں جو مجھ سے مانگتے ہیں پھر بھی سعید بن جمہان کو ثقہ کہنے والوں میں امام احمد، یحییٰ بن معین، ابو داؤد، حافظ ابن حجر اور ابن حبان جیسے جلیل القدر محدثین کے نام سرفہرست ہیں سعید بن جمہان کے بارے میں ان کے

بیان کی کوئی قیمت نہیں۔

سعید بن جمہان سے صرف حشرج بن نباتہ نے ہی روایت نہیں کی ہے بلکہ یہ حدیث تین اور راویوں سے بھی مروی ہے۔ عبدالوارث بن سعید اور العوام بن حوشب، امام ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں یہی سلسلہ سند دیا ہے۔ سیوطی نے تاریخ الخلفاء کے اپنے مقدمہ میں ایک تیسرے راوی حماد بن سلمہ کے واسطے سے سعید بن جمہان کی روایت کا ذکر کیا ہے اور جو انہوں نے مسند امام احمد سے نقل کی ہے اور کتنے حوالے چاہئیں بلیغ الدین صاحب کو؟

اس طرح سے تیس سالہ عہد خلافت کی حضرت سفینہؓ سے مروی حدیث صحیح ہے اور معترض کے سارے اعتراضات لغو ہیں۔

آخر میں مصنف امید کرتا ہے کہ پاکستان کے ناصبی گروہ نے (جن میں سے بلیغ الدین صاحب بھی ہیں) اہل بیت سے متعلق جو بدگمانیاں پھیلائی ہیں اور خانوادۂ نبوت میں اپنے بغض حسین رضی اللہ عنہ کے سبب جو اضافے کئے ہیں اور صدر اول کی اسلامی تاریخ کی جو غلط تاویلات کی ہیں اور یزید و دیگر اموی خلفاء (دراصل بادشاہان) کو خلفائے راشدین بنانے کی جو کوشش کی ہے اس تصنیف کے ذریعہ اس سب کے تار و پود بکھیر دیئے گئے ہیں اور خانوادۂ نبوت کے متعلق کے جو مسلمہ افکار ہیں وہی درست ثابت کئے گئے ہیں۔ ابو طالب سیدنا علیؓ، سیدہ فاطمہؓ اور حسن و حسینؓ کا مقام کم کرنے کی کوششوں میں جس طرح اولیں عہود کے خارجی ناکام رہے اسی طرح موجودہ عہد کے ناصبی بھی ناکام رہیں گے۔ رسول ﷺ نے سچ ارشاد فرمایا ہے ”لا تجتمع امتی علی الضلالۃ“ (میری امت بحیثیت مجموعی گمراہ نہ ہوگی)

وما توفیقی الا باللہ

☆☆☆